دیوان معروف

سنہ ۱۹۳۵ء

دیوانِ معروف

مجموعہ کلام فصاحت نظام حضرت خواجہ میرزا نواب الٰہی بخش خاں صاحب چشتی فخری دہلوی

المتخلص

بمعروف

یعنی

زبانِ اُردو کے ابتدائی دَور کا بہترین نمونہ اور پونے دوسو سال قبل کی شاعری

کا مرقع

جس کو کوشش بلیغ کے ساتھ حاصل کرکے

حضرت مولانا شاہ عبدالحامد صاحب قادری بدایونی مدظلہ العالی نے

طبع کرایا

ناشر

عابد القادری البدایونی مولوی محلہ بدایوں

اسعد الدین پروپرائٹر نے

نظامی پریس بدایوں میں چھپکر

شایع کیا

بار اول ۵۰۰ جلد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ دیوان معروف

(از حضرت مولانا عبدالحامد صاحب قادری معینی بدایونی)

خدائے عزوجل کی رحمت کہیئے یا حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی ازلی کہ صحابِ واہل بیت عظام و اولیائے ذوی الاحترام کے محامد و مناقب کا ذوق اپنے عطیات بے کراں کے علاوہ جزو طبیعت بنایا اگرچہ یہ ذوق بھی حضرت اخی المعظم شہید ملت مولانا شاہ محمد عبدالماجد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سرد ہو چکا۔ کیفیات قلبی اور جذبات سخن طرازی کی دنیا ہی بدل گئی تاہم بعض اوقات بعض نفوس قدسیہ کی فیض پاشیاں مائل بہ کرم ہو کر جمود و سکوت کو خموشی و بے زبانی کے الزام سے بچا لیتی ہیں اور زبان خود بخود حیاتِ قلب کی ترجمانی پر آمادہ ہو جاتی ہے ارباب محبت اس وقتی تفنن طبع کو سخن گوئی و سخن طرازی پر محمول فرماتے ہیں۔ چنانچہ حیدرآباد (دکن) کے زمانۂ قیام میں ادب لطیف کے معزز حامی و سرپرست اُردو زبان کے مساعیِ ارتقا کو معراج کمال پر دیکھنے کے شائق محترمی جناب میرزا نصراللہ خاں صاحب صدر محاسب سرکار عالی نے اپنے اخلاق و محاسن سے جو کچھ قدر افزائی فرمائی اور ممدوح کی عارفانہ زندگی نے مجھ پر جو گہرا اثر کیا وہ مٹ نہیں سکتا منجملہ ان احسانات اُخوت کے آپ نے زبدۃ العرفا عمدۃ الفصحا خواجہ معروف چشتی دہلوی علیہ الرحمۃ کا وہ معرکۃ الآرا دیوان جس کا تذکرہ تمام قدیم و جدید ارباب ذوق نے

اپنے اپنے مصنفات میں کیا ہے فقیر کو بغرضِ طباعت مرحمت فرمایا اور اُس کی درستی و تنقید وغیرہ کے تمام مراحل میری سپرد کر دیئے میری اس معذرت کو کہ مشاغلِ علمیہ و مساعی اصلاحِ مسلمین اور دوسری قومی مذہبی ضروریات کے باعث عدیم الفرصت ہوں قبول نہ فرمایا چار و ناچار میں نے اس ذمہ داری کو ادبی و علمی خدمت سمجھ کر قبول کر لیا اور باوجود مسلسل سفروں کے حضرتِ معروف کے کلام کو اول سے آخر تک مطالعہ کیا۔ اس سے قبل کہ آپ کے کلام پر تنقیدی نقطۂ خیال کا اظہار کیا جائے اہلِ نظر سے حضرت معروفؒ کا تعارف کرانا ضروری ہے۔

حضرت معروف کی وجاہت خاندانی تاریخ و سیر سے لطف اندوز ہونے والے قلوب اسلامی شان و شکوہ کو تاجداری و جہانبانی کے دائرہ میں محدود دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ روحانیتِ اسلام کا جاذب نظر ترفّع و ارتقا تصوف کا جس حد تک رہینِ منت رہا اُس کا اعادہ بھی اہل مذاق داخلِ فرائضِ صحافت نگاری سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ اسی ضمن میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت سلطان خواجہ احمد یسوی رحمۃ اللہ علیہ متصوفین اولیائے کرام کے طبقہ کے نام آور خدا رسیدہ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ ہیں۔ آپ ترکستان کے علاقہ بابِ ارسلان کے متوطن تھے حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتسابِ فیض اور سندِ خلافت حاصل کر کے مدتِ دراز تک ترکستان میں مخلوق الٰہی کی ہدایت و خدمت میں مشغول رہے۔

ترک آپ کو اتا یسوی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے لفظ اتا ترکی میں ولیِ کامل اور باپ کے لیئے استعمال کیا جاتا ہے حضرتِ ممدوح کے چار نامور خلفا حضرت منصور اتا حضرت سعید اتا حضرت سلیمان اتا حضرت حکیم اتا رحمۃ اللہ علیہم اجمعین طبقۂ صوفیا میں آسمانِ روحانیت کے چار چاند سمجھے جاتے ہیں ترکستان ہی حضرت

خواجہ کا مولد و مدفن ہی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رح سلسلۂ نقشبندیہ کے اکابر اولیاء اللہ میں ہیں ۵۳۳ھ ہجری میں واصل بحق ہوئے۔

خواجہ احمد یسوی خواجہ عبدالخالق عجدوانی کے معاصر اور ہم سلسلہ تھے۔

حضرت خواجہ کی اولاد حضرت خواجہ کی اولاد امجاد ہر دور میں علم و عرفان کے لحاظ سے ممتاز رہی اور ہمیشہ شاہانِ وقت کی قدر شناسیوں سے معزز و مفتخر عہدوں پر سرفراز رہی۔ حکومت بخارا میں حضرت خواجہ محمد امین سلطان بیگی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے یہ نمایاں ہستی حضرت خواجہ کے شجرۂ اولاد کی شاخِ ثمر ریں تھی۔

خواجہ ساداتِ علوی میں سے تھے مگر شاہی منصب داران کی فہرست اور تذکروں میں آپ کی اولاد مرزا اور خان کے لقب سے یاد کی گئی ہے۔

مرزا عارف جان خواجہ محمد امین کے پوتے تھے ترکوں کا ایک مسلّح فوجی دستہ ہمراہ لیکر احمد شاہ شہنشاہ دہلی کے زمانہ میں بخارا سے ہندوستان تشریف لائے سرحد عبور کرنے کے بعد مرزا محمد بیگ صوبہ دار اٹک کے مہمان ہوئے صوبہ دار موصوف کی دختر سے آپ کا عقد ہوا عرصہ دراز تک بہ ہمراہی صوبہ دار مذکور جنگی مہمات میں شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے تاآنکہ آپ کی شجاعانہ قابلیت نے بزمانہ شاہ عالم بادشاہ آپکو دہلی پہونچایا۔ یہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار کی آپ نے دو مشہور و معروف فرزند اپنی یادگار چھوڑے ایک **نواب فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ مرزا احمد بخش خاں والی ریاست فیروزپور جھرکا و لوہارو۔ دوسرے زبدۃ العرفا عمدۃ الفصحا نواب خواجہ الٰہی بخش خاں صاحب معروف**

آپ کے والد ماجد اگرچہ ایک شیر دل افسر فوج تھے آپ کی والدہ بھی مشہور سپہ لار کی دختر تھیں مگر قدرت کی طرف سے آپ کو حق شناس روح عطا ہوئی تھی

جو اپنے اعضاو جوارح کے ساتھ ایک طرف تو عارفانہ زندگی کی طرف مائل تھی اور دوسری جانب عاشقانہ سرمستیوں سے سرشار مذاقِ تکلم کی حامل تھی۔

حضرت معروف کی عارفانہ زندگی کا آغاز

دلی تختگاہ ہونے کے لحاظ سے ہر دور میں علماو مشائخ کا گہوارہ رہی ہے۔ خواجہ معروف نے جس دور میں دلی کے اندر نشو ونما پائی یہ زمانہ حضرت فخرالاولیا خواجہ **فخرالملت والدین چشتی** رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت روحانی کا زمانہ تھا ہندوستان کے مشاہیر اکابر اولیا خواجہ فخر کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے گلی، کوچے یادِ اللہ کے حق نما اداروں سے آباد تھے ہر خانقاہ کیف روحانی اور تزکیۂ ظاہر و باطن کا عملی مرکز تھی۔ معروف بھی چلتے پھرتے رشد و ہدایت کی ان مبارک مجالس میں شریک ہوتے تھے دربارِ فخر کے مقبول و محبوب خواجہ مولانا سید ضیاء الدینؒ اپنی تجلیات عرفانی کے ساتھ آفتاب کی طرح تمام دلّی میں اپنے نام کو چمکا رہے تھے۔

حضرت خواجہ ضیاء الدینؒ سے کسبِ فیض و طلبِ بیعت

خواجہ معروف نے بھی ان ضیا پاشیوں سے اپنے قلب کو منور کیا اور تصوّف و معرفت کے مشہور و معروف گوہرِ شب چراغ بن گئے باوجود امارت و ریاست کے ہر شے سے فارغ البال ہو کر صوفیانہ زندگی بسر کی املاک و ریاست سے دوسرے بھائی نواب فخرالدولہ احمد بخش خاں صاحب کے حق میں دستکش ہو گئے مگر پھر بھی فطری داد و دہش عطا و سخا میں کبھی کمی نہ فرمائی بڑا گھرانا تھا درویش و فقرا روزانہ زاویۂ تصوّف کی زیب و زینت رہتے تھے قیام و طعام سواری شکاری، غرض تمام لوازمات حیات کے سامان مکمل تھے۔

حضرت معروف کی شاعری

رسائی طبیعت بلند پروازیِ تخیل۔ قوتِ فکر دماغ میں عارفانہ استغنا نے وہ جدّت طرازیاں پیدا کر دی تھیں کہ درمیان کے تمام خس و

خاشاک جولانی طبع رسا کے سامنے گرد راہ کی طرح پھنسے چلے جاتے تھے۔

اردو کی حالت حضرت معروف کے دور میں

اردو زبان ابھی طفلی کے گہوارہ میں آہستہ آہستہ زمانہ شباب کی طرف بڑھ رہی تھی، مگر حضرت معروف کی خداداد ذہانت زبان و محاورات کو ارتقاء کے بلند سے بلند مقام پر لے جانے کی کوشش کر رہی تھی آپ کی یہ مساعی اہل زبان کے لیئے قابل تشکر و امتنان ہیں۔

شاہ نصیر دہلوی سے فیض تلمذ

شاہ نصیر رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں دلی کے مایۂ ناز شعرا میں تھے اب بھی آپ اساتذۂ قدیم میں صف اول کے شاعر مانے جاتے ہیں اُستادِ سخن یا ماہر فن ہونا آپ کے ظلی صفات کا ایک دلفریب مرقع ہو ورنہ حقیقی اوصاف آپ کے وہی تصوف آمیز مشاغل تھے جن کے معروف دلدادہ تھے۔ شاہ نصیر زہد و اتقا کے مجسمہ تھے صاحبِ وجد و حال بھی تھے اور پیکرِ ہیبت و جلال بھی حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے معنوی اور روحانی فیض حاصل تھا سلسلۂ صابریہ چشتیہ میں یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے غرض جس طرح خواجہ معروف کو فیض تصوف حضرت خواجہ ضیاء الدین چشتی جیپوری سے حاصل تھا اسی طرح فیض تلمذ شاہ نصیر سے حاصل تھا۔

حضرت معروف کا تذکرہ مشاہیر کی زبانی اور بعض غلط الزامات کا دفعیہ

اس مختصر مقدمہ میں بخوف طوالت مشاہیر کی عبارات ترک کرتا ہوں صرف اس قدر کافی ہو کہ گلشن بیخار مولفہ جناب نواب مصطفٰے خانصاحب شیفتہ و حسرتی و تذکرہ شعرائے ہند مولفہ کرم الدین خاں صاحب و گلستان سخن مولفہ مرزا قادر بخش صاحب صابر تصحیح کردہ شیخ امام بخش صاحب صہبائی و آب حیات مولفہ جناب شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد۔

میں حضرت معروف کا تذکرہ نہایت شاندار الفاظ میں موجود ہے ان مطبوعات میں گلشن بیخار اول ہے بقیہ نقوش مابعد ہیں گلشن بیخار خواجہ معروف کے انتقال سے چھ سال بعد مرتب ہوا ہے یعنی ۱۲۴۲ھ میں معروف واصل بحق ہوئے اور ۱۲۴۸ھ میں نواب صاحب نے گلشن بیخار کی آبیاری فرمائی مولانا آزاد نے اول الذکر تذکروں کے خلاف خواجہ معروف کو حضرت ذوق کے تلامذہ میں داخل فرماکر ایک نمایاں غلطی کا الزام "آبِ حیات" پر عائد کرایا حالانکہ حضرت ذوق مرحوم خواجہ معروف کے زمانہ پیری میں بہت کم عمر و کمسن تھے۔

شعرا کے کمالات ہنوز اپنے اپنے اساتذہ کی نسبت سے مہتم بالشان سمجھے جاتے ہیں ذوق و غالب کے معاصرانہ توازن و تقابل میں اہلِ قلم نے اپنے اپنے معتقدانہ جذبات کے لحاظ سے جو خامہ فرسائی کی ہے اکثر بہت نے غالبؔ ہی کو بلند و بالا تسلیم کیا ہے چہ جائیکہ غالب کے خسر اور بزرگ (حضرت معروف کو) ذوقؔ کا شاگرد لکھ دینا تذکرہ نگاری کی انتہائی توہین ہے مولانا آزاد کو اس کا تو حق تھا کہ ذوق کے کمالات علمی اور دوسرے خصائص میں مبالغہ کریں لیکن ایک ایسا خلاف و بے اصل واقعہ اُن کے قلم سے نکل جانا بعید از قیاس ہے۔

خواجہ معروف کے خاندانی تذکروں اور مستند کاغذات میں بھی اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور آج بھی حضرت سائلؔ دہلوی جیسے واقف و باخبر اصحاب موجود ہیں جو آبحیات کے غلط الزام کی پُرزور تردید کا مواد اپنے پاس رکھتے ہیں جیسا کہ نواب میرزا محمد سعید خاں صاحب کی تحریر سے واضح ہوگا۔

بہرحال حضرت معروف کی خداداد خداشناسی اُن کا ذوقِ تصوف اور حسن سلوک اُن کے مدارج معرفت اور مقامات ولایت اگر اُن کی مشائخانہ زندگی کے خط و خال ہیں تو اُن کی سخن فہمی و سخن طرازی، سلاستِ بیان اور حلاوتِ زبان اُن کا

شغف تغزل اور رنگِ تکلم اُن کی معروف ہستی کے بیش بہا جواہر ہیں جو اپنی جگہ مستقل عنوانات کے محتاج ہیں"

حضرت معروف کی اولاد حضرت معروف کے ایک صاحبزادے علی بخش خاں رنجور تھے جن کا حال آگے چل کر درج ہوگا. حضرت معروف کے دو صاحبزادیاں بنیادی بیگم اور امراؤ بیگم تھیں. بنیادی بیگم کی شادی نواب مرزا غلام حسین مسرور سے ہوئی نواب میرزا زین العابدین خاں عارف ان کے بطن سے پیدا ہوئے غالب مرحوم نے ترجیع بند میں انھیں عارف مرحوم کا مرثیہ لکھا ہے جس کا ایک شعر حسب ذیل ہے۔

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھا ابھی عارف　　　کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

عارف حضرت غالب کے محبوب و مخصوص شاگرد تھے. امراؤ بیگم کی شادی میرزا نوشہ اسد اللہ خاں غالب کے ساتھ ہوئی. اولاد ہوئی مگر کم سنی میں ہم کنار اجل ہو گئی۔

نواب میرزا علی بخش خاں صاحب رنجور آپ خواجہ معروف کے ایک اکلوتے بیٹے تھے ان کی شادی امانی خانم سے ہوئی جو ڈپٹی عباس بیگ صاحب تعلقہ دار بڑا گاؤں کی حقیقی بہن تھیں اور مرزا صاحب مرحوم نواب سرور الملک کے حقیقی چچا تھے. آپ کو حکومت برطانیہ سے مدت العمر پیش قرار وثیقہ ملتا رہا آپ نے بطور سیر و سیاحت حیدرآباد دکن کا بھی سفر کیا اور نواب امیر کبیر نواب عمدۃ الملک مرحوم و مغفور کے ہاں مہمان رہے. آپ رنجور تخلص فرماتے تھے. نظم گاہے گاہے لکھتے تھے مسلمہ قابلیت کے فرد تھے مرزا غالب کی مصنفہ کتاب پنج آہنگ پر آپ ہی نے مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔

غدر کے بعد دہلی چھوڑ کر عرب سرائے میں (جو درگاہ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کے قریب ہی) آخر عمر تک رہے اور اسی احاطہ میں جہاں میرزا اسد اللہ خاں غالب مدفون ہیں آپ بھی آسودہ ہیں۔

میرزا غلام فخر الدین خاں صاحب آپ حضرت رنجور کے اکلوتے بیٹے تھے ان کی شادی

عزیز النسا خانم دختر مرزا یوسف برادر نواب محمد اسد اللہ خاں غالب سے ہوئی۔
تخمیناً بیس سال کی عمر میں دہلی چھوڑ کر تلاش معاش میں پنجاب پہونچے یہ وہ زمانہ
تھا کہ سر ہنری لارنس پنجاب کے حاکم تھے ایک عرصہ تک وہاں
رہے اور ایک شریف زادہ ہونے کی حیثیت سے امتیاز سے دیکھے جاتے تھے۔
اُن دنوں بادشاہ ظفر شاہ کو اپنے علاقہ کوٹ قاسم کے زر مالگزاری
(ایک لاکھ روپیہ) کی وصولیابی کے لیئے ایک ایسے منتظم کی ضرورت تھی جو اس
نازک دور میں پوری وفاداری و دیانت سے کام کرسکے اس اہم مقصد کی تکمیل کے
لیئے منجانب گورنمنٹ میرزا صاحب منتظم مقرر کیئے گئے آپ نے نہایت خوش اسلوبی
سے شاہ کی خدمت انجام دی ۱۸۵۸ء میں ہر طرف ہنگامہ آرائی تھی کیونکر ممکن
تھا کہ دہلی اس سے محفوظ رہتی۔ بادشاہ کو روپیہ کی ضرورت تھی اس حالت میں شاہ
کا حکم روپیہ کی فوری وصولیابی کے لیئے صادر ہوا ممدوح نے تعمیل کی اور سلطنت
کی مشکلات کو رفع کیا شاہ کے احکام کی بجا آوری میں میرزا صاحب پر بھی نظر عتاب
ہوئی لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں آپ اس ابتلا سے محفوظ ہوگئے میرزا اسد اللہ خاں
غالب نے بھی اُردوئے معلے میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔
یوماً فیوماً ہر طرف طوائف الملوکی پھیل گئی دہلی کے خاندانوں پر جو کچھ گزری اُس کی
تفصیلات تاریخ کے اوراق میں موجود ہیں۔
میرزا صاحب نے ترک وطن کر کے شمالی ہند کے مختلف حصوں میں
وقت صرف کیا اور سپاہی زادہ ہونے کی حیثیت سے محنت اور ملازمت میں
کبھی تامل نہیں کیا چونکہ فطرتاً غیور اور فقیر منش واقع ہوئے تھے اس لیئے جب تک
آپ کے ساتھ شریفانہ برتاؤ کیا جاتا ملازمت فرماتے وِالّا ترک کر دیتے۔
آخر میں مملکت آصفیہ میں ملازم ہوگئے حیدرآباد سے تعارف تھا کیونکہ نواب

علی بخش خاں امیر کبیر نواب عمدۃ الملک مرحوم مغفور کے یہاں مہمان رہ چکے تھے
نواب رشید الدین خاں والی پائیگاہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا
نواب خورشید جاہ مرحوم نے اپنا وکیل مقرر کر لیا اور ہمیشہ موصوف پر عنایت فرماتے
رہے نواب مختار الملک کے دربار میں بھی خصوصیت تھی دوسو روپیہ کا منصب بھی ہوا
جو اب تک اس خاندان میں جاری ہے۔

مرزا محمد سعید خاں صاحب آپ مرزا غلام فخر الدین خاں کے اکلوتے فرزند
تھے آپ کی والدہ مرزا غالب کی بھتیجی یعنی مرزا یوسف کی لڑکی تھیں۔

آپ تعلیم ختم کر کے بتلاش معاش حیدر آباد آئے کچھ دن ملازمت کی پھر نواب
سرور الملک بہادر جو حضرت غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں صاحب کے
اتالیق تھے اور بعد میں معتمد پیشی بھی رہے اُن کے مددگاروں میں (جو لوگ صاحبزادوں
کی تعلیم کے لیئے ڈیوڑھی مبارک میں حاضر ہوتے تھے) مقرر ہوئے اس کے چند روز بعد
ہی (عین عالم شباب میں) ایک بزرگ حضرت عمر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت
کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ دفعتاً ترک لباس کر کے درویشی اختیار کر لی نواب مختار الملک
نے (جو تنخواہ ملتی تھی) وظیفہ کرادی اور میرزا صاحب اپنے مرشد کی خدمت میں
ہمہ وقت حاضر رہنے لگے حضرت عمر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو اپنا خلیفہ کر دیا
اور جب آپ کا وصال ہوا تو عرصہ تک مرشد کی سجادہ نشینی کا فرض انجام دیا
مُدتوں آپ کی ذات سے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہا پیر و مرشد کا عرس بھی
بلا امداد غیرے اپنے ہی مصارف واہتمام سے کرتے رہے پھر یکا یک جملہ علائق دنیوی
سے قطع تعلق کر کے عالم تنہائی میں اپنے مکان میں تقریباً ۲۲ سال تک گوشہ نشین رہ کر
یاد الٰہی میں زندگی بسر کر کر رحلت فرمائی۔ اور محلہ مستعد پورہ میں مدفون ہوئے
انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میرزا نصر اللہ خاں صاحب | آپ مرزا محمد سعید خاں صاحب کے فرزند اور خواجہ معروف کے پرپوتے ہیں۔ والد بزرگوار کی عاطفت میں پرورش پائی ۱۲۹۱ف میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے گھر پہ تعلیمی دور حیات ختم کر کر ایجوکیشن سوسائٹی کے اسکول میں داخل ہوگئے بعدہٗ نظام کالج میں تعلیم پائی ۸ اسال کی عمر میں اعلیٰ تعلیم کے لیئے انگلستان بھیجے گئے وہاں سے بیرسٹری کی سند حاصل کی۔

ولایت سے واپسی پر اجمیر شریف میں (جہاں سے آپ کو فطری محبت و عشق ہی) الہ آباد ہائی کورٹ کے ماتحت پریکٹس شروع کی سال بھر کے بعد ہی وہاں سے سرجاج کیش واکر کے حسب ایما حیدرآباد طلب کر لیئے گئے ۱۳۱۳ف میں مددگار مہتمم خزانہ عامرہ کا عہدہ تفویض ہوا تین سال کی مدت میں مددگار مہتمم صدر محاسب ہوئے اور بعد ازاں صدر محاسبی کے عہدۂ جلیلہ پر ترقی دی گئی اب تک خدمات سلطنت کمال دیانت و احتیاط کے ساتھ ادا فرما رہے ہیں۔ اور اپنی آبائی و اجدادی سنت کے مطابق فرایض عبادت انجام دیتے ہیں۔ بارگاہ چشت اور صاحب بغداد اور جملہ بزرگان سلاسل کے ساتھ خصوصی شغف ہی جو معمولات بھی آپنے مقرر کرئے ہیں پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ اہل اللہ، علماء سے محبت رکھتے ہیں۔ سرپرستی زبان اُردو آپ کا فطری ذوق ہی۔ بلدہ کے قیام میں اس فقیر کو بھی مرزا صاحب موصوف کی ملاقات کا موقعہ ملا چند نشستوں میں اُن کی عارفانہ باتوں نے قلب پر گہرا اثر کیا اس طرف بھی کوئی غرض وابستہ نہ تھی لہذا موصوف کی مودت و محبت میں بھی اضافہ ہوتا گیا اتفاقاً اولیاء اللہ کے اذکار میں حضرت معروف کی شاعری پر گفتگو ہوئی اُردوئے معلیٰ کے مطالعہ کی وجہ سے میں جناب معروف کے کلام کی اہمیت سے ایک حد تک واقف ہو چکا تھا اور بالتفصیل مطالعہ کے لیئے اصل دیوان کا شایق مرزا صاحب کی گفتگو نے دیرینہ شوق کو اُبھارا ہفتوں کلام معروف پڑھا اور مختلف حیثیتوں سے

اُس پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا چونکہ مرزا صاحب ممدوح سے بہ اوقات مختلف دیوان کی طباعت پر اربابِ ذوق سے گفتگو ہوئی مگر خاص حالات کے تحت آپ اطمینان نہ فرما سکے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ معروف کی شاعری کے مطالعہ کا شوق میرے ہی حقیر ہاتوں سے اس دیوان کو ایکسو گیارہ سال کا طویل زمانہ گزرنے کے بعد مرتب کرا کر شائع کرنے کا موقع دے گا۔

بالآخر قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند"

مرزا صاحب کی محبت و اخلاص سے لبریز خواہش نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس عظیم الشان کام کا آغاز کردوں چنانچہ بلدہ میں دیوان کا مطالعہ شروع کر دیا افسوس کاتب صاحبان کی دست بردنے معروف کے کلام کی نوعیت پر بعض بعض جگہ ایسا اثر ڈالا تھا کہ درستی مشکل تھی۔

حضرت معروف کی شاعری کا معیار و آغاز

میں نے دیوان کو شروع سے آخر تک ایک بار نہیں بلکہ ایک ایک غزل کو چند چند بار پڑھا ہے اور شاعر کی ہمہ دانی اور ہمہ گیری پر غور و فکر کے بے شمار لمحات نذر کیئے ہیں۔ خواجہ معروف علیہ الرحمۃ کا وصال ۱۲۴۲ھ میں ہوا ہے جسے ۱۳۵۳ھ میں ایک سو گیارہ سال ہو جاتے ہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت معروف مرحوم کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی۔ فطری شاعر ہوش سنبھالتے ہی شعر کہنا شروع کرتا ہے اس لحاظ سے اگر چودہ پندرہ سال آغاز عمر کے نظر انداز بھی کر دیئے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب سے پونے دو سو سال قبل آپ کی شاعری کا آغاز ہوتا ہے۔

موجودہ دور زبان اردو کی ترقی کا وہ دَور ہے جو اپنے ماحول کے اندر ہر قسم کی ارتقائی خوبیاں رکھتا ہے یورپ کے بیشتر علوم صرف ادب کے علاوہ فلسفہ و حکمت ہیئت و منطق وغیرہ وغیرہ، ایران کی قدیم ادبی زبان کے محاورات و محاکات تشبیہات و

استعارات عربی کے مسلّمات ادبیہ، سنسکرت کے صنائع بدائع۔ اُردو صحافت و طباعت کے ورق ورق پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس عہد میں اُن کہنہ لطافتوں کا تذکرہ اگرچہ لطفِ سخن میں اضافہ کا باعث نہ سہی تاہم مذاق سلیم کی اُن عظیم خدمات کا صحیح مرقع ضرور سامنے کر دیتا ہے جس پر موجودہ زبان کے آئینہ خانہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا۔ قدیم شاعری کے دلدادہ اپنی سحر طرازیوں اور جادو نگاریوں سے ہوش و خرد کو محوِ حیرت بنا دینے پر اس درجہ قادر معلوم ہوتے ہیں کہ موجودہ شاعر برسوں کی مشق کے بعد بھی یہ قدرت حاصل نہیں کر سکتا۔

حضرت معروف نے جن سنگلاخ زمینوں پر قدم ڈال دیئے اُن کو اس آسانی سے طے کیا ہے کہ عقل دنگ ہو جاتی ہے ردیف و قافیہ کے دقیق تر مراحل جس روانی سے طے کیئے ہیں دَورِ حاضرہ میں وہاں تک پرواز فکر اگر غیر ممکن نہیں تو محال ضرور معلوم ہوتی ہے۔ اکثر بحروں کو بلا پس و پیش قلم بر داشتہ ساحل مراد تک پہنچا یا ہے فنِ عروض کی تعریفات کو بھی اضافِ سخن سے ہم آغوش ہونے کا موقع نہیں دیا ہے۔ بول چال میں روزانہ کی ٹکسالی زبان کا دلکش کیف موجود ہے محاورات کا برمحل استعمال جاذب نظر ہے، بندشِ الفاظ سے طبیعت کی آمد اور قوتِ تخیل کا اندازہ ہوتا ہے اُس زمانہ کے بیشتر الفاظ آج کل متروک ہو چکے ہیں شاعر نے سادگی اور بے تکلفی سے اُن کو ادا کیا ہے جس سے خود بخود قدیم طرزِ تکلم کا مرقع سامنے آجاتا ہے۔ بذلہ سنجی اور نقاشی جذبات پر فکرو دماغ قادر ہیں۔ کلام میں سوز و گداز بھی ہے۔ ترنم کا کیف آفریں انداز بھی، عارفانہ رنگ کے ساتھ جذبات قلب کی ترجمانی بھی۔ رنگ تغزل کی جو گوناگوں دلفریبیاں شاعر کے نقطۂ خیال میں آسکتی ہیں وہ سب موجود ہیں بعض اشعار تو اس فصاحت و لطافت کے ساتھ ادا ہوتے ہیں کہ آج بھی اُن کو اس طرح دوسرے پیرایہ بیان میں ادا کرنا دُشوار ہوگا۔ غرض اساتذۂ قدیم

کی صفِ اول میں معروف ہر حیثیت سے شامل کیے جانیکے مستحق ہیں میں نے اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے نقد و نظر کی اُن طوالتوں کو عمداً نظرانداز کر دیا ہے جن کو ہر ادیب نے حاصل تبصرہ سمجھا ہے۔

یعنی دیوان سے چیدہ چیدہ اشعار مختلف النوع اصناف کے انتخاب کیے جاتے میرے لیے ایک حد تک یہ ناممکن بھی تھا کہ اس ضخیم دیوان کی بے شمار غزلوں سے چند اشعار پہ زور صرف کرتا۔ یہ تبصرہ بھی شبانہ روز کے مسلسل سفروں میں وقت نکال کر قلمبند کر سکا ہوں۔ دیوان ارباب ذوق کے ہاتھوں میں پہونچکر خود اپنی دل آویزیوں کی داد حاصل کرلے گا۔ اگرچہ بعض ادبی رسائل مثل اردوئے معلےٰ وغیرہ میں وقتاً فوقتاً انتخاباب شایع ہوتے رہے ہیں اور تذکروں میں بھی جستہ جستہ خواجہ معروف کے اشعار نقل کیے گئے ہیں لیکن وہ اس بحر ذخار کے چند قطرے ہیں جو تشنہ کامان سخن کی پیاس نہیں بجھا سکتے۔

یہ دیوان کا پہلا حصہ ہدیہ ناظرین ہے انشاء اللہ المقتدر دوسرا حصہ حالات مساعد ہونے پر طبع ہوسکے گا۔

اس دیوان کے آخر میں خواجہ معروف کے وہ مطلعات بھی میں نے درج کر دیے ہیں جو ممدوح نے حروف تہجی کے اعتبار سے فرمائے

سب سے آخر میں حضرت معروف کی مشہور تصنیف تسبیح زمرد ہے جس کے کچھ حصے عرصہ ہوا شایع بھی ہو چکے ہیں۔

ایک بار میں محترمی جناب مرزا نصراللہ خاں صاحب کا اس اعتبار سے بھی مزید شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اپنے خاندان کا یہ تاریخی بیش بہا نسخہ قایم و باقی رکھا اور بغرض اشاعت مجھے عنایت فرمایا

فجزاھُمُ اللہ خیر الجزاء

آخری گزارش

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہی مجھے اصل دیوان میں کاتب صاحبان کی بے شمار غلطیوں کو درست کرنا پڑا یہ صعوبت طباعت کے وقت اور بھی زائد پیش آئی حتی الامکان میں نے اپنے سفری سلسلوں کے باوجود طباعت و کتابت کی خود بھی کافی نگرانی کی۔ میرے علاوہ چند اشخاص اور بھی اپنا قیمتی وقت صرف کرتے رہے اس کے بعد بھی جو غلطیاں سہواً رہ گئی ہوں ارباب فن معاف فرمائیں۔

مجھے کافی امید ہو کہ خواجہ معروف علیہ الرحمۃ کی عظیم الشان تاریخی و علمی یادگار کا ہر شخص پورے جوش سے خیر مقدم کرے گا اور مملکت آصفیہ خصوصاً اس نادر تحفہ کو قبول فرمائے گی کیونکہ ہندوستان میں اُردو کی وُہی سب سے زیادہ محافظ اور بام ترقی پر پہونچانے والی سرکار ہی خداوند برتر تاجدار دکن کی عمریں برکت عطا فرمائے جن کی بدولت آج اُردو زندہ ہی۔ آمین

زندہ باد سلطان العلوم اعلیحضرت میر عثمان علی خان

تاجدار مملکتِ آصفیہ

فقیر دُعاگو

محمد عبد الحامد قادری معینی بدایونی

مولوی محلہ بدایوں

مورخہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۵۳ہجری

ردیف الف
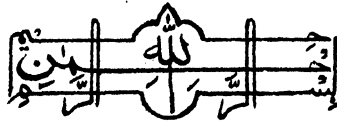
بجز الحمد للہ اہلِ دیں کا
کہاں مُنہ وصفِ ربّ العالمیں کا

اُسی کے اسمِ ہادی و مضل سے
یہ روشن ہی چراغ اس کفرِ دیں کا

درِ آئینہ کھولا نیک و بد پر
بنایا دل کو مفتی مہر و کیں کا

کرم سے اُس کے اپنے پر ہی نازاں
اثر فریاد دلہائے حزیں کا

کہاں چوں شمع فانوسی چھپے ہی
فروغِ حسن اُس پردہ نشیں کا

پڑے کیونکر نہ اُس کا عکس اس میں
دل آئینہ ہی اُس روئے حسیں کا

بنایا جس نے بہرِ دشمن و دوست
فلک کا خوان اور سفرہ زمیں کا

سلیماں کی ہوا باندھی تھی جس نے
وہی رازق ہی مور دانہ چیں کا

جز اُس کے خامہ کی ہی کس کو قدرت
جو کھینچے نقش نقاشانِ چیں کا

اُسے سجدہ کرے جومہ کے مانند
ستارا کیوں نہ چمکے اُس جبیں کا

فقط اب ہم گنہگاروں کو معروف
بھروسا ہی شفیع المذنبیں کا

شارعِ محشر کا یاں دیکھو جمالِ نقشِ پا
تا رہے خوابِ عدم میں بھی خیالِ نقشِ پا

سوجھتا ہی دیکھ کر مضمونِ شکلِ رفتگاں
آئینہ اپنی نظر میں ہی مثالِ نقشِ پا

ہی صفِ مژگاں میں آ ہو دشت میں دستِ دعا
دیکھ کر شیر نگ کا تیرے ہلالِ نقشِ پا

خاکسارانِ جہاں کی دستگیری چاہیئے
سر پہ ای موجِ ہوا منت لے وبالِ نقش پا

یہ کہا گم گشتگانِ دشت وحشت خیز نے
رہنمائی سے جہاں میں ہی کمالِ نقش پا

لے نہیں سکتا ہی یک کروٹ بھی ای معروف آہ
ہاتھ سے افتادگی کی ہی یہ حالِ نقش پا

اگر منظور ہی پینا مئے وحدت کے ساغر کا
لیا کر نام ہر دم حضرت ساقی کوثر کا

تیری مے کی تمنا میں بنا دل ورنہ ای ساقی
جسے کہتے ہیں شیشہ وہ بھی ایک ٹکڑا ہی پتھر کا

کبھی گر خاک تیرے نقشِ پا کی دل سے وہ ملتا
تو شکلِ آئینہ دل صاف ہو جاتا سکندر کا

تیری دوری سے ہم جس آتشِ سوزاں میں جلتے ہیں
جو دیکھے وہ لپٹے تو آب ہو زہرہ سمندر کا

علم کا اُس کے ای معروف سر پر میرے سایہ ہی
نہیں ہی ایک ذرہ غم مجھے خورشید محشر کا

احسان ہی سر پہ میرے خطِ سرنوشت کا
جس سے ہوا غلام میں شاہانِ چشت کا

مطلوبِ خلق ہی حرم و دیر میں خدا
روشن ہی ایک نور سے گھر سنگ و خشت کا

صحبت میں عارفوں کی نہیں پائی ہی تمیز
کچھ ہم کو امتیاز نہیں خوب و زشت کا

بیخود پھروں ہوں عشقِ بتاں میں یہاں تلک
کعبہ میں پوچھتا ہوں میں رستہ کنشت کا

ہووے اگر نہ وعدۂ دیدار درمیاں
وہ دوزخی ہی نام جو لے پھر بہشت کا

کب گھر میں چین سے مجھے دیتا ہی بیٹھنے
خانہ خراب ہو دلِ الفت سرشت کا

معروف دیکھ طالبِ دنیا سے دور بھاگ
دونوں جہاں میں خوار ہی یار اس پلشت کا

نہ خواہش ہی گدائی کی نہ ہی ارمان شاہی کا
الٰہی عشق دے بندہ کو محبوبِ الٰہی کا

تیرا خالِ لبِ بیجان دو عالم نقطۂ کن ہی
یہ پھیلاوا ہی سب اس ایک نقطہ کی سیاہی کا

اگر رکھے تیرے کوچہ کی سرحد سے قدم باہر
گماں پھر خضر پر لے جائیں ہم گم کردہ راہی کا

یہاں تو داغ خوں ہم سے دھویا تو نے ای قاتل	وہاں ایک دن کھلے گا گل ہماری بے گناہی کا
ہلالِ عید پر نفرت سے وہ ابرو چڑھاتا ہی	کھلا انداز جس کے دل میں اس کی کج کلاہی کا
تیری دوری میں یہ دریائے خوبی دل یہ مضطر ہی	کہ جوں خشکی میں ہو جاتا ہی ابتر حال ماہی کا
بہت عاشق تو مقتول نگاہ و غمزہ ہیں لیکن	یہ تیرا نیم جاں بسمل ہی تیری کم نگاہی کا

غلامی خسرو دہلی کی ہی معروف فخر اپنا
کہ ہم عاشق ہیں ہم معشوق محبوب الٰہی کا

شکل عکس و آئینہ مسجد تھی یا بت خانہ تھا	آپ تو مہمان تھا اور آپ صاحب خانہ تھا
کس کو جرأت تھی جو کرتا تیری آرائش گری	صورت شمشاد تو خود زلف تھا خود شانہ تھا
حسن سے تیرے ہوا ہی عشق کا بازار گرم	تو اگر جلوہ نہ کرتا ہم کو بھی سودا نہ تھا
ایک ہی جرعہ سے ہیں بد مست شیخ و برہمن	جلوہ تیرا بادہ تھا دیر و حرم پیمانہ تھا
نغمۂ تاثیر کے پردے ہیں یہ سارے مقام	چشم میں وہ خواب ہی اور گوش میں افسانہ تھا
کس قدر بے پردہ ہی ہر رنگ میں شوق ظہور	گل پہ بلبل تھا کبھی گہ شمع پر پروانہ تھا

تھی سحر معروف شاخ سرو و گل خم جابجا
ہر کف خاک چمن گویا عبادت خانہ تھا

مل گئے تیغ اس کے ہے مصرع میرے بسم اللہ کا	ہو گیا پیدا وہ مطلع بندۂ درگاہ کا
اس کے فیض عام کے یک دست سب محتاج ہیں	کاسۂ درویش ہی وہاں تاج شاہنشاہ کا
قدرت شان کرم ہنگام بیکس پروری	دی ہی تخت مصر پہ یوسف کو بدلا چاہ کا
آپ کی پہچان مشت خاک کو ایسا نجان	دل نے بھی تیرے لقب پایا ہی بیت اللہ کا
عابدوں کو دین کا غم اور عاشقوں کو دل کا خوں	دردو دے ہی سب کو توشہ اپنی اپنی راہ کا
رتبۂ والائے مشت خاک سے غافل نہ رہ	سر ہی یاں شام و سحر سجدے میں مہر و ماہ کا
شیخ کو مسجد مبارک برہمن کو بت کدہ	ہی وہ کافر جو نہ ہو بندہ دل آگاہ کا

کون ہی معروف سمجھے قدرِ اربابِ فنا
ہو دو عالم سے پرے عالم فنا فی اللہ کا

ہر دو چشم آسا قریبِ خانہ اُس کے خانہ تھا
تِس پہ بھی دیکھا تو شکل ہر دو کا یگانہ نہ تھا

ایسے ہفتہ دوست کی غلطی پہ مت جا ای رقیب
چار دن کی بات ہی یاروں سے بھی یارانہ تھا

جبکہ ہو زنجیر کی اُس زلف سے نسبت قوی
پھر کیونکر توڑتا ایسا بھی دیوانہ نہ تھا

شاید اپنے ہاتھ سے اُس نے بنائی ہی زلف
شام سے جو صبح تک یہاں مجھ کو دردِ شانہ تھا

زہد نے ساغر چڑھایا خیر یوں بھی عشق ہی
محتسب مستوں سے اُلجھا یہ بھی کچھ بیجا نہ تھا

آہ کی صورت تھا مینا اور ساغر چشمِ تر
بزمِ عشرت بن میرے کیا تھی کہ ماتم خانہ تھا

اُڑ گیا معروف بھک سے ساتھ آہِ گرم کے
یہ سویدا تو کوئی باروت کا سا دانہ تھا

مثلِ نور دل ہی گداز اس بندۂ درگاہ کا
نقش ہی منقوش خاطر ضربِ الا اللہ کا

مردِ حق اندیش کو سولی پہ بھی معراج ہی
واہ کیا اقبال ہی منصور عالی جاہ کا

تجھ کو اِی کوہِ تحمل کھینچ لا سکتا ہی کون
ڈر سے منہ میں کہربا لیتا ہی تنکا کاہ کا

بوریا و مسندِ قاقم کے کر تو یاں تمیز
فرشِ خاک آخر کو ہی بستر گدا و شاہ کا

نازِ حسنِ عارضی پر کیا کریں اہلِ کمال
آسماں پہ ایک شب ہی رہتا ہی جوبن ماہ کا

سالکِ راہِ فنا ہیں گرم رو مانندِ شمع
چلنے والا کو نسا بہکا ہی سیدھی راہ کا

طالبِ مولا کو کیا ہی اہلِ دنیا سے غرض
شیر منت کش نہیں ہوتا کسی روباہ کا

کیونکر ہو اُس سرو قد سے مدعائے دل حصول
عالمِ بالا پہ پاتا ہوں نشاں تنخواہ کا

آبلوں سے بھر گیا دل واہ ای سلطانِ عشق
تھا یہی میداں تمھارے خیمہ و خرگاہ کا

پہلے ای معروف صورت کا تماشا دیکھیے
پھر وہاں سے کیجے قبلہ قصد بیت اللہ کا

بس ہو ہمیں یک نظر مثل شرر دیکھنا
کس کو ملے یا نصیب بار دگر دیکھنا

جاں نکلنے کے ساتھ پہنچی ہی ملک عدم
جو کہ سبکسار ہیں اُن کا سفر دیکھنا

آئینہ ساں کیا غرض ہم کو بد و نیک سے
سامنے جو آگیا ایک نظر دیکھنا

اور تو باتیں بری چھٹ گئیں سب جیتے جی
آنکھ منہ سے پر نہ چھٹا ایک مگر دیکھنا

سر کو اُٹھا کر ذرا دیکھیے میری طرف
آکے اِدھر بیٹھنا اور اودھر دیکھنا

دی ہی وہ اب خاکپا چشم میں سرمہ کی جا
رو یہ مت آج کل دیدۂ تر دیکھنا

سہم کے ہو جائے جب چاندنی کا منہ سفید
کوئی ہنسی ہی میرا زخمِ جگر دیکھنا

جان بھی حاضر ہی تو یہ بھی مگر سن رکھو
دل کی طرح سے نہ پھر جاؤ مگر دیکھنا

پوچھنے کیا ہو بھلا ہم سے تصوّر کا لطف
دل میں ہمارا خیال آپ بھی کر دیکھنا

راہ جنوں میں نظر آوے ہی اک گہ دیا بد
ایسے بیاباں میں کس کا ہی گھر دیکھنا

دیکھیے معروف اب کیونکہ دل و دین رہے
اُس بتِ کافر کا ہی یہ ہی اگر دیکھنا

جب مٹ گیا نشان ہی گو نام رہ گیا
پھر ہستی خراب سے کیا کام رہ گیا

انجام کاروان کا سر انجام رہ گیا
جس کام کو ہم آئے تھے وہ کام رہ گیا

عاشق کو نامراد ہی رہنا مراد ہی
خوش حال وہ کوئی جو وہ ناکام رہ گیا

جیتے ہیں وہ موے نہیں ہر چند مر گئے
نیکی کے ساتھ جن کا یہاں نام رہ گیا

ہستی کے جب سفر کا پڑا ہم کو اتفاق
کچھ سوچ کر عدم ہی میں آرام رہ گیا

یارب پھر اُس کے آنے کی اُمید کیا رہے
آنے سے جب کہ نامہ و پیغام رہ گیا

پہنچے تمام منزل مقصد کو ہم رفیق
میں ناتوان چلتے ہی دو گام رہ گیا

عکس اپنی چشم مست کا دیکھا نہ ہو کہیں
ساقی جو دیتے دیتے مجھے جام رہ گیا

کون اُس گلی سے بیٹھ کے جوں نقش پا اُٹھے
پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا

وہ صیدِ ناتواں ہوں کہ چھوٹا قفس سے جب	حسرت سے دیکھ کر طرفِ بام رہ گیا

چاہا جو اُس نے آپ کیا میں نے کیا کیا
معروف مفت بندے پہ الزام رہ گیا

جب تک کہ میں جیتا ہوں طلبگار رہوں تیرا	تو بیچ بھی ڈالے تو خریدار رہوں تیرا
ظاہر میں حضوری سے ترے گرچہ ہوں غائب	پوشیدہ دلی محرمِ اسرار رہوں تیرا
سو بار میں قربان ہوں اس روز کے ہر روز	جس روز کہ قربان میں ایکبار رہوں تیرا
چوں نقشِ قدم وا نہ رہے کیونکہ مری چشم	حیرت زدۂ جلوۂ رفتار رہوں تیرا
سایہ کی طرح جان سے اپنے مجھے ہمراہ	تو یار میرا ہو نہ ہو میں یار رہوں تیرا
اظہار محبّت تو ہوا واقعی مجھ سے	جو چاہے سو کر مجھ کو گنہگار رہوں تیرا
کس شکل سے عالم کو نہ ہو میرا تماشا	میں محو تماشا سرِ بازار رہوں تیرا
آرام مجھے سایۂ طوبیٰ میں ہو کیونکر	خو یافتۂ سایۂ دیوار رہوں تیرا
مرہم کا جو خواہاں ہو جو ہو تیغ کا گھائل	اے ابروئے جاناں میں دل افگار رہوں تیرا

جو بندہ ہی یا بندہ ہی معروف جہاں میں
جب تک کہ میں جیتا ہوں طلبگار رہوں تیرا

ہر اک آن رہتا ہے اب دھیان تیرا	نہیں دھیان جاتا کسی آن تیرا
دمِ رخصت اُس کے ہوئے جاں بحق ہم	یہ کہہ کر حق اب ہی نگہبان تیرا
نہیں دل میں کچھ اپنے ارمان ہرگز	جو ہی بھی تو ارمان تیرا
بھلا کس طرح اس کو دل سے نکالوں	نکلتا نہیں دل سے پیکان تیرا
شہادت کی میرے یہی ہی شہادت	کہ شاہد ہی یہ سرخ دامان تیرا
شبِ وصل ہے ای سحر گہ تو مت دوں	میں دامانِ شب سے گریبان تیرا
یہ ہی تیرے ہرجائی پن کی نشانی	کہ ہی ہر جگہ جان پہچان تیرا

ہوا بس وہ دیوانہ طرزِ سخن پر
پڑھا جس نے معروف دیوان تیرا

کھلے احوال اب کیونکر بھلا اُس آفتِ جاں کا
کہ جو جاتا ہے قاصد یاں سے ہو رہتا ہے وہ واں کا

نہ دیکھا یہ کہ دم نکلا کب اُس بیمارِ ہجراں کا
رہا پاس اُس کو یہاں تک مرتے دم بھی عشق پنہاں کا

دیا تھا وصل کی شب قفل گھر کو تا نہ یہ جانے
کدھر سے شب گئی یارب کہ آیا روزِ ہجراں کا

پریشاں ہو رہی ہیں کیوں یہ زلفیں اس کے عارض پر
کہیں قصہ سنا ہوگا میرے حال پریشاں کا

اٹھاؤ آئینہ دیکھو ذرا گلزار سی صورت
خیال آتا ہے دل میں آپ کے گر سیرِ بستاں کا

عزیزو ناگہاں بجلی سی دل پر آن پڑتی ہے
تبسم یاد آجاتا ہے جب اُس آفتِ جاں کا

گرفتارِ محبت جو ترا زنداں میں جا بیٹھا
تو بس یکدم میں دم رکنے لگا سب اہلِ زنداں کا

بتاں کی سرد مہری سے جو آہ سرد تک کھینچوں
تو ہر اک عین گرمی میں کرے شکوہ زمستاں کا

نصیر الدین کچھ ڈھب کی لکھ غزل معروف پر مضموں
جلا ہے یعنی اندازِ سخن ہر اک سخنداں کا

تبسم یار کا باعث ہے اپنے چشمِ گریاں کا
تماشا عشق کی دولت سے ہے یہاں برق و باراں کا

یہاں تک ہم نے تیرِ عشق اب سینے میں کھائے ہیں
کوئی دیکھے تو یہ جانے کہ ہے جنگل نیستاں کا

سحر گہ خواب سے اٹھتا تو تھا دوران سر مجھکو
خیال آیا تھا ایسا رات کس کے گردِ داماں کا

اسے دامن تلک تو پاؤں پھیلانے دے اے ناصح
نہ کر قصد رفو ہرگز میرے چاک گریباں کا

نہ پہنچے دل تلک اس کے جلایا دامن گردوں
اثر دیکھا تو یہ دیکھا ہے اپنی آہ سوزاں کا

لگا ہے دستِ قاتل سے جگر پر زخم یہ کاری
کہ دل پھٹنے لگا جراح کا دیتے ہوئے ٹانکا

نہ تھی یہ چشم تجھ سے کیا کہوں اے آبلہ پائی
کہ منت کش کرے یوں مجھ کو تو خارِ بیاباں کا

عبث تکلیف گلگشتِ چمن دیتے ہو تم یارو
غمِ فرقت میں خوش آوے تماشا کس کو بستاں کا

کہ گل کو دیکھ کر چاک گریباں یاد آتا ہے
رہا غنچہ سو وہ کہتا ہے دل میں کام پیکاں کا

روشن ہر درد کے پردرد کچھ اشعار اب پڑھیے
کہ دل مشتاق ہی معروف طرز ہر سخنداں کا

رولاتا یوں بھی دھیان آکر دل غمگیں میں جاناں کا
کہ جوں پرسے کو ماتم خانہ میں جانا ہو مہماں کا

نمکداں جام مئے میں گر پڑا ہو خاک کیفیت
کہ یاد چشم مست اُس کے میں دھیان آیا زنخداں کا

نہیں لگتے پلک جوں چشم انجم ایک پل اپنے
خدا جانے کہ ہم کو دھیان ہی کس ماہ تاباں کا

خراب اپنے کو کر غافل جو چاہے امن سے رہنا
نہیں ہوتا ہی ہرگز کوئی خواہاں دیہہ ویراں کا

زبس دل میں خیال اور چشم میں اُس کا تصوّر ہی
برابر ہی نظر میں اپنے ہجر و وصل جاناں کا

جفائیں اُس جفا جو کی یہ کھینچے ہیں کہ ہر کوئی
یہ کہتا ہی کہ کیا فولاد کا دل ہی اس انساں کا

نظر ہرگز نہیں اُس کو کسی کے آنے جانے پر
کہ نظارہ رہے ہی اور ہی جا چشم حیراں کا

بشر کا کیا ہی منہ ناصح ہم اُس کا ہاتھ کٹوا دیں
رفوگر ہو فرشتہ سے بھی اس چاک گریباں کا

یہ کر دیتا ہی عالم گھُن لگے ہیزم کو جس ڈھب سے
بُرا ہی درد ہوتا ہی غرض اس درد پنہاں کا

وداع تاب و طاقت بھی اگر ملتا ہی تو ل لے

عدم کو کوچ ٹھیرا ہے ترے بیمارِ ہجراں کا

غزل اندازکی بھی ایک لازم ہے تجھے کہنی
مقابل ہے تو اے معروف جرأت سے غزلخواں کا

خرابی میں پڑا ہے سینے والا جیب و داماں کا
جو یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا جو وہ اُدھڑا تو یہ ٹانکا

بڑا سنتے تھے ہم روز قیامت اور روزوں سے
قیامت ہے بڑا نکلا جو دیکھا روز ہجراں کا

زمیں پھٹ جائے کاش اور میں سما جاؤں تو بہتر ہے
کہ حد کھینچا دکھ اس پردہ نشیں کے دردِ پنہاں کا

یہی ہے اب علاج اس کا کہ کوئی اس کو سی دیوے
نظر آتا نہیں بن اس کے تھمنا چشم گریاں کا

جہاں میں یہاں تک اس کے حسن کی ہے گرم بازاری
کہ بس اب رہ گیا کھنچنے سے نقشہ ماہ کنعاں کا

موا تھا تیر سے دزدیدہ نگہ پر ہو کے جو عاشق
کیا چوری سے مژہ دفن اس شب خانہ ویراں کا

عزیزو جو نسا بدخو کہ اپنی زلف سے الجھے
عبث ہے اس سے اب کہنا مرے حالِ پریشاں کا

نہ ہو دشمن کو بھی ہرگز گرفتاریٔ دل یارب
گرفتاری بھی ہونی ہو تو ہو مجنون زنداں کا

نہ دیکھا کوئی بھی دنیا میں نا انصاف اس جیسا
کیا دریافت جو احوال اب گردونِ گرداں کا

کہ یعنی وصل میں جب یاں نہ ہم جاناں کے سوتے تھے
تو یہ بدبخت دکھلاتا تھا ہم کو خواب ہجراں کا

ہوا ہے اب جو روز ہجر تو یہ ہو نہیں سکتا
کہ اب اک دن دکھاوے خواب ہم کو وصل جاناں کا

کوئی مطلع پڑھو معروف اب تم حسب حال اپنے
بہل جاتا ہے کچھ کہنے ہی سے دکھ درد انساں کا

رہے ہے غم جو ایک پردہ نشیں کے دردِ پنہاں کا
تو بس چھپ چھپ کے اب رونا ہے اور کونا ہے دالان کا

جائے حیرت ہے جو رہوے دلِ دلگیر کھلا
ہم نے دیکھا نہ کہیں غنچۂ تصویر کھلا

گلشن تن میں سنا ہے کہ رکھے ہے یکدست
گلِ ہر زخم کو آبِ دمِ شمشیر کھلا

کیوں شفق میں نہ سنہرا ہو یہ رنگ خورشید
چرخ نے دی ہے اسے پان میں اکسیر کھلا

ہی ضرر چشم کو گریہ سے کہ ٹھہری ہی کہیں
جوش بارش سے جہاں رخنۂ تعمیر کھلا

پھولتی دیکھی نہیں شاخ بریدہ لیکن
شب کو گل شمع رہی ہی تہ گلگیر کھلا

طفل غنچہ کا نہیں ضعف سے سر اٹھتا ہی
ای صبا دانۂ شبنم کو تو منہ چیر کھلا

زلف کو شانہ صفت ہاتھ لگا مت معروف
ہاں یہ ہی مار سیہ اس کہ بتدبیر کھلا

یا مجھے شبنم گریاں ہی بنایا ہوتا
ورنہ یا رب گل خنداں ہی بنایا ہوتا

داغ پر داغ اگر دے کے جلانا تھا مجھے
یک قلم سرو چراغاں ہی بنایا ہوتا

تجھ کو مطلب تھا اگر میری پریشانی سے
سربسر زلف پریشاں ہی بنایا ہوتا

مجھ کو دنیا میں سیہ بخت اگر کرنا تھا
رنگ خال رخ جاناں ہی بنایا ہوتا

تھا جو حیران مجھے اس شکل سے رکھنا منظور
صاف آئینۂ حیراں ہی بنایا ہوتا

گر خوشی تیری یہی تھی کہ یہ نالاں ہووے
تو مجھے بلبل بستاں ہی بنایا ہوتا

ایک عالم کی جو آنکھوں سے گرایا جوں اشک
کاش کے گوہر غلطاں ہی بنایا ہوتا

یوں رلا کر جو کیا اب مجھے انگشت نما
اس سے تو شمع شبستاں ہی بنایا ہوتا

تھا اگر قابل زنداں ہی ازل سے معروف
ابداً طفل دبستاں ہی بنایا ہوتا

ربط خوبان عشوہ گر چھوٹا
دیکھنے کا نہ لپکا پر چھوٹا

شب کو ہمسایے میرے نالوں سے
رو کے کہتے ہیں مفت گھر چھوٹا

نہ وہ گھر کا ہوا نہ باہر کا
یار کا اپنے جس سے در چھوٹا

سخت زندان غم تھی دل تنگی
غنچہ ایک دے کے مشت زر چھوٹا

میری ہستی سے غم عذاب میں تھا
سر جو ٹوٹا تو درد سر چھوٹا

موسم گل بھی ہو گیا آخر
ہیں نہ کنج قفس سے پر چھوٹا

نام لوں گا نہ زندگی کا پھر | قید ہستی سے میں اگر چھوٹا
تھم گیا ابر بھی برہن کے لیے | تجھ سے رونا نہ چشم تر چھوٹا

سینہ خالی ہوا تو ہو معروف
دل کے دکھ سے ہم کس قدر چھوٹا

نہ کھلنے دونگا چاہت تجھ سے پر اب تو نہ رک جانا | پھر آہیں بزم میں کھینچوں تو تیرا بیر کروانا
کسی سے پھر کہوں گر بار دیگر بات خلوت کی | تو پھر گدی کے پیچھے سے زباں میری نکلوانا
جو لوں بزم میں بیٹھے ہوئے ہیں دوسرے تو | نہ میرا دیکھنا منہ پھر نہ اپنا منہ تو دکھلانا
یہ ہے معشوق میرا اگر کسی کو اب میں بتلاؤں | تو پھر اس بات کی پارے سزا تو مجھکو بتلانا
اگر لڑ کر کبھی تجھ سے میں کپڑے اپنے پھر پھاڑوں | تو مجھ کو تو سمجھیو یہ کہ ہے یہ سخت دیوانا
اٹھاؤں ہاتھ گر اب تیرے گھر کے آنے والے پر | تو میری قبر پر بھی ہاتھ اٹھانے تو یہ ٹھہرانا
جو پھر کھاؤں ترے سر کی قسم یاروں میں تو مجھکو | ملا کر زہر کھانے میں کھلانا زہر کا کھانا
جو پھر محفل میں تجھ سے کچھ کر دوں آ کر میں سرگوشی | تو جو جو تیرے منہ پر آوے اس دم مجھ کو فرمانا
ہنسی کی ایک بھی گر بات تجھ سے اب دن بھر | تو گھر بیٹھے ہوئے آٹھ آٹھ آنسو مجھکو رلوانا
ترے چاہ ذقن اور زلف کے لب کا جو پھر پیارے | کروں میں ذکر ہر جا تو کنوئیں میں مجھکو لٹکانا
کسی کو تیرے گھر میں ساتھ پھر لاؤں تو پھر مجھکو | نہ بٹھلانا نہ بٹھلانا نہ بٹھلانا
گر اب لوگوں میں تجھ سے بات چھیڑوں وصل ہونے کی | تو پھر جب تک ہوں جیتا مجھے فرقت میں تڑپانا

لکھوں معروف نام اپنا جو سرنامہ میں پھر خط کے
تو عنقا کی طرح میرا جہاں سے کھوج مٹوانا

اگر تصور نہ تیرا ہجر میں اکثر ہوتا | تو غم ایسا نہ تھا جس سے کہ میں جانبر ہوتا
سنگ ہونا بھی اگر میرے مقدر ہوتا | مردہ دل وہ ہوں کہ فیروزہ و مرمر ہوتا
یاد مژگاں میں تیرے شب یہ قلق تھا کہ بنا | یہی تکتا تھا ہر اک سو کہیں خنجر ہوتا

چشم وحشی کسی کے جو نہ ہوتا میں فقیر
مرگ چھالے یہ میرا کاہے کو بستر ہوتا

منہ نہ ہوتا ہمیں پھر مسکے دکھانے کو کبھی
تجھ سا انسان نہ اگر روئے زمیں پر ہوتا

فوج طفلاں کا محابا نہ اگر دیکھتا میں
کوچۂ یار میں سوا کہو کیونکر ہوتا

دیکھنا کیا ہے اُسے آنکھیں ہی لیجاتا صد
شوق دیدار جو لکھنا تو نہ باور ہوتا

غم نہ ہوتا جو کسی پردہ نشیں کا ہمدم
در در یہ رہ کے میرے دل کے نہ اندر ہوتا

لکھنے معروف غمِ ہجر گر اُس مہ کو تمام
ارض سے تا بسما طول میں دفتر ہوتا

پکڑنے سے ہمیں کاکل کو تیرے ہاتھ کیا آیا
مگر یہ زہر کھاتے ہیں سپیرے ہاتھ کیا آیا

دل دیوانہ بتلا اُس خیال چشم آہو کو
پھرا جو دشت میں تو کھرے کھرے ہاتھ کیا آیا

زر گل تو اُڑایا ہی صبا نے تو نے پر بلبل
کیئے جو درد سے نالے سو تیرے ہاتھ کیا آیا

کوئی بوسہ نہیں ہی زلف جب عارض پہ بکھری ہو
گیا دل تو جو لیتے منہ اندھیرے ہاتھ کیا آیا

رکھا اُس شوخ کو جو بازمیرا خون ملنے سے
حنا سے کوئی یہ پوچھے کہ تیرے ہاتھ کیا آیا

کرے انجم پہ کب تب مرغ دل بن خال مہرویاں
فلک نے اس قدر ڈالے بکھیڑے ہاتھ کیا آیا

غلط ہی یہ مثل جو کہتے ہیں جو بندہ یا بندہ
کیئے واں روز ہم نے لاکھ پھیرے ہاتھ کیا آیا

جب آیا محتسب زخمی کیا سر پھوڑ کر شیشہ
بہانہ زخم سر دھونے کا میرے ہاتھ کیا آیا

کفِ افسوس ملنے کے سوا معروف ظاہر ہی
تصور سے جو ہاتھ اُس لبِ خیرہ کے پھیرے ہاتھ کیا آیا

آہ وہ کون تھا خدا مارا
جس نے اُس سے مجھے لگا مارا

ایک ہی تو بھی بدبلا ای چشم
دل کو پھر زلف میں پھنسا مارا

کیا غضب تھی وہ جنبش ابرو
صاف جیسے کہ نیمچا مارا

دے کے بن غیر کو ہمیں تو نے
آتش رشک سے جلا مارا

دہن لالہ جو ہوا پر خوں
چٹخنا تو نے کیوں صبا مارا

میں جو بولا کہ سنگ دل ہی تو
اُس نے پتھر مجھے اُٹھا مارا

بعد مدت ملے تھے کل اُن سے
آج لوگوں نے پھر لگا مارا

وصل کی شب تھی میں نہ سویا آہ
روز ہجراں کے خوف کا مارا

دیکھ کر مجھ کو جب کہا اُس نے
پوچھو کیوں چپ ہی یہ خدا مارا

پا کے مرضی کھلا جو باتوں میں
یہ ہنسا پا کہ بس لُٹا مارا

جنس صبر و خرد لٹی معروف
ملک دل فوج غم نے آ مارا

جب سے محو حسن اپنا وہ ستمگر ہو گیا
مجھ میں اُس میں آئینہ سدِ سکندر ہو گیا

کچھ نہ پوچھو ہمدموں کیا خاک بتلاؤں تمھیں
آتش فرقت سے دل اپنا خاک جل کر ہو گیا

ایک دن ہم کو بھی ہاں درپیش یہ ہی راہ ہی
نقش پا کو دیکھ کر یہ نقش جی پر ہو گیا

ناز و انداز و ادا سے دیکھیے کیسی بنے
اب مقابل مجھ تن تنہا کے لشکر ہو گیا

تم چلو اے ہمرہان ہم ناتواں بھی آئیں گے
مثل نقش پا زمیں پر اب تو بستر ہو گیا

کس نے کی ہے بے تکلف آج گلگشت چمن
جس کی خوشبو سے دماغ گل معطر ہو گیا

گر غزل ایسی لکھے اب جس سے خوش ہوں اہل دل
تو تجھے معروف ہم وہ جانیں سخنور ہو گیا

کیا ہوا گر بادشاہ ہفت کشور ہو گیا
عاشقوں کے حق میں پر قاتل سکندر ہو گیا

کچھ خبر بھی ہے تجھے ٹک ہوش سیکھ اے بیخودی
میں نہ تھا اپنے میں اور گھر میں وہ دلبر ہو گیا

ہم نے کل مر مر کے وصل یار کی پائی تھی رات
کیا قیامت ہی یہ روز ہجر کیونکر ہو گیا

نام اُن کا کیا ہی گودا ہم نے اپنے ہاتھ پر
جس سے حرف عشق اپنا نقش اُن پر ہو گیا

بے سبب وہ روٹھ کر جاتے ہیں ہم سے پاؤں پاؤں
داد دے یارب کہ برپا شورِ محشر ہو گیا

ق

یار کے آنے کی یونہی سب کو ہوتی ہے خوشی — پر میں ایسا خوش خبر آنے کی سنکر ہو گیا

گھر کے اندر یار ابھی آنے نہیں پایا کہ بس — دل برنگ بوئے گل جامہ سے باہر ہو گیا

اب کوئی معروف مطلع پڑھ تو اپنے حسب حال — یہ تو غزلیں ہیں تیری محظوظ سنکر ہو گیا

لب وہ دیکھے کہ یمن ہاتھ آیا — زلف سر کی کہ ختن ہاتھ آیا

پاؤں ٹوٹے میرے پھرتے پھرتے — پر نہ وہ عہد شکن ہاتھ آیا

دشت وحشت میں ہوئے خاک آخر — ہم کو غربت میں وطن ہاتھ آیا

زلف میں شانہ کیا ساری رات — آخرش سانپ کا پھن ہاتھ آیا

دیکھنا قسمت عریانیٔ تن — بعد ایک عمر کفن ہاتھ آیا

نقش لکھ لکھ کے شجر میں باندھے — پر نہ وہ سیب ذقن ہاتھ آیا

جس لئے فتنہ طرازی کی تھی — کچھ بھی اے چرخ کہن ہاتھ آیا

پھرتے پھرتے ہوئے صحرا میں مقیم — یعنی مجنوں کا چلن ہاتھ آیا

دیکھنا باغ محبت کی یہ سیر — گل جو کھائے تو چمن ہاتھ آیا

لوگ ہیں درپئے دولت معروف — ہم کو ایک گنج سخن ہاتھ آیا

عجب ڈھب کا وتیرہ ہی کچھ اس دون گردوں کا — کہ ملنا دیکھ ہی سکتا نہیں انساں سے انساں کا

کوئی دن تھے کہ باغ وصل کے ہم اس کے گلچیں تھے — اب اک دن یہ ہے جو چبھتا ہے دل میں خار ہجراں کا

کیا کرتے تھے باہم قہقہے جوں قلقل مینا — وہ یاں بدتر ہے جام مے سے حال اب چشم گریاں کا

جہاں گانے بجانے کا رہے تھا رات دن چرچا — وہاں اب شور رہتا ہے سدا فریاد و افغاں کا

کبھی وہ تھے کہ بن میرے سلجھواتے نہ تھے زلفیں — الجھتے ہیں وہی اب ذکر سن کر مجھ پریشاں کا

وہ دن تھا یا کہ وہ گھر سے ہمیں جانے نہ دیتے تھے — تکا کرتے ہیں یا اب دور سے منہ اس کے درباں کا

کل آنکھوں سے ہم اُن کے پاؤں میں مہندی لگاتے تھے
یہ خوں ناب جگر ہی آج دامنگیر مژگاں کا

بس اے معروف رہ کر ہی خاطر میں تا ہی
گریباں پھاڑ کر اب لیجیے رستہ بیاباں کا

سوچ مت لے اُڑا دے سر میرا
کر کہیں قصہ مختصر میرا

کوئی آتا نہیں جو دھیان میں اب
دھیان ایسا ہی اب کدھر میرا

روز و شب کیوں رہوں میں نالاں
ہی ابھی نالہ بے اثر میرا

ہی حذر کو حذر ڈر سے ہی ڈر
اس طرح کا ہی جی نڈر میرا

ضعف سے گو بچھڑ گیا لیکن
زور چلتا ہی زور پر میرا

کشش عشق کو خبر کیجو
یار ہی مجھ سے بے خبر میرا

دیدۂ تر میں یہ نہ سمجھو تم
مردمان پارۂ جگر میرا

آگ پانی میں اب لگائی ہی
دیکھیے گا ذرا ہنر میرا

شعر خاصے سن اور اے معروف
یہ تو بیٹھیں تھا جنس پر میرا

ہی جہاں ڈر وہاں ہی گھر میرا
دیکھیے گا دل و جگر میرا

مرحبا تجھ کو آرزوئے وصال
ساتھ چھوڑا نہ عمر بھر میرا

اُس کف پا پہ جب سے سر رکھا
تب سے پایا ہی عرش پر میرا

نفع پر بوسے کے دیا تھا دل
جان کا ہو گیا ضرر میرا

تب رہائی قفس سے پائی آہ
ایک بھی جب رہا نہ پر میرا

پھر پھنساؤں جو اُس کی زلف میں دل
دوستو کیا پھرا ہی سر میرا

ہوں تو باتوں میں میں ادھر سرگرم
ہی و لیکن خیال اُدھر میرا

اہل دل کے بغیر اب میرے
درد سمجھے ہر ایک بشر میرا

قطرۂ اشک و نالۂ نے ہوں | لطف کیا جانے کو ر کر میرا

بلبلِ رُوح تازہ اے معروف
گر سُنے ایک شعر تر میرا

چلنے میں سایہ ہم قدِ جاناں ہی دوسرا | کیا صاف مصرع ایک سے چسپاں ہی دوسرا
بھولے وہ اپنی شکل کو آپ آئینہ میں دیکھ | دریا کے پار اور گلستاں ہی دوسرا
تصویر اُس کی جو سر بازار دے لگا | سب نے کہا کہ یہ مہ کنعاں ہی دوسرا
یارب نہ ہووے کوئی گرفتار عشق کا | گھر بھی شبِ فراق میں زنداں ہی دوسرا
تصویر اُس کی دیکھ کے خوباں کا تھا یہ حال | بس دیکھو جس کو اُس سے بھی حیراں ہی دوسرا
بیجا نہیں گر اُس کا فلک پر دماغ ہو | روئے زمیں پہ وہ مہِ کنعاں ہی دوسرا
تیرے مریضِ غم کی یہ مرنے کی ہی دلیل | احوال اُس کا جو کوئی پرساں ہی دوسرا
غمخوار اُس کے دیکھ کے بس ایک ایک کو | گر سرنگوں ہی ایک تو نالاں ہی دوسرا

معروف کس کا یہاں سے نکلنے کو جی کرے
دہلی عجب جگہ ہی پرستاں ہی دوسرا

مذکور جب کہ تیرے تبسم کا آ پڑا | گلشن میں طفلِ غنچۂ گل کھل کھلا پڑا
بے طاقتی کے ہاتھ سے اُفتادگی ہی یہ | جوں چشم نقشِ پا میں نگوں ہوں پڑا پڑا
داغی ہی یہ غلام فلک پر کہاں ہی ماہ | ہالہ نہیں یہ پاؤں میں ہی اک کڑا پڑا
جھڑکا کرے ہزار وہ اب ہنس کے ترش رو | ہم کو تو قند بوسۂ لب کا مزا پڑا
کیونکر نہ ہاتھ زانو پہ ماروں میں تاسف سے | دست خیال شب تیرے زانو پہ جا پڑا
نظروں سے تو گرا دے اسے اور بہ لگ چلے | ایسا بھی کچھ نہیں ہی میرا دل گرا پڑا

معروف تو جو منع کرے دل کو عشق سے
ناصح ہی کیا بلا سے تیرے تجھ کو کیا پڑا

جب تلک لطف میں دل اُس کے گرفتار نہ تھا
سرِ مُو غم سے کبھی مجھ کو سروکار نہ تھا

تیرے بیمار کو دیکھا تو وہ بیمار نہ تھا
دردِ فرقت کے سوا اور کچھ آزار نہ تھا

یک نگہ بس تھی عبث لائے ہو تم خنجر و تیغ
یہ تو سامان مرے قتل کا درکار نہ تھا

زیرِ دیوار بھی آنے نہیں دیتا اب آہ
جو کہ در تک کے بھی جانے کا روادار تھا

رات ہر ایک کی محفل میں تھیں پر تھی نگاہ
گھورتے کیا ہو فقط میں ہی گنہگار نہ تھا

دردِ فرقت سے شب اپنی یہ ہوئی حالت تنگ
چارہ ساز ایسا نہ تھا کوئی کہ ناچار نہ تھا

تا بحدیکہ مسیحا کی بھی تشخیص میں آہ
مرض الموت سوا اور کچھ آزار نہ تھا

تیری یادِ لبِ جاں بخش نے جاں بخشی کی
ورنہ جینے کا اثر کوئی بھی زنہار نہ تھا

ہجر میں دیکھ لیا سب کا تماشہ **معروف**
آہ و زاری کے سوا کوئی بھی غمخوار نہ تھا

دن وصل کے ہجر یار میں پورے کیے تو کیا
جینے کا لطف وصل میں تھا یوں جیے تو کیا

پیوند اُس کے دل سے یہ دل کیجیے ناصح
یوں گرچہ تم نے لاکھ گریباں سیئے تو کیا

کس کام داغِ دل جو نہ ہو شامِ زلفِ یار
روشن چراغ دن میں اگر کر دیئے تو کیا

آتا ہی یکسر اس کے عقب قطرہ زن سرشک
جوں نے خمِ تازہ ایک نے راہنس دیئے تو کیا

معروف شرط جب ہی کہ وہ مہرباں ہو
چوری سے تم نے یار کے بوسہ لیئے تو کیا

یاں تک خیالِ کاکلِ جاناں نہ ہو گیا
دل چاک چاک ہو کے غرض شانہ ہو گیا

کیا دیکھوں آہ کشورِ دل جائے گریہ ہے
ای عشق تیرے ہاتھ سے ویرانہ ہو گیا

اعجاز گریہ عشق کی دولت ہوئی کہ اشک
نکلا جو ہیں تو گوہرِ یکدانہ ہو گیا

حیرت زدہ ہی طوطیِ تصویر ہی نہ کچھ
آئینہ اُس کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا

گزرا ہی جو فقط نہ وہی کچھ خیال تھا
جو کچھ سُنا تھا آہ وہ افسانہ ہو گیا

عقدہ کھلا نہیں کبھی گردوں کے ہاتھ کا
افسوس کیا جو غنچۂ دل وا نہ ہو گیا

دنیا کے ہست و نیست کا معروف کیا گلہ
کیا کیا ہوا تھا اور تجھے کیا کیا نہ ہو گیا

میری اس آہ و افغاں سے ہر اک کہتا ہے ہمسایا
پری کا تجھ کو سایہ ہے اتاریں کیسے ہم سایا

اسی شاخ مژہ پر دیکھتا ہوں کھیلتا دایم
کہیں ہووے نہ طفل اشک کو اے چشم نم سایا

زمیں کے اب وہ کیا سایہ تلے آرام کرتے ہیں
جنھوں کو خوش تیرا آیا یہ چرخ پشت خم سایا

کبھی کا یہ تو جل بجھتا تپ فرقت کی گرمی سے
نہ کرتا دل پہ تو میرے اگر اے ابر غم سایا

پریشاں دیکھ کر اس زلف کو دل کی یہ حالت ہے
کہ جیسے دھوپ کا مارا تکے ہے دم بدم سایا

بہت چاہا کہ درد دل کہوں پر کہہ نہیں سکتا
یہ غالب ہو گیا کچھ تیرا مجھ پر اے صنم سایا

سدا جلتے ہی اے معروف گزری باغ ہستی میں
نہال شمع ساں نے پھل ہی رکھتے ہیں نہ ہم سایا

ہمیں کب پاک سے سوتا شب دیا تو نے صنم چھینٹا
بناوٹ کی لگاوٹ ہے سمجھتے ہیں یہ ہم چھینٹا

ہنسی سے ان کو پانی کا لگا بیٹھے جو ہم چھینٹا
تو منہ پر ہاتھ رکھ بولے دیا تم نے ستم چھینٹا

تنور چرخ میں ہو سرخ قرص خور یہ اب کیونکر
کہ شیر کاسۂ مہ سے دیا ہے صبحدم چھینٹا

عرق افشاں نہیں ہے زلف گرمی سے کیے دیتی ہے
گل عارض کے تیری نازکی کو دمبدم چھینٹا

نہال اس باغ گیتی میں ہے تیرے فیض سے عالم
کبھی تو ہاں ادھر بھی کوئی اے ابر کرم چھینٹا

نہ لائے ہو کے شاید تاب نظارہ کی وہ اس کے
رخ نرگس پہ جو شبنم نے مارا ایک قلم چھینٹا

پری کا مجھ کو سایا ہے یوں ہی کہنے دے اے ہمدم
نہ دے پانی کا مجھ کو سورۂ جن کر کے دم چھینٹا

نہیں گریہ سے جاتا کس لیے داغ دل حیراں
والا ہر گل تصویر کے حق میں ہے سم چھینٹا

خیال آئینہ رو یعنی پاس حفظ ہے اس کا
پس آئینہ ہے تصویر اثر کرتا ہے کم چھینٹا

زبس ہے خانہ پرور دو اے معروف گردوں
ہمیں دیوانہ سمجھو تم کہ یہ دیتے ہیں ہم چھینٹا

دل عاشق سے گر یکبار کل اٹھ جائے خامی کا — مزا حاصل ہو بدنامی میں اُس کو نیک نامی کا

وفور شوق سے میرے لبوں پر جان آئی ہے — یہاں تک تجھ سے ہے ارمان جی میں ہمکلامی کا

پیالی مجھ کو بھر کر جام مے دے جام اے ساقی — پڑھوں تا ساتھ کیفیت کے میں دیوان جامی کا

اسیر دام الفت ہو گئے یکبار جان و دل — گلی میں تیرے خیمہ جب سے دیکھا ہے دوامی کا

نہیں ممکن کہ میں چھوڑوں ترے دستِ حنائی کو — کہ میرے ہاتھ اب آیا ہے یہ خمسہ نظامی کا

دکھائے جو کوئی اُس یوسف ثانی کی اب صورت
تو اے معروف بھی لکھ دوں اُسے میں خط غلامی کا

جو پیمانہ نہ اس مقتول بے مقدار کا بھرتا — تو کیونکر کھیت خوں سے آپ کی تلوار کا بھرتا

حباب آسا جو ہوتی دم کی فرصت بحر ہستی میں — دم آخر تلک دم میں تو اپنے یار کا بھرتا

اگر سب لخت دل کرتا ترے عشاق کے منظور — یمن میں لعل سے داماں میں کہسار کا بھرتا

لب معشوق کا بوسہ نہ لیتا گر دل عاشق — تو خوں سے منہ نہ تیرے تیر کی سوفار کا بھرتا

اگر میں جانتا یہ وصل کی شب سدرہ ہوگا — تو بھرنا عمر بھر کیوں اس کے چوکیدار کا بھرتا

رکھے ہے چرخ میں خورشید کو یہ حرص دنیا سے — نہیں دل خواہش زر سے کسی زردار کا بھرتا

مثال آئینہ گر تجھ سے برسوں ٹکٹکی رہتی — نہ تو بھی جی ترے اس طالب دیدار کا بھرتا

بہم پہونچائی ہے اب یک صفائی ہاتھ کی اس نے — دم کشتن مہر سے کب دامن اس خونخوار کا بھرتا

جو رو کر یاد دنداں میں ترے کرتا میں دل خالی — تو دامن موتیوں سے ابر دریا بار کا بھرتا

اگر ہوتا نصیب اس کا مجھے آغوش میں بھرنا — تو ہر اک زخم میرے سینۂ افگار کا بھرتا

مجھے اس دور میں معروف اگر دیتا فلک فرصت
تو مے سے شیشہ خالی ہر اک مے خوار کا بھرتا

یہ بگولا کچھ نہیں منزل بہ منزل ڈھونڈتا — قیس ہے اس بھیس میں لیلی کا محمل ڈھونڈتا

خال رخ کا جس کے ہے عقد ثریا خوشہ چیں — در بدر پھرتا ہے اس کو بدر کامل ڈھونڈتا

دانہ ساں ہو جائے گا پامال یک دن خاک میں
مزرع دنیا سے کیا پھرتا ہی حاصل ڈھونڈتا

بحر غم میں ہم کنارا کھینچتے ہیں عجز سے
دم جہاں ٹوٹا وہیں پیر اک ساحل ڈھونڈتا

راہ اُن زلفوں کے شب کو چہ سربستہ میں
تھا چراغ داغ لیکر یہ میرا دل ڈھونڈتا

زندگی اب کس طرح ہو دیکھیے معروف کی
بے طرح پھرتا ہی کچھ اُس کو وہ قاتل ڈھونڈتا

ساغر گل توڑ مت تو ہی وہ بدظن ای صبا
آکے دیکھے گا تو ہوگی مجھسے ان بن ای صبا

سرخ لالے سے جو ہی داماں گلشن ای صبا
یہاں شہیدوں کا ہی شاید اُسکے مدفن ای صبا

گل پہ بلبل ہی فقط شیدا نہیں مل کر بھبوت
ہو رہی ہی سرو پر قمری بھی جوگن ای صبا

منہ پہ چادر ڈھانپ کر روے نہ کیونکر آبشار
طفل غنچہ کی ڈھلی رہتی ہی گردن ای صبا

تازیانہ بوئے گل کا جو لیئے پھرتی ہی تو
پھیرتا ہی کون یہ گلشن میں توسن ای صبا

ٹھنڈی ٹھنڈی سانس کیا تو نے بھری آ کے گریے
جی میرا کرنے لگا اس وقت سن سن ای صبا

بے حجابی سے نہ کیوں غنچہ کی چھاتی ٹوٹے
دیکھتا ہی کون اس دم دوست دشمن ای صبا

تار بارش یہ نہیں دست کرم سے ابر نے
چھوڑ دی ہی واسطے پردے کے چلمن ای صبا

رشک بلبل کیوں نہ معروف اب غزل خوانی کرے
اُس کا داغوں سے ہی سینہ رشک گلشن ای صبا

جس بن یہ ہوا ہی حال میرا
کچھ اُس کو نہیں خیال میرا

عیسےٰ نے دیا جواب مجھکو
اُس لب سے ہی اب سوال میرا

ہرگز نہ ہوا وصال اُس سے
جب تک نہ ہوا وصال میرا

ہی دعوی دل گرا ای خط یار
لا کوئی لکھا بکال میرا

غیروں کی طرف وہ پھر ڈھلے ہیں
رہتا ہی جو دل نڈھال میرا

یوسف نے کہا یہ دیکھ اُس کو
ایسا نہ ہوا جمال میرا

چھوڑے ہے کوئی خیال تیرا — بگڑا ہے برا خیال میرا
سینہ میں ہے تیر کا بھی پیکاں — دل لیجیئے دیکھ بھال میرا
جانے کی سُنائی کیا اب ہے جاں — بس جی ہی لیا نکال میرا
ابرو کو وہاں دی اُس نے جنبش — یہاں قصہ تھا انفصال میرا
سوداگر کشورِ فنا ہوں — کھپتا ہے عدم کو مال میرا
اُس زلفِ دراز سے خدا یا — پورا نہ ہوا سوال میرا
چوری میں ہے کیا کسی کی چوری — اب یار ہے کو توال میرا

سرسبز رہا ہمیشہ **معروف**
ہر مصرعۂ نونہال میرا

کہاں تک رازِ عشق افشا نہ کرتا — مثل ہے یہ کہ مرتا کیا نہ کرتا
رکھے ہے گم جو اُس یاد دہن میں — الٰہی اس سے تو پیدا نہ کرتا
نہ کھلتا عقدۂ کارِ دو عالم — تبسم سے جو تو لب وا نہ کرتا
نہ سُنتا اس قدر لوگوں کی باتیں — تیری چپ کا اگر چرچا نہ کرتا
خبر اپنی یہاں پھر کس کو ہوتی — جو تو واں سے خبر بھیجا نہ کرتا
جو دل بھاری نہ کرتا اُس کے آگے — تو یوں اپنے کو میں ہلکا نہ کرتا
اگر مینا کی گردن خم نہ ہوتی — تو کیا ساقی کو میں سیدھا نہ کرتا
نہ بچتے آج دردِ ہجر سے ہم — اگر تو وعدۂ فردا نہ کرتا
ہلاکو بھی اگر ہوتا تو ظالم — ستم کرتا مگر اتنا نہ کرتا
اگر پہلو میں ہوتا آج کو تو — تو دل اے جان یوں دھڑکا نہ کرتا
نہ کہتا اُس سے گر دل کی حقیقت — تو جی کا مجھ سے وہ سودا نہ کرتا
جو زاہد کو نہ ہوتا خوفِ دوزخ — خدا کے واسطے رویا نہ کرتا

وہ پردے میں بھی ایک آفت ہے معروف
غضب ہوتا اگر پردہ نہ کرتا

عدم سے یہاں آکے کیا کیا نہ دیکھا
جو کچھ دیکھنا تھا وہ اصلا نہ دیکھا

زمانہ میں ہم نے بھی کیا کیا نہ دیکھا
نہ تجھسا کچھ اے چشم بینا نہ دیکھا

نہیں بے وفا تو ہی اے عمر رفتہ
کسو کو یہاں ہم نے اپنا نہ دیکھا

کہاں دل کی صورت جہاں آئینہ کی
یہ دیکھو اسے اس نے اتنا نہ دیکھا

گئے سوانگ مجنوں کا بھی ہم بنا کر
یہ دیکھو تماشا تماشا نہ دیکھا

نہیں جز غرور اس کے خط کی عبارت
کوئی حرف بھی ہم نے دبتا نہ دیکھا

برنگ حنا دیکھ کر پاؤں اس کے
حیا جب تلک منہ کسی کا نہ دیکھا

ترے منہ سے روشن ہے اے مہر تاباں
بجز تیرے جلوے کے پردا نہ دیکھا

کسے زیب دے ہے تغافل کا شکوہ
وہ مخمور تھا گر نہ دیکھا نہ دیکھا

لگی ہم سے رسوائی اب تنگ کرنے
جہاں میں کوئی ہمسا رسوا نہ دیکھا

فسردہ دلی ان سے چھائی جہاں میں
کہیں عشق بازی کا چرچا نہ دیکھا

غضب تو بھی دلکش ہے اے بحر الفت
تیرا کوئی ڈوبا اچھلتا نہ دیکھا

ہو آئینہ اس کے کس منہ سے آگے
کوئی سادہ لوح اور ایسا نہ دیکھا

تجھی میں تو وہ جلوہ فرما ہے اے دل
جسے تو نے غفلت سے سمجھا نہ دیکھا

اسے چھوڑ کر گھر میں ڈھونڈے ہے باہر
ہیئے کا کوئی تجھ سا اندھا نہ دیکھا

رہے بے ثمر آہ چوں سرو معروف
کچھ اس زندگانی کا ثمرہ نہ دیکھا

کب تصور میں ترے دیدۂ تر بند کیا
خانۂ آئینہ میں تجھ کو نظر بند کیا

کیا نزاکت ہے صبا اس کے کمر کی جب نے
صبح دم تارِ رگِ گل سے کمر بند کیا

مجھکو صیاد نے جوں دفتر بالِ طاؤس
مہر ہر داغ سے اب طایر پر بند کیا

رنگ ہی عشق تجھے خوب بچھائی چوسر
نرد دل کا میرے پہلے ہی سے گھر بند کیا

دل سکا احوال جو کھلتا نہیں تو نے ای چشم
قاصد اشک کو آنے سے مگر بند کیا

راحت خواب عدم دیکھ کے سب نے یکدست
نقش پا سے کف ہر خال میں در بند کیا

دیکھ معروف کہ اس شوخ نے شب یکدست
طائر رنگ حنا کو بہ ہنر بند کیا

کام معشوقوں کو گر در پیش آیا ہووے گا
عاشقوں نے اپنے گھر بیٹھے بنایا ہووے گا

درد سر ہی اب جو مجھ کو اور آنکھوں میں خمار
اس کو کچی نیند سے شاید جگایا ہووے گا

وجہ حیرانی کی میری ہی یہی ای ہم نشیں
آئینہ اس سادہ رو کو وان دکھایا ہووے گا

صبح سے جو آج نالاں ہوں میں بلبل کی طرح
سیر گلشن پر کہیں دل اس کا آیا ہووے گا

آنسوؤں کا یاں جو مینہ ابر مژہ برسائے ہی
ہو نہ ہو وہ برق وش واں مسکرایا ہووے گا

اب یہاں جو وبؔ کسی دانتوں میں غالب ہی یہ بات
حرف غیبت کا زباں پر یار لایا ہووے گا

کیا ہوا ہچکی لگی یا رو ڈرو مت خیر ہی
ذکر خیر اپنا وہاں اس وقت آیا ہووے گا

ہیں زبس معروف ہم اور وہ دو قالب یک جاں
اس کے گر کانٹا چبھا دکھ ہم نے پایا ہووے گا

صبح دم شور و فغاں میں نے جو صیاد کیا
خواب دیکھا تھا کہ تو نے مجھے آزاد کیا

دل کو دیوان فغاں نے جو پڑھایا ای عشق
کیا ستم تو نے یہ اس طفل پہ استاد کیا

جلد ای ابر کرم کر کوئی دم کو ورنہ
اس بگولے نے میری خاک کو برباد کیا

دل کے ہاتھوں سے ہوں ای حضرت ناصح ناچار
ورنہ ہی یوں ہی جو کچھ آپ نے ارشاد کیا

کیوں نہ معروف ہو اس مضمون قلمرو میں میرے
خامہ نے میرے ہی ملک سخن آباد کیا

گو عرش پر میسر ہووے نماز کرنا
بندہ کبھی نہ چھوڑے عجز و نیاز کرنا

جلوا جہاں خوشی ہو ای مستِ ناز کرنا
دل اور آئینہ میں پر امتیاز کرنا

باغِ جہاں میں دیکھو ہو گے بہت سے حیراں
ای غنچہ ہائے نرگس مت چشم باز کرنا

ہم دل جلوں کے ہوتے اور دل سے گرمجوشی
اس آہ سے ہمارے تو احتراز کرنا

مشکل ہی موم کرنا داؤد دل بتاں کا
آسان ہی معجزہ سے آہن گداز کرنا

عشقِ حقیقی آخر جلوا دکھا رہے گا
بہتر ہی ابتدا میں عشقِ مجاز کرنا

مر مر کے وصل اُس سے یارب ہوا ہی اپنا
محشر کے روز سے بھی یہ شب دراز کرنا

دُنیا کے طالبوں سے افشائے راز مت کر
ہی منع عورتوں سے افشائے راز کرنا

باعث نہ پوچھو اُس کے ٹھوکر کے مارنے کا
کچھ پائمال کرنا کچھ سرفراز کرنا

معروف پر بھی اپنے ہو چشم مہربانی
گاہے کرم ادھر بھی بندہ نواز کرنا

آہ میں اپنے جی سے درگزرا
دل نہ پر عاشقی سے درگزرا

اُس کا خط مجھ مریض عشق کو دو
نسخۂ بو علی سے درگزرا

زخم پر زخم مت لگا ای چرخ
میں تیری اس ہنسی سے درگزرا

ہو گئے تم تو میرے دُشمن جاں
ایسی میں دوستی سے درگزرا

دے مجھے یارب اُس جہاں کا غم
اس جہاں کی خوشی سے درگزرا

آنکھ تک موندنے دے حیرتِ عشق
ایسی میں ٹکٹکی سے درگزرا

کہہ دلا یار کو نہ وعدہ خلاف
میں تیری راستی سے درگزرا

اُس نے کیں نیکیاں پر ای معروف
تو نہ اپنی بدی سے درگزرا

کل بزم میں جو آکر وہ کجکلاہ بیٹھا
ہر ایک مانگتا تھا اُس سے پناہ بیٹھا

سینہ میں جس کے تیرا تیرِ نگاہ بیٹھا
بس وہیں کھینچ کر وہ اک دل سے آہ بیٹھا

کس وجہ آئینہ ساں پتھرا نہ جائیں آنکھیں
یک سنگ دل کی کب سے تکتا ہوں راہ بیٹھا

کوئی یہ اس سے پوچھو چاہے ہی داد تجھ سے
مدت سے تیرے در پر یک داد خواہ بیٹھا

اخترِ سپند آسا تھی مجمرِ فلک میں
شب بام پر جو آکر وہ رشکِ ماہ بیٹھا

نظارہ ہو میسر اس زلف و رخ کا یارب
جپتا ہوں یہ ہی سمرن شام و پگاہ بیٹھا

نقش و نگیں کی صورت پابند نام معروف
کب تک رہے گا یوں ہی اے روسیاہ بیٹھا

جو در سے اپنے درباں کو اٹھا لوگے تو کیا ہوگا
یہ پتھر میری چھاتی سے ہٹا لوگے تو کیا ہوگا

منایا ہی تمھیں ہم نے ہزاروں بار اے پیارے
گر ابکی بار تم ہم کو منا لوگے تو کیا ہوگا

وہی ہیں ہم کہ پھر دل آئینہ ساں ہم کو تکتے ہیں
جواب برعکس ہو گر منہ چھپا لوگے تو کیا ہوگا

نہیں رہتی ہی عاشق کو خبر کچھ وصل میں اپنی
ہمیں تم ساتھ اپنے گر سلا لوگے تو کیا ہوگا

ارادہ جی میں گر رکھتے ہو مجھ سے دل ملانے کا
تو میرے منہ سے منہ اپنا ملا لوگے تو کیا ہوگا

نہ تم بدوضع ہو صاحب نہ ہیں ہم اوچھے ڈھب کا
مجھے خلوت میں پاس اپنے بلا لوگے تو کیا ہوگا

یہ اب ہٹتی نہیں ہرگز جو بوسہ بن لیے چھوڑوں
بگڑ کر مجھ سے گر منہ کو بنا لوگے تو کیا ہوگا

کرو انصاف ٹک ہم نے تمھیں دل میں جگہ دی تھی
ہمیں پہلو میں گر اپنے بٹھا لوگے تو کیا ہوگا

خوشی سے تو نہیں ہوتی جو دل معروف دے تم کو
بزور اب چھین لوگے یا چھپا لوگے تو کیا ہوگا

شانہ نے نہ آیا جو بسر ہاتھ اٹھایا
دل نے نہ تیری زلف سے پر ہاتھ اٹھایا

کیوں ہاتھ اٹھاویں نہ ہم اس باغِ جہاں سے
دیتا ہی شجر ہم کو ثمر ہاتھ اٹھایا

بھرتی ہی صبا سانس جو ٹھنڈی سی چمن میں
گلچیں نے کہیں گل پہ مگر ہاتھ اٹھایا

طغیانیِ گریہ ہی گر ایسی ہی شب و روز
تجھ سے بھی اب ہی دیدۂ تر ہاتھ اٹھایا

کیا جانے یہ کیا بھید ہے سُن ہی دلِ صد چاک
بہتوں نے یہاں چاک کے منہ پر ہاتھ اُٹھایا

ہو جائے گا شانہ کی طرح خشک ترا ہاتھ
اُس زلف پہ کہتا ہوں اگر ہاتھ اُٹھایا

ہم نے صفِ مژگاں سے دعا کے لئے معروف
یکدست باندازِ دگر ہاتھ اُٹھایا

کچھ نہ فقط یہ دیدۂ حیراں جوڑا ہے شیرازی کا
داغوں سے دلِ سوزاں بھی طاؤس ہے آتشبازی کا

ہر دل آپ ہی چڑھتا ہے یہ دار مژہ بر اے منصور
طفلِ سرشک اک کام کرے ہے دیکھو کیا جانبازی کا

دیکھتے ہی وے بیٹھے ہیں ہر ایک کے منہ پر صفا جواب
لپکا یہ بے وجہ پڑا ہے آئینہ کو غمازی کا

تشنہ لبی سے منہ کو موڑا ہر دم آب کے دینے سے
سر پر ہے احسان میرے اُس خنجر کی دمسازی کا

ہم بھی اے معروف نہاں کر بیٹھے ہیں دل و سینہ ہدف
جب سے سنا کماں ابرو کو واں شوق ہے تیراندازی کا

ثنا خواں ہوں ہر ایک شیریں دہاں کا
قیامت ہوں میں بھی چھوڑا زباں کا

نہیں چشمِ گریاں سے تر جسم عریاں
کہ پہنا ہے نیمہ یہ آبِ رواں کا

وہی موبمو تاب ہے دل کی حقیقت
جو احوال دیکھا تھا زلفِ بتاں کا

غمِ ہجر سے اس قدر ناتواں ہوں
نہیں تاب لوں نام تاب و تواں کا

غلط ہے تجھے مہ سے تشبیہ دینی
کہ ہے فرق اس میں زمین آسماں کا

بجا ہے رخِ زرد پر میرے ہنسنا
کہ ہے رشک یہ تختۂ زعفراں کا

جو تم ہی چلے میرے پہلو سے اُٹھ کر
تو کہیے مجھے میں رہا پھر کہاں کا

بہت ہم نے دیکھے پہ تجھسا نہ دیکھا
کبھی کوئی ٹیڑھا نہ ترچھا نہ باں کا

عزیزو بس ایک پردہ نشیں پر
دل آیا جو ہے آہ اس نیم جاں کا

تو یہ سیر رہتی ہے دن رات گھر میں
جہاں کوئی آیا وہیں منہ کو ڈھاں کا

مجھے شاعری سے ہے کیا کام معروف
مگر مدح خواں ہوں ہر ایک نکتہ داں کا

جو تعریفِ زلف اُس کی یکسر کروں گا
تو یہ ہے کہ ظلمات کو سر کروں گا

لگاؤں گا دل کیونکہ اُس سنگدل سے
نہ جب تک کہ دل اپنا پتھر کروں گا

نہ کھا نامہ بر اُس کے آنے کی قسمیں
نہ باور کیا ہے نہ باور کروں گا

نہ کچھ ذکر رفتارِ دلدار پوچھو
کہ برپا ابھی شورِ محشر کروں گا

جو تم گھر میں چپ یونہی بیٹھا کروگے
تو اب اس کا چرچا میں گھر گھر کروں گا

نہ آیا جو معروف وہ جوہری کا
تو اپنے کو میں آج جوہر کروں گا

عجب ہے نہ ہر مژگاں تیرا ہے ای سیمبر کانٹا
کہ جس کے چبھ گیا دل میں ہوا وہ سوکھ کر کانٹا

نہ کیونکر میں کمر اہوں کھا کے اب تیرِ نگہ اُس کا
کہ چُبھ کا رہ نہیں سکتا لگے نساکے گر کانٹا

سبب کیا ہے کبھی تیری نظر میں ہم نہیں تُلتے
وگرنہ چشم و ابرو کا ہے تیرے طرفہ تر کانٹا

نہیں غمخوار مجنوں کا کوئی جز ناقۂ لیلیٰ
کہ جس نے نام کو چھوڑا نہ ہرگز دشت پر کانٹا

بھلا ہے دل میں واں جاؤں تو ٹھیروں کس بہانے سے
نہ پتھر ہے نہ روڑا ہے نہ ہے کوئی اُدھر کانٹا

مجھے تلووں سے اپنے دیدۂ نمناک ملنے دے
نہ ڈر مژگاں سے کم چبھتا ہے جو ہوتا ہے تر کانٹا

تصوّرِ یار کا معروف کیا جاوے گا آنکھوں سے
چنا ہے ہم نے گردِ جسم اب ایک ایک کر کانٹا

نہیں ہیں یہ قریبِ زلف خال اور کان کا پتّا
یہ سنبل ہے یہ ریحاں ہے یہ ہے ریحان کا پتّا

سجی ہے یہ تجھے ای سرو قد جبہ زمرّد کا
نہ اس خوبی کا دیکھا نخل نے اس شان کا پتّا

نہیں لختِ جگر مژگانِ خون آلودہ پر تیرے
دکھایا نخل بند عشق نے مرجان کا پتّا

تصوّر میں جو برگِ تاک کے اب تھم رہا گریہ
ستم دیکھو ہوا ہے سدِّ طوفان کا پتّا

کیا ہے خاک اب دل کو تو خنجر پا میں رہنے دے
کہ چشمِ زخم پر رکھتے ہیں ظالم پان کا پتّا

لکھوں گر وصف اُس گلرو کا پتّے پر تو سب جانیں
معطّر گل فروشوں کی ہے یہ دوکان کا پتّا

گل مضموں وہ ہیں معروف ان نکتوں کے دونے میں
جو دیکھے غور سے تو ہوش ہو انساں کا پتلا

کیونکر نہ سدّ رہ ہوں میں اُس کج کلاہ کا
مشتاق ہوں جراحتِ تیرِ نگاہ کا

ہو قرب کیوں نہ اس میرے بختِ سیاہ کا
بنتا ہے اس سے خال ہر ایک رشکِ ماہ کا

شاید لڑی ہے آنکھ پھر اس خانہ جنگ سے
نکلے جو فوجِ اشک علم لیکے آہ کا

کافر ہوں گر جہاں میں بغیر از وصالِ یار
خواہاں ہوں میں فلک سے کبھی عزّ و جاہ کا

ناصح نے اس کو دیکھ کے کھینچی جو دل سے آہ
محفل میں وہیں شور اُٹھا واہ واہ کا

گل تکیے تیرے دیکھے ہیں جب دن سے رات کو
نظروں میں اپنی قرب نہیں مہر و ماہ کا

احوال اپنا کیا کہوں میں تم سے دوستو
پوچھو نہ کچھ سبب میرے فریاد و آہ کا

دل آگیا ہے آہ کچھ اب ایسے شخص پر
معلوم ہی نہیں ہے جسے ڈھب نباہ کا

معروف اس زمیں میں غزل ایسی اور لکھ
دل جس کو سن کے خوش ہو ہر ایک خیر خواہ کا

جب ہم نے دل برا نہ کیا طور آہ کا
تب ہم سے دل ملا کہیں اُس رشکِ ماہ کا

دستار اپنی پھیر رکھوں کیوں نہ دوستو
ہوں محو مدتوں سے میں ایک کج کلاہ کا

رونا میں اتنا روؤں بھلا کس کے سامنے
ہنستا ہے مجھ سے حرفِ وہ سُن کر نباہ کا

چل دیکھ اُس کی قبر میں یوں رہ گیا ہے کج
مارا ہوا ہے جو تیری ترچھی نگاہ کا

ہر شب سیاہی آن کے ڈالے ہے خواب میں
یاں تک خیال ہے تیری زلفِ سیاہ کا

پیتا رہا ہے خونِ جگر جو کہ غنچہ سان
بس وہ ہی جانتا ہے مزا دل کی چاہ کا

یوں ناتوانی اپنے تنِ زرد سے ہے وصل
جوں کہربا سے جائے لپٹ برگ کاہ کا

روتے عبث ہو تم میرے بستر پہ ہمدمو
نقشہ کو دیکھ کر میرے حالِ تباہ کا

یہ ہی دعا کرو میرے حق میں کہ اب مجھے
پھر دیکھنا نصیب ہو اُس رشکِ ماہ کا

تیری ہی بات مجھ سے یہ کہتے ہیں سرو قد — ہوتا نہیں ہے دل میں اثر ان کی آہ کا

جاویں نہ کس طرح میرے ہوش و حواس آہ — آنا بھی اُس نے چھوڑ دیا گاہ گاہ کا

میں وحشتِ عشق سے نہیں کچھ داغ لے چلا
معروف میرے پاس یہ توشہ ہے راہ کا

تھا دمِ گریہ جو دھیان اُس نرگسِ مخمور کا — جو گرا آنسو سو دانہ بن گیا انگور کا

دیکھ حال ضعف اپنی چشم کے رنجور کا — ہے عصا بھاری اُسی مژگانِ جسم مور کا

دل بے شوقِ ذبح کیا کیا خوں بہا لے ہے جوش — نام جب لیتا ہے قاتل دشنہ و ساطور کا

بس کہ ہم اُس کے غمِ دوری میں روئے سالہا — سوجھنے سے رہ گیا اب آنے والا دور کا

حال سوز و داغ دل میں کیا بتاؤں ہمدمو — تم ہی ایک کہہ دیکھو پھاہا مرہم کافور کا

دل پہ ایک نشتر سا لگ جاتا ہے ہر جنبش کے ساتھ — نوک مژگاں ہے تیری یا نیش ہے زنبور کا

روز و شب ہوتی ہیں باتیں بزمِ خوباں میں ولے — چاہو گر ذکر وفا کیا ذکر اس مذکور کا

طالبِ مولیٰ کی جس منزل میں ہے آرامگاہ — طالبِ عقبیٰ کو ہے واں مرتبہ مزدور کا

گل ہوئے پر شمع کے چاہو کہ پھر روشن ہو وہ — ذکر کر دو بزم میں میرے دلِ محرور کا

جنسِ دل دیکھا کیا وہ مجھ سے کچھ بولا کیا — حال کیا معلوم ہو منظور نا منظور کا

چشمِ عبرت ہے تو کر لے خاک میں سیرِ جہاں — جامِ جم سے کم نہیں کاسہ سرِ فغفور کا

زلف اُس دستِ حنائی میں ہے یا رب یا کہ ہے — پنجۂ خورشید میں دامن شبِ دیجور کا

یوں بتاں دل لے گئے جب پہنچے ہم نزدیکِ گور — جوں لٹے گھر کے قریب آکر مسافر دور کا

کورِ باطن کو ہو کب اہلِ صفا سے دوستی — ربط عینک سے نہ دیکھا دیدۂ بے نور کا

پڑھ غزل معروف اب ایسی کہ سنتے ہی جسے
پاؤں سر سے جا لگے ہر شاعرِ مغرور کا

آئینہ میں پڑتے ہی پرتو رخِ پُر نور کا — آپ موسیٰ بن گیا وہ عکس شعلہ طور کا

بے خبر وہ لگ گیا میرے گلے سے آہ ہیں
یہ سراسر مجھ پہ ہی احساں شبِ دیجور کا

لب تک آنے کا کرے ہی قصد جب جانِ حزیں
ضعف کہتا ہی کہ ہیں اتنا ارادہ دُور کا

سر جھکے پیشِ خدا کیونکر کہ پیدا ہوتے ہی
نام کانوں میں پڑا ہی اُس بُتِ مغرور کا

رکھتے ہیں تاجِ جواہر سر پہ کب اپنے فقیر
سنگ کو سر پر اُٹھانا کام ہی مزدور کا

بلبلے جذبِ دل کہ سینہ سے نہ نکلا اُس کا تیر
دانت گرچہ ہل گئے منہ مڑ گیا زنبور کا

تن پہ بن جاتی ہی چادر چادرِ آتش بانہ کی
ہی تماشا حال اب سوزِ دلِ محرور کا

جلد بھرنے پر ہوا زخموں کے قاتل ترش رو
آج ہی دیکھا ہی سرکہ زخم کے انگور کا

ہوں میں وہ شایق اگر جامِ شہادت لیکے آئے
روئے قاتل کے سوا دیکھوں نہ چہرہ حور کا

نقص بتلانا کسی میں ہی خرابی قرب کی
ورنہ آتا ہی نظر بے عیب نشاں دور کا

زخمِ دل کا منہ میرے دیکھا جو ہیں جراح نے
بن گیا منہ اُس کا پھاہا مرہمِ کافور کا

چل گیا جو تیرہ بختی کا میرے کچھ ذکر رات
ہو گیا یک بارگی فق منہ شبِ دیجور کا

جو کوئی مرتا ہی دل جلتا ہی اپنا اُس پہ اب
ہی بجا اُس کو لقب دینا چراغِ گور کا

ظلم سے ظالم کو نہیں ہرگز گزند
نیش اثر کرتا نہیں زنبور کو زنبور کا

یوں تو سارے شاعروں کا ہوں میں دل سے خاکِ پا
خار پا ہوں لیک شخصِ سرکش و مغرور کا

مر گئے پر مت کہو معروف کو منہ سے برا
ساتھ نیکی کے کرو اب ذکر اُس مغفور کا

داغ ہی دیتا فلک مجھ کو جو دولت مانگتا
بجتے رسوائی کے نقارے جو نوبت مانگتا

اُس فرقن سے کیوں نہ میں بوسہ بمنت مانگتا
ہی دلِ بیمار میرا سیبِ جنت مانگتا

گر شبِ وحشت سے دیوانے کی خدمت مانگتا
پھر تو میں زنجیرِ فیل ایک وقت خلعت مانگتا

یوسف اک کانِ ملاحت حسن کے بانٹے ہوئے
دیکھتا تجھ کو تو پھر تیری سی صورت مانگتا

صید کرتے ہی کیا صیاد نے جھٹ مجھ کو ذبح
تھی کہاں فرصت کہ ایک نالے کی فرصت مانگتا

گر نہ بند ہوتا کبھی لاتقنطو تقویٰ سے مجھے
مغفرت کیا لیکے ہیں روئے خجالت مانگتا

رونے روتے گر نہ مرتا یہ گنہگار اس برس
سو برس دہقاں نہ پھر باران رحمت مانگتا

بے طلب دی ہے شکستہ حال کی صورت سوال
گو بظاہر چپ ہے پر ہے فی الحقیقت مانگتا

ناتوانی گر نہ محتاج عصا کرتی مجھے
ہر قدم پر آہ سے کیوں استعانت مانگتا

چشم بیمار بتاں ہیں مردم آزاری جو ہے
اس لئے کوئی نہ دیکھا اس کی صحت مانگتا

آئینہ گر میں بناتا جوں سکندر تو صلہ
ان حسینوں کو دکھا کر حسن خدمت مانگتا

وہ ہوں میں سودائی زلف یار کا ہوتا جو آج
مجھ سے قیس اس سلسلہ کی پھر اجازت مانگتا

منع ہے ناداں نہیں یوں دل گنواؤ تم میرا
جھانکنے لگتے ابھی بغلیں جو قیمت مانگتا

قاصد اس پردہ نشیں تک خط جو پہنچاتا مرا
گنج مخفی اس کو دیتا گر وہ اجرت مانگتا

گر خدا کہتا مجھے معروف جو چاہے سو مانگ
نام سے اس مانگنے کے بندہ نفرت مانگتا

شب خیال مژہ یار نے سونے نہ دیا
ایک پل سرزنش خار نے سونے نہ دیا

زخم دل پر میرے تاروں سے نمکپاشی کی
مجھ کو فرقت کی شب تار نے سونے نہ دیا

کب تک تصویر کی بھی آنکھ رہی باز سدا
عمر بھر یار کی رفتار نے سونے نہ دیا

آبپاشی کی رہے فکر میں ہمسایہ تمام
شب میری آہ شرربار نے سونے نہ دیا

وصل کی رات رکھا مشغلۂ شعر و سخن
اپنے ساتھ اس بت عیار نے سونے نہ دیا

چشم دیدار طلب باز رہی جوں حلقۂ در
تیرے آنے کی شب اقرار نے سونے نہ دیا

بل بے وحشت کہ تہ خاک بھی مجنوں کو سدا
میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

جھوٹ کہتے ہیں کہ سولی پہ بھی نیند آتی ہے
مجھ کو یاد قد دلدار نے سونے نہ دیا

اس نے گھر سے جو نکالا تو مجھے در پر بھی
اس کے دربان جفاکار نے سونے نہ دیا

جب لگی آنکھ دیا خواب میں تب آ کے جگا
نہ دیا شوخ ستمگار نے سونے نہ دیا

دن کو وہ پائے حنائی جو نظر آئے تھے
رات بھر دیدۂ خونبار نے سونے نہ دیا

میں تو میں فتنۂ دوراں کو بھی معروف کبھی
یار کی شوخیِ رفتار نے سونے نہ دیا

چاہیئے یاں اپنے جی کا مارنا
چاہتا ہے اور بہتا مارنا

تھام رکھتی ہے تیری اُمید وصل
ورنہ کیا مشکل ہے اپنا مارنا

آ جگانا خفتگانِ خاک کو
کس سے تم سیکھے ہو چھاپا مارنا

مدتوں سے تشنۂ دیدار ہیں
کب تلک ہم کو پیاسا مارنا

یاد آتا ہے وہ عالم جن دنوں
تھا اُسے منظور میرا مارنا

ڈالنی پہلے تو گردن میں کمند
اور پھر اُس کا وہ جھٹکا مارنا

قتل ہو معروف کا کیونکر روا
جب بُرا ہو چیونٹی کا مارنا

کر گئی جانِ حزیں تن سے سفر اچھا ہوا
تھی امانت جس کی پہنچی اُس کے گھر اچھا ہوا

قتل پر کس کے خدا جانے کمر وہ باندھتا
گر نہ دی اللہ نے اُس کو کمر اچھا ہوا

امتحاں کا بوالہوس کو ڈر ہے ہم مشتاق ہیں
تیغ قاتل نے رکھی گر سان پر اچھا ہوا

دن کا بھولا شام کو آوے تو وہ بھولا نہیں
زلف میں اس رخ سے دل آیا اگر اچھا ہوا

ایک نگہ میں چشمِ مستِ ساقیِ مخمور نے
کر دیا دونوں جہاں سے بے خبر اچھا ہوا

تو تو تھا ہی میں بھی سرگرم فنا ہوں آجکل
ساتھ میرا اور تیرا اے شرر اچھا ہوا

چشم و دل سرکار کے بھی ہو گئے میرے رقیب
آئینہ رہنے لگا پیش نظر اچھا ہوا

اضطراب دل سے اے یاد لب جاں بخش یار
جاں بلب تھا جلد تو نے لی خبر اچھا ہوا

شکر ہے جی ہٹ گیا اے دل جو اُس ہرجائی سے
ہوتے پھرتے ورنہ رسوا دربدر اچھا ہوا

دیکھتا ہے تو تو ہمدم جو ہے اب نقشہ میرا
یار نے میری نہ پوچھی گر خبر اچھا ہوا

غیر روتے ہیں مری حالت پہ وہ تو یار تھا
دیکھ کر کڑھتا نہ آیا میرے گھر اچھا ہوا

اور پڑھتا ہوں غزل یاروں نے اے معروف گر
امتحاں پر میرے باندھی ہی کمر اچھا ہوا

مرگیا تیرا مریضِ غم اگر اچھا ہوا
یہ کبھی اچھا نہ ہوتا عمر بھر اچھا ہوا

ہم کو بھی نیند آ رہی تھی شام کی تکتے تھے راہ
زلف جو رخ پر گئی اُس کے بکھر اچھا ہوا

یار بن جیتا نہ تھا مرنا تھا مرکر جی گیا
غم نہ کر مرنے کا میرے نوحہ گر اچھا ہوا

روز و شب رونے لگا ہے یار غم میں غیر کے
روز و شب رونے کا اپنے یہ اثر اچھا ہوا

نقش پائے یار کا کیا پُر اثر تعویذ ہے
جب رکھا سر اُس پہ ہم نے درد سر اچھا ہوا

وصل ہی کی شب ہوئے صد شکر شادی مرگ ہم
مٹ گیا روز غم ہجراں کا ڈر اچھا ہوا

دیکھ لینا آ گئے آگے تم ہو پیچھے پیچھے ہم
تم نے جانے کی سنا دی پیشتر اچھا ہوا

اُس کے کوچے میں جو ہم کل جا کے روئے خوب سا
ہنس کے بولا ایکے باری مینہ اِدھر اچھا ہوا

رات تجھ بن دل میں لے ڈھب ہم سے کچھ کٹنے تھی رات
خیر گزری ہو گئی جلدی سحر اچھا ہوا

کام پورا کر دیا میرا تیری تلوار نے
یہ تو اس سے کام ای بیداد گر اچھا ہوا

سُرمہ آگیں چشم قاتل دیکھ کر ہم خوش ہوئے
دل گیا گر خاک میں ظالم کا گھر اچھا ہوا

کی ملامت سب نے اُس کو یہ جو میرے قتل پر
تو بھی بیداد اب کی بیداد گر اچھا ہوا

ق
دی مریضِ غم کی اُس کے جس نے یاں اُس کو خبر
مرگیا گھل گھل کے آخر وہ نہ بر اچھا ہوا

پیٹتے ہیں اپنا سر معروف اہلِ روزگار
کھول بیٹھے پہلے ہی سے ہم کمر اچھا ہوا

اک بات میں کہتا ہوں اُسے کان میں رکھنا
وہ بات یہ ہی مجھ کو ذرا دھیان میں رکھنا

تو عشقِ بتاں دیجو کسی کو نہ الٰہی
ایسی ہی محبت دلِ انسان میں رکھنا

اس سلسلۂ زلفِ پریشاں کا ہوں عاشق
عشاق کا دل حالِ پریشان میں رکھنا

میں حسرتِ پرواز سے مرجاؤں گا صیّاد
تو میرے قفس کو نہ گلستاں میں رکھنا

وہ جانے لگے گھر میں تو میں دربہ کھڑا تھا
کہتے گئے درباں سے اسے دھیان میں رکھنا

یارو جو مروں یاد میں اُس پردہ نشیں کی
اندر اسی گھر کے مجھے دالان میں رکھنا

یہ مذہبِ عشاق وہ ہی جس میں کہ ناصح
زنّار ہی ایک تار گریبان میں رکھنا

رستم ہی کوئی کیوں نہ ہو تا سر سے نہ گزرے
مشکل ہی قدم عشق کے میدان میں رکھنا

ق

کیوں جی یہ ستم کیا ہی میرا خط یونہیں ملفوف
یا طاق میں یا پردۂ ایوان میں رکھنا

اور غیر کا مکتوب جو آجائے تو پڑھ کر
عنوانِ محبّت سے قلمدان میں رکھنا

جو شعر کہ پُر درد نہ ہو ذوق نہ بخشے
معروفؔ نہ اُس شعر کو دیوان میں رکھنا

فہمیدہ دید اُس کی غافل نہیں سمجھتا
نقصان کسی میں مطلق کامل نہیں سمجھتا

مشکل کشا ہو جس کا مشکل کشا علیؑ سا
مشکل وہ اپنی ہرگز مشکل نہیں سمجھتا

سب وقتِ قتل میرے سمجھاتے ہیں اُس کو
لیکن کسی سے ہرگز قاتل نہیں سمجھتا

مثلِ شررِ عدم میں پہونچونگا ایک دم میں
میں تو اسے کچھ ایسی منزل نہیں سمجھتا

یہ عکس مردمک ہی شاید صفا کے باعث
عارض کے تیرے تل کو میں تل نہیں سمجھتا

بسمل ہوا ہوں جب سے اُس خنجرِ نگہ کا
بسمل کو تیغ کے میں بسمل نہیں سمجھتا

سو بار کہہ چکا ہوں ناصح مجھے نہ سمجھا
پر ہی یہ اس طرح کا جاہل نہیں سمجھتا

بوسہ دہن کا تیرے مانگا تو مت خفا ہو
ہو یا نہ ہو پیارے سائل نہیں سمجھتا

کچھ حد نہیں رہی ہی جور و جفا کی اُس کے
یہ دل نہیں سمجھتا پر دل نہیں سمجھتا

پردہ دوئی کا جب سے معروفؔ اُٹھا دیا ہی
میں اور کوئی پردہ حائل نہیں سمجھتا

جب سنا اُس نے نہ مجھ کو کہ وہ در پر آیا
تیغ اندر ہی سے کھینچے ہوئے باہر آیا

تھا شبِ وعدہ یہ احوال کہ ہر کھٹکے پر
چونک پڑتا تھا کہ اب کے تو مقرر آیا

دیکھنے میں نہیں آیا کوئی تجھسا بے درد
عوض دل ہی تیرے سینہ میں پتھر آیا

کیوں نہ ہوتیں در و دیوار کی جانب آنکھیں
کہ نہ قاصد ہی پھرا اور نہ کبوتر آیا

دل میں مانی ہی کہ دونگا میں پیمبر کی نیاز
نامہ بر آج پیام اُس کا جو لیکر آیا

رونگٹے اپنے کھڑے ہو گئے تعظیم کو سب
خونچکاں تیغ لیے جب وہ ستمگر آیا

دل کے بٹنے کا ہوا وقت جو روزِ ایجاد
میری قسمت سے تیرے حصہ میں پتھر آیا

جاکے واں کیا ہمیں ذلت ہوئی اندر باہر
کہ نہ اندر ہی گئے ہم نہ وہ باہر آیا

بس کہ تھا لطف کے پردے میں بھی منظور ستم
یاں وہ آیا بھی تو اغیار کو لیکر آیا

حسرت اے عمر کہ اب تجھ سے جدائی ٹھیری
مژدہ اے مرگ کہ وہ شوخ ستمگر آیا

دیکھ اُس پردہ نشیں کو ہوئی طاری یہ غشی
لائے ڈولی میں مجھے ڈال کے تب گھر آیا

طوق و زنجیر جب آیا تو یہ لیلیٰ بولی
لے مبارک ہو کہ مجنوں تیرا زیور آیا

حشر میں بھی نہ گیا اُس رخ و قامت کا خیال
جبکہ خورشید سوا نیزہ کے اوپر آیا

جب سے بیٹھا ہی سرِ رہ وہ بتِ غارتگر
جو گیا گھر سے میری طرح وہ لٹکر آیا

کیوں کروں جذبۂ الفت کو اشارہ اے دل
نہیں آنے کا میرے گھر وہ ستمگر آیا

غیر ہفتہ کے دن آیا جو سفر سے معروف
میں نے جانا کہ بس اب مجھ پہ سنیچر آیا

دل کا تو پا چکے تھے ہم لاکھ بار کچا
پر سن کے ہو گئے سن کانوں کا یار کچا

تو بات کا ہی پکا منصورِ حق تو یوں ہی
بولے ہی کب انا الحق بالائے دار کچا

سودا امتناعِ دل کا کیا زلف سے ہو سرکش
ہو جائے جبکہ گاہک انجام کار کچا

ٹپکے ہی یوں مژہ سے آہوں کے ساتھ آنسو
جھڑتا ہی جوں شجر سے آندھی میں بار کچا

تارِ نفس ہی اے دل یا رشتۂ محبت
کہہ کونسا سوا ہی دونوں میں یار کچا

یہ بات جبکہ پوچھی دل نے کہا کہ ہی یوں
ہر ایک اپنی جا سے ہی اے میرے یار کچّا

پھر رخشِ فکر دوڑا معروف اس زمیں پر
گرنے کا ڈر اُسے ہی جو ہو سوار کچّا

ڈہ جائے کیوں نہ ہی یہ تن کا حصار کچّا
ہوتا نہیں ہی ہرگز گھر پائدار کچّا

مضمونِ عہدنامہ تو لکھ دے مجھ کو پختہ
کیا ڈر ہی خط ہی تیرا گر اے نگار کچّا

سہو و خطا سے انساں کیونکر بھلا نہ ہووے
شیر اس نے تو پیا ہی پروردگار کچّا

چھاتی سے میری لگ جا میں نے کہا تو بولا
انگور ابھی ہی تیرا اے دل فگار کچّا

رنگ آج ہی سنہرا تیرا کچھ اس دماں پر
یکمشت جبیں پہ کیجے سونا نثار کچّا

روزِ حساب دیکھیں کیا ہوگا اپنا لکھا
سمجھے گا جبکہ کاغذ وہ پختہ کار کچّا

بعد از فنا بھی تا ہو معلوم خاکساری
پختہ نہ کیجو رکھنا میرا مزار کچّا

صنعت گری تو دیکھو صنعت گرِ ازل کی
کس منہ سے کہیے اس کو ہی دستکار کچّا

کچّے گھڑے بھریں ہم پانی اگر بناوے
یوں بولتا کھلونا کوئی کمہار کچّا

ظاہر ہی چاکِ دل سے دل تجھ پہ آگیا ہی
معروف شق نہ دیکھا ہرگز انار کچّا

دلِ گرم جوشیوں سے تری سرد ہوگیا
بوسہ کا نام سُنتے ہی منہ زرد ہوگیا

اس مرتبہ کو پہونچی ہی میری فتادگی
نقشِ قدم بھی آگے میرے گرد ہوگیا

مجنوں نے جان دی تو ہی پر سسک سسک
فرہاد عاشقوں میں بڑا مرد ہوگیا

کون اُس کے پاس جاکے میرا دردِ دل کہے
جو وان گیا سو مرا ہی ہمدرد ہوگیا

باقی اگر نہیں ہی تیری جستجو ہنوز
پھر کیوں میرا غبار جہاں گرد ہوگیا

پوچھا جو سوزِ عشق کا معروف سے بیاں
اک آہِ سرد کھینچتے ہی سرد ہوگیا

عشق کی ذات نہیں جس پہ دل آیا آیا
عیب کی بات نہیں جس پہ دل آیا آیا

ناصحو یہ نہ کہو چاہ نہ کرتے تھے یہاں
دل میرے ہات نہیں جس پہ دل آیا آیا

دیکھ ہر گل کو جو آیا چمن و ہر ہیں تو
یہ کچھ اوقات نہیں جس پہ دل آیا آیا

ابر کے ساتھ اُٹھا کرتی ہی آندھی ساقی
کیوں کرامات نہیں جس پہ دل آیا آیا

خیر دیکھا تیرے یوسف کو زلیخا لے جا
اب یہ کچھ بات نہیں جس پہ دل آیا آیا

باوفا ہی کہ ستمگر ہے تجھے کچھ بھی معروف
سوچ ہیہات نہیں جس پہ دل آیا آیا

مریضِ غم کو مت بٹھلا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا
کبھی بٹھلائے سے مردانہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

سبکساروں کا بالا تر ہی رتبہ اہلِ تمکیں سے
کفِ دریا تہِ دریا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

غبارِ عاشقِ سرگشتہ کب اُٹھنے سے ہی گردوں سے
زمیں پر گرد بادِ آسا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

نہ دے چرخ اس دلِ بیتاب کو تو آتشِ غم سے
کہ چاندی کی طرح پارا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

بتانِ سیم تن طالب ہیں زر کے نے دستاویں پر
کسی کا زور سے سکہ نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

طلبِ دنیا کی دنیا دار کو کب بیٹھنے دے ہی
نہ ہو جب تک کہ استغنا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

دل اُس کا سنگِ خارہ ہی نہ جب تک موم ہو یارب
تو نقشِ مدعا اپنا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

عبث مجنوں کے لئے ہی زنجیر ہر دم پاؤں اٹھتی ہی
کہ یہ دیوانۂ صحرا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

ہمارے سامنے مت غیر کو بٹھلاؤ پہلو میں
جو اُٹھے گا تو پھر فتنہ نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

ہوا یہ طفلِ اشک ابتر جو دیکھے ہی سو کہتا ہی
کبھی مکتب میں یہ لڑکا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

کوئی اس گنبدِ گردونِ مینا فام میں یارو
کبھی آرام سے یکجا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

ملے معروف نام اور یار ہرجائی کا گھر نزدے
وہ گھر میں جم کے نگیں بیٹھا نہ بیٹھا ہی نہ بیٹھے گا

عشق کا سا کبھی آزار نہ دیکھا نہ سُنا
اس کا جیتا کوئی بیمار نہ دیکھا نہ سُنا

عشق کی راہ میں نقش قدم و سوز خروش / گاہ ہم نے دم رفتار نہ دیکھا نہ سنا
جام پر چشم سوئے قلقل مینا ہی کان / تجھ سا مے نوش کبھی ہشیار نہ دیکھا نہ سنا
نرگس و گل نے بھی اس باغ جہاں میں تجھ سا / چشم اور گوش سے ہی یار نہ دیکھا نہ سنا
سوزِ دل خط میں جو لکھا تھا اُسے لیکر خط / رکھ دیا آگ پہ یکبار نہ دیکھا نہ سنا
ہی اُسے چشم تر و نالۂ عشاق سے ربط / ایسا بے رحم ستمگار نہ دیکھا نہ سنا
بل بے حیرت کہ ہمیں اُس نے پکارا در پر / ہم نے جوں صورتِ دیوار نہ دیکھا نہ سنا
ہم نشینی سے تیرے تیر کی کیا شاد ہو دل / کبھی گویا لبِ سوفار نہ دیکھا نہ سنا
چشم وا رہتی ہی اور گوش بر آواز قدم / عاشقوں کو کبھی بیکار نہ دیکھا نہ سنا
آئینہ دے کے اُسے ذکر جو یوسف کا کیا / مجھ سے یاں تک ہی اُسے عار نہ دیکھا نہ سنا
مرتے دم مجھ کو نہ دیکھا نہ وصیت ہی سنی / بے وفا تجھ سا وفادار نہ دیکھا نہ سنا
جب دعا دیکھ کے دی اُس کو سنی تب گالی / باہم ایسا کہیں بیوہار نہ دیکھا نہ سنا
چشم و گوش اُس رخ و لب پہ ہیں طرحداروں کے / اس طرح کا تو طرحدار نہ دیکھا نہ سنا
صدف آنکھوں کی قسم کھائے ہی رکھ کان پہ ہاتھ / اشک سا گوہرِ شہوار نہ دیکھا نہ سنا

یہ غزل جس نے سنی دیکھ تو واللہ معروف
کہیں اس دیں نہیں بیکار نہ دیکھا نہ سنا

بیٹھتے ہی وہ جو اُٹھا انجمن سے دفعتاً / ہم نے کی جب آہ نکلی جان تن سے دفعتاً
جوڑ لے پہلے بہت سی اس کی تو بد عہدیاں / توڑ مت یوں ہی دل اُس پیماں شکن سے دفعتاً
چشم وحشی وش کا اُس کی کیا تصور آبندھا / پھر گئے نظروں تلے میرے ہرن سے دفعتاً
حشر تک اے مرگ تو چھپتی رہی مرتے ہی ہم / زندگی کیا چھوٹ گئے رنج و محن سے دفعتاً
دیکھتے ہی خال اُس کے روئے آتشناک پر / کیا سپند آتش پہ اُچھلا اس جلن سے دفعتاً
داغ سینہ پر ہی خالِ اشک میں جوں جذب ہو / گرتے ہی جلتے توے پر بوند چھن سے دفعتاً

شب گئیں آنکھیں جھپک پُتلی کی شوخی کو دیکھکر
آگیا پردہ سے باہر اس پھبن سے دفعتاً

اپنے کشتہ کے جنازہ پر وہ آکر قُم کہے
بے شک اُٹھ بیٹھے نکل کر وہ کفن سے دفعتاً

سہم کر پرواز بھولے اپنی مرغانِ ہوا
پاس سے گذرا جو تیرا تیر سن سے دفعتاً

ق

ہے عجوبہ ہم نہ کہتے تھے نہ لے خون اپنے سر
مرگئی شیریں نہ کہنا کوہکن سے دفعتاً

مرگیا دیکھا نہ آخر سر میں تیشہ مارکر
کوہکن سنتے ہی یہ تیرے دہن سے دفعتاً

دیر تک **معروف** اس میں تا جگر کاوی نہ ہو
شعر کب ہوتا ہے یوں اہلِ سخن سے دفعتاً

کرتا نہیں کسی سے جو کوئی بشر وفا
عنقا جہاں سے ہوگئی یارب مگر وفا

اُس یار بے وفا نے نہ کی تجھ سے گر وفا
غم نے تو کی پر اُس کی دلا عمر بھر وفا

ہم تک ہی قدر اتنی ہے جب ہم نہ ہونگے
دیکھو گے پھر پھرے گی یونہیں دربدر وفا

مہمان مدام خانۂ دل میں ہیں درد و غم
یارب کہاں تلک کرے خونِ جگر وفا

کیسا ہی سبزہ رنگ جفاکار ہو کوئی
گر عمر خضر کی ہو کروں عمر بھر وفا

کہتی ہے زردیِ رخِ عاشق تمام عمر
سُنتے تھے ہم سدا نہیں کرتا ہے زر وفا

ایک عمر دیکھتے پھرے سارے جہان میں
لیکن کہیں نہ پائی نہ آئی نظر وفا

فرقہ کبھی عاشقوں کا کوئی کیا عجیب ہے
اہلِ جفا سے کرتے ہیں یہ بیشتر وفا

کرنے سے میں جفا کے تھکا دوں گا یار کو
کرتی ہے عمر اور کوئی روز گر وفا

پہونچا ہے وعدہ آگے میرا دیکھ جا شتاب
وعدے کو اپنے عہد شکن تو بھی کر وفا

مرنے کی میرے سن کے وہ بولا جفا شعار
معروف کیا ہوا کہ گئی آج مر وفا

ہاتھ گر رنگتے تھے تجھ کو یہ ہی کیا تھی مینہ تھا
عشق میں میرے جگر خون ایک حنا تھی مینہ تھا

کردیا تھا اُس کے حُسنِ حیرت افزا نے یہ تنگ
بزم میں تصویر گویا میری جا تھی مینہ تھا

ہو کے بے رخ مت اُسے بچھ چھپکے شب سوتے ہوئے
بوسہ زن رخ پر ترے زلفِ دوتا بھی میں نہ تھا

جا کے منزل پر جو پوچھا اُس نے کیوں نالاں ہے تو
عرض کی میں نے کہ آوازِ درا بھی میں نہ تھا

قتل کر کے مجھ کو قاتل کیا موحد بن گئے
کہتے ہیں اس شخص کی قاتل قضا بھی میں نہ تھا

ہے کدورت مجھ سے دل میں کیوں عبث ظالم کہ صبح
خاک بر سر تیرے کوچے میں صبا بھی میں نہ تھا

یہ نہیں معلوم کیا تھا اُس میں جو آنکھیں ہیں لال
غیر نے تم کو بلائی جب حنا بھی میں نہ تھا

خیر جو کرنا سو کرتا اس کے حق میں کیا کروں
گنبد گردوں کی جب ڈالی بنا بھی میں نہ تھا

جب کیا فریادِ شب کا شکوہ ہمسایوں نے صبح
اُن سے میں بگڑا صدائے آشنا بھی میں نہ تھا

اب جفا پیشہ ہوئے خوباں تو میں پیدا ہوا
وائے قسمت جبکہ دنیا میں وفا بھی میں نہ تھا

دم نکلنے سے یہ عقدہ وا ہوا مثل حباب
ہستیٔ موہوم نے باندھی ہوا بھی میں نہ تھا

ناتوانی اس کو کہتے ہیں کہ آ کر یار نے
جب ٹٹولا مجھ کو بستر پہ فنا بھی میں نہ تھا

وہ صنم جب دیر سے نکلا تو اے معروف ہائے
حاضر اُس جا اور سب خلقِ خدا بھی میں نہ تھا

جو کوئی اُس بتِ کافر کے آستاں سے پھرا
ہوا یہ حال پھر اُس کا کہ وہ جہاں سے پھرا

عجب ہے ملکِ عدم کی بھی جا کوئی دلچسپ
کہ جو یہاں سے گیا پھر نہ وہ وہاں سے پھرا

لگے پھرانے جو بغلوں میں ہاتھ اُسے دے کر
گیا نہ اُس پہ بھی کل تیرے ناتواں سے پھرا

نصیب ہو گئے برگشتہ بات کہنے میں
قرار کر کے جو بوسہ کا وہ زباں سے پھرا

دیا ہے مجھ کو خدا نے بھی کیا دلِ کافر
خدائی پھر گئی مجھ سے نہ یہ بتاں سے پھرا

جو مرد ہے تو دمِ رزم مت سپاہ سے ڈر
دلا نہ منہ صفِ مژگانِ دل ستاں سے پھرا

بسانِ نقشِ قدم لگ رہی ہے آنکھ اُدھر
نہ اب تلک کوئی یارانِ رفتگاں سے پھرا

دل اپنا بحرِ محبت میں آشنا ہو کر
لگا ہے جا کے کنارے پہ درمیاں سے پھرا

شب اُس گلی میں جو آہٹ پہ میری کھنکارا
تو اُلٹے پاؤں میں آوازِ پاسباں سے پھرا

جو وہ گیا تو میری جان بھی گئی سمجھو
نہیں تو کہدو کوئی اُس عدو سے جان سے پھرا

ہوائے یار میں اپنا غبار بھی معروف
اُٹھا جو بن کے بگولا تو آسماں سے پھرا

سجدہ کرتے کرتے اک عالم کا ماتھا گھس گیا
کیا تعجب ہی جو سنگِ اُس آستاں کا گھس گیا

کثرتِ عشاق ہی یاں تک تیرے کوچہ میں آج
واں سے جو نکلا قبا کا اُس کی مونڈھا گھس گیا

جامۂ عریانی اپنا کیا مبارک تھا لباس
یاں تلک اپنے یہ کام آیا کہ سارا گھس گیا

جبہ سائی کی تمنّا جو کہ تیرے در کی تھی
اور کیا لکھوں زیادہ قط قلم کا گھس گیا

ای ستمگر یاں تلک تو نے کیے عشاق قتل
محضروں پر اپنے کیں مہر کہ سکّا گھس گیا

نقش ہی اب تک وہی فرعون ماتھے سے میرے
کیا کروں گر سنگِ سجدے کا مصلا گھس گیا

رات کو یاں تک ہی سینہ خراشی یار بن
کس کو دکھلاویں کہ ہر ناخن ہمارا گھس گیا

کچھ تو باعث ہی نہیں چلتا طپنچہ اُس کا آج
یا گئی ہی کل بگڑ یا کوئی پرزا گھس گیا

اس قدر کیوں منہ بناتے ہو بگڑ کر ہم سے تم
لے لیا بوسہ تو اس میں کیا تمہارا گھس گیا

گو نہ جھاڑا در سر سرکار کا معروف نے
پر بچارا چوب صندل کا تو ٹکڑا گھس گیا

تجھے تو کیا کہوں پر اُس بشر کا منہ کالا
کہے سے جس کے کیا نامہ بر کا منہ کالا

ہمیشہ ہوتا ہی باروت گر کا منہ کالا
لگاؤ آگ اسے اس ہنر کا منہ کالا

بغل سے یار نہ اُٹھتا اگر نہ ہنستا یہ
کرو توا کوئی لیکر قمر کا منہ کالا

جب اُس نے وار کیا آگئی سپر منہ پر
ہم اُس کے منہ سے خجل ہیں سپر کا منہ کالا

سمجھ نہ روز شب اس کو کہ ظلم کے باعث
ہوا ہی چرخ کا آدھا ادھر کا منہ کالا

کیا جو کھاتے ہوئے جامن اُس نے آئینہ
تو کہہ کے پھینک دیا اُس ثمر کا منہ کالا

کہاں گئی ہی تو آج ای میری سیہ بختی
شب وصال میں کردے سحر کا منہ کالا

لگائی ماتھے پہ افیون جو در دسر کے لئے
تو رک کے بولے کہ اس درد سر کا منہ کالا

رقیب شب کو جو پھر تیرے در پہ سوئے گا
کروں گا سوتے میں ہیں اس بشر کا منہ کالا

سیاہ کاری معروف نے سیاہ دروں
جو ہو سیاہ دروں اس بشر کا منہ کالا

عناصر میں تو کم پانی تھا کل آدم کے کام آیا
بہت سا عاشقوں کے دیدۂ پرنم کے کام آیا

عجائب ہے کوئی یہ جامۂ عریانی اپنا بھی
کہ ساری عمر یہ ہی ایک ہر موسم کے کام آیا

ٹھہرنا آ گئے اس فوج مژہ کے کام ہے مشکل
دل بیجاں ہمارا کر کے یہ رستم کے کام آیا

بحمد اللہ نہ ہے قسمت نہ ہے طالع نہ ہے دولت
بساط اپنی میں ایک دل تھا سو تیرے غم کے کام آیا

ترا دم بھرتے بھرتے مر گیا ای شوخ عیسیٰ دم
نہ یک دم حیف تو اس عاشق بیدم کے کام آیا

برآمد جب ہوا خورشید اور آیا سحر گل چیں
یہ شبنم گل کے کام آئی تو گل شبنم کے کام آیا

کبھی عالم میں ظالم سے نہ رکھ امید راحت کی
کہ تیغ و تیر کا زنگار کب مرہم کے کام آیا

رہا بیکار ہاتھ اپنا نہ کار و بار الفت میں
چھٹا جامہ دری سے جب تو پھر ماتم کے کام آیا

میرا رونا تو میرے بھی نہ کام آیا یہ رونا ہے
وگرنہ ابر کا رونا تو ایک عالم کے کام آیا

کہے ہے لاش پر معروف کی ایک خلق حسرت سے
یہ ہی ہے ہاتھ سے کس ظالم اظلم کے کام آیا

دلربا تا نظر نہیں آتا
چین آتا نظر نہیں آتا

سرو کی طرح نخل آہ میرا
بار لاتا نظر نہیں آتا

روٹھ کر اس سے سخت پچھتائے
اب مناتا نظر نہیں آتا

ہے یہی شرم تو وہ آئینہ سو
منہ دکھاتا نظر نہیں آتا

ہول دل سے بن اس کے سینہ میں
دم سماتا نظر نہیں آتا

مکر اس کے ہزار ڈھونڈیں لوگ
دیکھ پاتا نظر نہیں آتا

مت بچھا دام زلف اب کوئی
دل پھنسا تا نظر نہیں آتا

ایک طاقت ہی اس میں دم کیسے
آتا جاتا نظر نہیں آتا

دم ہی آنکھوں میں اور ابھی اس کو
کوئی لاتا نظر نہیں آتا

دردِ دل کچھ نہ کہہ کہ وہ **معروف**
رحم کھاتا نظر نہیں آتا

غیر پر آگے میرے لطف و کرم تم نے کیا
کیا غضب آہ کیا مجھ پہ ستم تم نے کیا

غیر کے مرنے سے ہاں تھی تو خوشی دل میں لیے
اس کا غم ہم کو ہوا اُس کا جو غم تم نے کیا

دیدۂ و دل میرا غم کھا کے یہ کہتے ہیں ہم
اس بشر کے جو کیا حق میں سو ہم تم نے کیا

یہ بھی قسمت کا لکھا میری کہ خط لیکے مرا
سر کو قاصد کے خفا ہو کے قلم تم نے کیا

اب بھلا لائے کہاں سے کوئی سامانِ نشاط
ایک دل تھا سو اُسے وقفِ الم تم نے کیا

ان دنوں اس سے زیادہ ہی میرے دل کو قلق
غیر کے کہنے سے ملنے کو جو کم تم نے کیا

یہ کھلا اس سے کہ پروا ہی نہیں میری تمھیں
یا غنی خط کے سرے پر جو رقم تم نے کیا

وہ جو **معروف** ایک آوارہ سا پھرتا تھا یہاں
آج قتل اس کو کیا تم نے ستم تم نے کیا

ردیف ب

نہ کھو وا نہ ہوئے وصف پہ اغیار کے لب
بند ہوتے ہیں مزے سے مرے اشعار کے لب

حرفِ مطلب کوئی کیا خاک زباں پر لائے
روز سلوائے ہی سوزن سے وہ دو چار کے لب

دلِ عشاق کے یکدست نہ کیوں ہوں پُرزے
کارِ مقراض صدا کرتے ہیں سرکار کے لب

رشک سے ہونٹھ چبایا کیئے سب بزم میں ہم
لبِ ساغر سے ہم دیکھ کے اغیار کے لب

کِس طرح وصف میں ان کے کوئی مضمون باندھے
رگ گلبرگ سے نازک ہیں میرے یار کے لب

بوسہ گر تم نے دمِ واپسیں لب کا نہ دیا
کھلے رہ جائیں گے اس تیرے طلبگار کے لب

وسعتِ حوصلۂ شوق غضب ہے **معروف**
تر سمندر سے نہ ہوں تشنۂ دیدار کے لب

کون یوں راہِ فنا میں ہو نظر سے غائب
شمع جوں پاؤں تلک ہوئی ہے سر سے غائب

نہ ہے کیوں وہ پری زاد نظر سے غائب
یہ کہ رہتی ہے پری چشم بشر سے غائب

خط میں مضمون کمر کا اُسے لکھا تھا سو وہ
ہو گیا راہ میں قاصد کی کمر سے غائب

آبرو جائے تو پھر قدر ہو کیا انساں کی
کیا ہو قیمت ہوئی جب آب گہر سے غائب

مفت بر کونسا بیٹھا تھا میرے پہلو میں
ہو گیا دل جو الٰہی میرے بر سے غائب

سچ بتا مجھکو کہاں جاتا ہے ای رشکِ قمر
شام تک روز جو رہتا ہے سحر سے غائب

روح کب جسم میں آتی ہے نظر ای قاتل
یار گھر میں ہے تیرے جان نہ گھر سے غائب

سرمہ ایسا کوئی آنکھوں میں لگا دے **معروف**
میں تو دیکھوں ہوں پر اُس کی نظر سے غائب

ردیف پ

یہ اوروں سے آنکھیں لڑاتے ہیں آپ
ہمیں دیکھ کر منہ چھپاتے ہیں آپ

گنہ جرم و تقصیر و موجب سبب
مجھے یاں سے پھر کیوں اٹھاتے ہیں آپ

کبھی ایک جھڑکی نہ دی تھی سو یوں
سنو گالیاں اب سناتے ہیں آپ

اگر روٹھ جاؤں تو مشکل ہے یہ
نہیں چین دیتے مناتے ہیں آپ

مجھے دیکھ روتا غضب ہے نہ یہ
ادھر دیکھ کر مسکراتے ہیں آپ

میری بے خودی دیکھ ای نامہ بر
ٹک اتنا ہی کہدے کہ آتے ہیں آپ

وفا غیر کی آزماتے نہیں
ہمیں پر جفا آزماتے ہیں آپ

بتایا کروں آہ **معروف** اب
بہ شدت مجھے یاد آتے ہیں آپ

حالتِ غش میں جو شب سے ہی تیرا بیمار چپ — سر ہزانو اُس کے ہیں بستر پہ سب غمخوار چپ

طاقتِ گفتار ہی کس کو اب اس کے روبرو — کر نہ تو عرض تمنّا ای لبِ اظہار چپ

تیری چاہت سے صبا نے بھر دیئے ہیں گل کے کان — اس قدر نالہ نہ کر ای عندلیبِ زار چپ

وجہ خاموشی کی اپنی ہو نہیں سکتی بیاں — تیری چشم سرمہ سا کا کیوں نہ ہو بیمار چپ

مُنہ میں گو رکھتا ہی اپنے غنچۂ گل سو زباں — پر ہی تیرے روبرو ای غیرتِ گلعذار چپ

کس لیئے تو نالہ و افغاں نہیں کرتا ہی آج — کیا ہوا ای دل تجھے کیوں لگ گئی یکبار چپ

قابلِ نظارہ ہی محفل میں وہ آئینہ رو — دیکھ کر میں بھی ہوا جوں نقش بر دیوار چپ

عالمِ تصویر کا سا ہر طرف عالم ہی اب — ایک دو بیٹھے ہیں حیراں ہیں کھڑے دو چار چپ

کیا سُنا چاہے ہی **معروف** اُس کے منہ سے اور کچھ
ہر گھڑی کرتا ہی تو بوسہ پہ کیوں تکرار چپ

کھلا رہا ہی تیرے زلفِ عنبریں کا سانپ — ہوا ہی ہاتھ میں میرے یہ آستیں کا سانپ

خطا ہی چھیڑے ہی گر زلفِ عنبریں کا سانپ — ختن کی یعنی ہی ای دل یہ سرزمیں کا سانپ

ڈروں نہ کیونکہ یہ کاٹے ہوئے ہیں ہاتھ کہ ہی — یہ بند جامۂ تن زیبِ نازنیں کا سانپ

نہیں ہی موجِ سرشک اپنی چشم میں ہر دم — کیا ہی بند یہ ڈبیا میں یاسمیں کا سانپ

ہوا ہوں عشق میں ای شعلہ خو تیرے جوگی — نکالوں کہہ تو ابھی آہِ آتشیں کا سانپ

ق

یہ کیا سبب ہی کہ سوتا ہوں شب پلنگ میں — پھرے ہی دل میں میرے جعدِ عنبریں کا سانپ

سُنا یہ کرتے تھے لوگوں سے ہم مثل **معروف**
کہ چارپائی پہ چڑھتا نہیں زمیں کا سانپ

ردیف ت

تجھ بن رہا یہ آہ میں بے کل تمام رات — تا صبح کروٹوں میں کٹی کل تمام رات

سوئے جو منہ پہ لیکے وہ آنچل تمام رات
مہتاب پہ گھرے رہے بادل تمام رات

دکھلاتی اُس کے کوچہ میں پھرتی تھی ساتھ ساتھ
یہ آہ ہمنشیں مجھے مشعل تمام رات

مژگاں سے میرے پوچھ شبِ غم کا طول و عرض
تھا ایک پہاڑ تنکے کی اوجھل تمام رات

مجنوں کے تھا ہجومِ چراغاں مزار پر
روشن تھا جگنوؤں سے جو جنگل تمام رات

معروف ہائے اُس لبِ مِسّیگوں کی یاد میں
منہ سے لگی رہے میرے بوتل تمام رات

ہوا خدنگ جو اُس کی کمان سے رخصت
تو مجھ سے جان ہوئی اور میں جان سے رخصت

کٹار کب دمِ رخصت یہ شوخ نے ماری
کیا ہے ہم کو ولا برگِ پان سے رخصت

ہو کیوں نہ سوے عدم گرم روبرو پتنگ
کرے جو شمع خود اُس کو زبان سے رخصت

وداع آہ ہے یوں تن سے عہدِ پیری میں
سحر کو شمع ہو جوں شمعدان سے رخصت

ہیں اپنے قتل پہ باندھوں ہوں اب کمر **معروف**
ہوا ہوں اُس بُتِ نامہرباں سے رخصت

ہے مرے پیشِ نظر ایسی کسی کی صورت
دیو سی لگتی ہے آنکھوں میں پری کی صورت

روتی صورت پہ برستا ہے ہمارے رونا
گرچہ سو ڈھب سے بناتے ہیں ہنسی کی صورت

تیرے بیمارِ محبت کا خدا حافظ ہے
نظر آتی نہیں کچھ روز بہی کی صورت

منہ ہے کیا چاند کا جو اُس کے مقابل ہووے
ہے یہ چھیلے ہوئے شلغم کی سی پھیکی صورت

گل پہ گل کھائے ہیں یہ عشق میں گلرویوں کے
ہاتھ یکدست ہیں پھولوں کی چھڑی کی صورت

عشق نے جبکہ دیا ہم کو فقیری کا لباس
بن گیا چاک گریباں کفنی کی صورت

پر لگا دے ہے وہیں صبر و شکیبائی کو
یاد آتی ہے جب اُس شنگ پری کی صورت

دہر کا آکے عدم سے جو مرقع دیکھا
لے گئی دل کو رسولِ عربی کی صورت

ہستی کیا جان کو یوں آکے فرشتہ لے جائے
جب تلک بن کے نہ آوے وہ اُسی کی صورت

چشم تر خاک جگر سوختہ جاں نالہ کناں
یہ بنی عشق میں معروف علیؔ کی صورت

ردیف ث

کہو کس واسطے ہو مجھ سے تم بیزار کیا باعث
گنہ موجب سبب تقصیر کیوں ای یار کیا باعث

خلش ہم سے یہ بے موجب نکیے چل اہلے اپنی
الجھتا ہی جو اس وادی میں تو ای خار کیا باعث

بتاؤ کس لیئے موجب سبب کچھ بات بھی آخر
مجھے تم تولتے ہو دیکھ کر تلوار کیا باعث

وہ ایسا کون تھا جس نے تمہیں آنکھیں کھائی ہیں
کئے کیوں بند تم نے رخنۂ دیوار کیا باعث

کیا معروف جب بوسہ طلب اُس سے کہا اچھا
تعجب ہی کہ کچھ مجھ سے نہ کی تکرار کیا باعث

ردیف ج

بے طرح گھبرا گیا ہوں دل کے گھبرانے سے آج
ای در و دیوار بھاگو میرے کاشانے سے آج

دیکھنا کیا جوش می ہی جو پیا پی جوں حباب
خود بخود ساغر بہے آتے ہیں میخانے سے آج

دل نہیں کہنے میں میرے ناصحا لاچار ہوں
میں تو اُس سے ہاتھ اُٹھاؤں تیرے فرمانے سے آج

میری اُس کی میکشی غیروں کی گویا موت ہی
بھر گئے لاکھوں پیالے ایک پیمانے سے آج

یا الٰہی کس نے مجنوں کر دیا اُس شوخ کو
دل جو بہلاتا تھا وہ لیلیٰ کے افسانے سے آج

ناصحا تو نے جو پھر چونکا دیا یہ کیا کیا
گھر یہ ہم مجنوں کو لے آئے تھے ویرانے سے آج

جان کا معروف کی کل ہی آیا جب وہ تیغ
فائدہ ای قاتلِ بے مہر سمجھانے سے آج

ردیف ح

پوچھو نہ اب کہ کٹتے ہیں اوقات کس طرح
ہے غم یہی کہ آئیں گے وہ ہات کس طرح

ناصح کسی طرح وہ مجھے چھوڑتے نہیں
چھوڑوں میں ان کو قبلۂ حاجات کس طرح

ق

معروف سے یہ میں نے جو پوچھا کہ ان دنوں
بتلا تیرے گزرتے ہیں اوقات کس طرح

کہنے لگا کہ روتے گزرتا ہے مجھ کو دن
میں نے کہا کہ دن تو ہوا رات کس طرح

بولا کہ رات وقت ملاقات یاد رہے
پوچھا جو میں نے شکل ملاقات کس طرح

بولا کہ ہم کو ایک مناجات یاد ہے
میں نے کہا سنیں وہ مناجات کس طرح

بے اختیار روکے کہا دل لگا کہیں
کہنے کی بات ہے یہ کہوں بات کس طرح

ردیف خ

نیش غم نے یہ کیے میرے جگر میں سوراخ
جس طرح ہوتے ہیں زنبور کے گھر میں سوراخ

یار سے آنکھ لڑانے کی کوئی راہ نہیں
نہ تو دیوار میں رخنہ ہے نہ در میں سوراخ

تیرے تل بیٹھنے کو چرخ بناتا میزاں
ہوتے گر پلۂ خورشید و قمر میں سوراخ

جوشش گریہ میں گر بند کروں دیدۂ تر
مثل فوارہ نمودار ہو سر میں سوراخ

ہے جو دن رات یہ خوں روزن کشتی جاری
پڑ گیا ہے مگر اس دیدۂ تر میں سوراخ

آہ کا تار سدا جس میں سے نکلے معروف
جنتری کے سے پڑیں کیوں نہ جگر میں سوراخ

ردیف د

بھر آہ نہ بے جا کہ الف ہیچ ندارد
ہو اس میں اثر کیا کہ الف ہیچ ندارد

ملتا ہے دلا تو عبث ان سرو قدوں سے
کچھ پھل نہ ملے گا کہ الف ہیچ ندارد

خالی ہی رہا ہاتھ جو اس باغِ جہاں سے
اب ہاتھ اُٹھایا کہ الف ہیچ ندارد

مائل ہو دلا دیکھ نہ قشقے پہ بتاں کے
ظاہر ہے سراپا کہ الف ہیچ ندارد

حاصل نہیں شاہوں کو بجز درد و الم کے
ہے سب پہ ہویدا کہ الف ہیچ ندارد

پروانہ جلا شمع کی الفت میں سراپا
بے عقل نہ سمجھا کہ الف ہیچ ندارد

عشقِ قدِ یوسف میں جو انگشت نما ہو
آمان زلیخا کہ الف ہیچ ندارد

معروف کا دیوان ہے تفاول سے جو کھولا
یہ فال ہے نکلا کہ الف ہیچ ندارد

ہوا ہے آکے مری آستین کا پیوند
یہ طفلِ اشک ہو یارب زمین کا پیوند

شجر میں برگ ہزارا کے باغ میں بلبل
لگا رہی تھی عجب پوستین کا پیوند

بہت ہی خونِ جگر کھا کے ہاں ہوا ہے اب
ہمارے دل سے دلِ اُس نازنین کا پیوند

لگی جو رات کو دیکھو ہو چاند میں تھگلی
یہی ہے خیمۂ چرخِ برین کا پیوند

اُڑے ہیں ٹکڑے کتاں کے بھلا نہ میں کیونکر
لگاؤں پیرہنِ مہ جبین کا پیوند

نہ کیونکہ ہاتھ کو فغفورِ چین مرے چومے
لگاؤں ہوں ترے جامہ کی چین کا پیوند

ہمارے شعر پہ کیا بولتے وہ کہ اے معروف
کیا ہے ہم نے تو منہ نکتہ چین کا پیوند

ہوگیا حد سے زیادہ دلِ ویراں آباد
بس غم و یاس و الم خانۂ احساں آباد

صاحبِ خانہ نہ ہو جس میں وہ گھر سُونا ہے
خانۂ تن ہے ترے دم سے ہی اے جاں آباد

لعل کو لعلِ لبِ یار سے اک نسبت ہے
یا الٰہی رہے تا حشر بدخشاں آباد

وصف مجنوں نہ کرے کیونکہ زبانِ ہر خار
کہ سدا جس کے قدم سے ہے بیاباں آباد

دیکھ اے دل کہ رخِ یار کی ہے خط سے نمود
لشکرِ مور سے ہے ملکِ سلیماں آباد

شہر تصویر کی تمثال ہے غافل یہ جہاں
جانکر خوش ہیں اسے طفل مزاجاں آباد

خوبرویوں کے تصور سے ہے یوں رونقِ چشم
جو شب و روز ہے پریوں سے پرستاں آباد

چشمِ یعقوب سے غائب ہو جو یوسف سا عزیز
کیا نظر آئے بھلا پھر اسے کنعاں آباد

اے ملک لاکھ ہو یہ فاسق و فاجر لیکن
ہے خراباتِ جہاں باعثِ انساں آباد

کشورِ دل ستمِ زلفِ بتاں سے معروف
نہ تو ویراں نظر آتا ہے نہ چنداں آباد

باغِ ہستی میں کھلا گل یہ نیا میرے بعد
غیر سے وہ میرے پھولوں میں ملا میرے بعد

عاشقی کی نہ ہوئی نشو و نما میرے بعد
بیج اس نخل کا مارا ہی گیا میرے بعد

میں تو قاتل کی ہوں اس رحم دلی پہ مرتا
مغفرت کی میری مانگی ہے دعا میرے بعد

یاد کر صبح چمن میں نفسِ سرد میرے
سر پہ خاک اپنے اڑاتی ہے صبا میرے بعد

کوئی مجھ سا نہیں اطرافِ جہاں میں یکسو
کچھ اگر ہے بھی تو ہے قبلہ نما میرے بعد

جمعِ زر کی ہے ہر اک فکر میں یہ سوچ نہیں
یوں ہی رہ جائے گا ایک وزر دھرا میرے بعد

یاس و غم درد و الم حسرت و حرماں افسوس
یہ کہاں جائیں گے میرے رفقا میرے بعد

اپنے مرنے کا تو کچھ غم نہیں پر سوچ یہ ہے
کون اٹھائے گا تیری اتنی جفا میرے بعد

آج تو نسخہ میرے واسطے بنواتے ہیں
پھینک دیں گے یوں ہی کل یار دوا میرے بعد

دیکھ کر دشت محبت میں مجھے بولا قیس
کوئی دیوانہ نہیں تیرے سوا میرے بعد

جو ہے سو فکرِ معیشت میں ہے غلطاں معروف
عاشقی کا کہیں چرچا نہ رہا میرے بعد

ردیف ذ

ہاتھ میں لکھنے کو جب میں نے اُٹھایا کاغذ
یاں تلک روئیں یہ آنکھیں کہ نہ پایا کاغذ

کر دیا آنکھوں کو رو رو کے ترے غم میں سفید
چشم بد دور عجب ہم نے بنایا کاغذ

کیا ہوا تو نے چھپایا جو ہمیں دیکھ کے کل
شب سرہانے سے تیرے ہم نے چرایا کاغذ

نامہ بر نے جو دیا خط کو میرے ہو کے خفا
دھجیاں کر کے وہیں اس نے اُڑایا کاغذ

بھید لے اس کا کہیں کس نے اُسے بھیجا تھا
تجھ سے معروف جو کل اُس نے چھپایا کاغذ

ردیف ر

دیکھ کر گلشن میں اُس کو توسن چالاک پر
لوٹتی ہے رشک سے بادِ بہاری خاک پر

یاں تلک ہے اُن کو خود بینی غرورِ حسن سے
بیٹھنے دیتے نہیں ہرگز وہ مکھی ناک پر

شاید آ جائے کہیں وہ اس طرف رشکِ چمن
تاک کے سایہ میں بیٹھا ہوں میں اُس کی تاک پر

گردشِ چشمِ بتاں کا ہے تصوّر روز و شب
نورِ پیمانہ اُتارا ہم نے دل کے چاک پر

آج کل ہو جائیں گے عقدے تری مشکل کے حل
رکھ نظر معروف ہر دم صاحبِ لولاک پر

سوزِ جگر کا حرف جو آیا زبان پر
بس پڑ گیا ہماری پھپھولا زبان پر

خنجر مجھے لگاتے ہی انکار کر گیا
قاتل نے کیا زبان کو بدلا زبان پر

تقریر رہ نوردیِ مجنوں ہے کیا کروں
لگتا ہے بات بات میں کانٹا زبان پر

کہتے ہو کچھ زباں سے نکلتا ہے اور کچھ
قابو نہیں نشہ میں تمہارا زبان پر

معروف اس طرح سے کہی تو نے یک قلم
تھی یہ غزل دھری ہوئی گویا زبان پر

عشق میں تیرے یہ ہم نے کھائے ہیں گل ہاتھ پر
آن بیٹھے جان کر گلدستہ بلبل ہاتھ پر

کیوں نہ اپنے ہاتھ کی لوں اب بلائیں دم بدم
نام اُس کا کُھد رہا ہی میرے بالکل ہاتھ پر

یادِ زلف اُس کی جو ہی مجھ کو تو غمخواری کی [illegible]
سب میرے غمخوار اب رکھتے ہیں سنبل ہاتھ پر

کھینچنا ہی تھا جو تم کو دوستی سے میرا ہاتھ
ہاتھ کیوں مارا تھا کہیے بے تأمل ہاتھ پر

دیکھ کر گلشن میں وضعِ غنچہ و گل ساقیا
گردنِ مینا جھکا رکھ ساغرِ مُل ہاتھ پر

ہم تو ترسیں اور چھیڑیں غیر زلفِ یار کو
جی میں ہی کھا جایئے اب رکھ کے سنبل ہاتھ پر

چونک اُٹھے وہ ناگہاں اُس کو سمجھ مارِ سیاہ
آ پڑے سوتے ہوئے جو اُن کے کاکل ہاتھ پر

میری چاک جیب کے گرد دیکھنے ہوں تم کو سیر
ہنستے ہنستے غیر کے رکھ دیکھئے گل ہاتھ پر

ان دنوں معروف نے سر کار پر کھائے تھے گل
جن دنوں حسبِ صبا لیئے پھرتے تھے بلبل ہاتھ پر

پڑی نگاہ جو فرقت کی رات وصلی پر
تمام رات لکھے مفردات وصلی پر

لکھوں فراق کی گر واردات وصلی پر
جدا جدا ہوں ٹپاں مفردات وصلی پر

لکھا تھا میں نے جو بختِ سیاہ کا احوال
گری سیاہی کی آخر دوات وصلی پر

ہوا جو رشک کہ ہو کاغذوں میں یا ہم وصل
تو کیا ہی صاف کیا ہم نے ہاتھ وصلی پر

ہمارے یار نے طفلی میں بھی سوائے ستم
کیا کبھی نہ رقم التفات وصلی پر

کہ لب تو بند ہیں اور بہرِ امتحانِ قلم
ق
لکھے ہی خامہ سے قند و نبات وصلی پر

یہ بات نکلے ہی انداز سے کہ اب معروف
لکھے گا اُس لبِ شیریں کی بات وصلی پر

مرے آنسو کو یوں دیکھے ہے وہ لیکر ہتیلی پر
کہ رکھ کر جیسے پرکھے جوہری گوہر ہتیلی پر

قدم رکھا ہی جب سے ہم نے دریائے محبت میں
حباب آسا لیئے پھرتے ہیں اپنا سر ہتیلی پر

ملا کیجے جو ناصح سبزہ رنگوں سے تو ڈر کیا ہی
اثر ہوتا نہیں ہی زہر رکھیئے گر ہتیلی پر

کیا یوں ہنستے ہنستے زعفرانی عشق نے چہرا
جماوے جیسے سرسوں کوئی بازی گر ہتیلی پر

تو ہم ہو مجھے اُس زلف افعی شب کے چھونے سے
کسی کو یاد ہو تو پھونک دو منتر ہتیلی پر

لیا ہی گر دلِ مضطر تو مٹھی بند کر اپنی
ٹھہرتا کب ہی یوں سیماب اے دلبر ہتیلی پر

ملیں موسیٰ کفِ افسوس تا وصفِ یدِ بیضا
رکھے گر ناز سے عاشق کے تو اخگر ہتیلی پر

نگہ یہ سیم بر کب گریہ و زاری پہ رکھتے ہیں
اُسی کے ہاتھ آتے ہیں جو رکھ دے زر ہتیلی پر

تپِ الفت سے ہی معروف تختِ دل ہیں ٹوٹن
جو چاہو دال اُڑا لو اس کو تم دھر کر ہتیلی پر

کیا ہوا سر سے میرے تو نے یہ پھوڑے پتھر
تیرے دیوانے کو مارے نہیں تھوڑے پتھر

ان بتوں کو جو رُلا یا ہی سنا کر غمِ عشق
دل طلسم اب یہ کیا تو نے نہ چھوڑے پتھر

اپنے وحشی کے یہ درپی ہی جو سو جاوے وہ طفل
ہاتھ سے تو بھی غرض اپنے نہ چھوڑے پتھر

ق
ہمدمو تم سے اگر ہو تو کرو اتنا کام
اُس کے شب کوچے میں ڈال آئیے تھوڑے پتھر

کھا کے ٹھوکر کے بہانے سے جو واں جاؤں بیٹھ
تو کریں لوگ یقیں دیکھ کے روڑے پتھر

رشک آتا ہی یہ معروف بقول جرأت
ہم اُٹھیں واں سے او راس در کو نہ چھوڑے پتھر

اس راہِ عشق میں ہے آگاہ ہر قدم پر
ہی دل یہاں زمین دوز اک چاہ ہر قدم پر

جس سرزمیں پہ تیرے نقشِ قدم ہوں ظاہر
آنکھوں کی واں بناؤں درگاہ ہر قدم پر

ہو مجھ سے ناتواں کو دو بھر قدم اُٹھانا
جائے عصا نہ ہووے گر آہ ہر قدم پر

وہ بُت ہو میرے ہمراہ کعبہ کے گر سفر میں
پڑھتا چلوں دوگانا واللہ ہر قدم پر

اے خار ہم سے ہوتی معلوم رہ نوردی
یہ بھی اگر خلش ہی ہر گاہ ہر قدم پر

اس بھولنے کا یارب خانہ خراب ہووے
پوچھوں ہوں اُس کے گھر کی جو راہ ہر قدم پر

چلتا تو اُس کا دیکھو ہی کس ادا سے چلنا
کیونکر نہ دل سے نکلے پھر واہ ہر قدم پر

صحرائے عشق بھی ہی جائے طلسم کوئی ہیں یاں نہاں بیابان اللہ ہر قدم پر
جو ہیں رہِ فنا میں سرگرم شمع آسا تارِ نفس ہی اُن کا کوتاہ ہر قدم پر

چھاتی لگے ہی پھٹنے معروف جب وہاں سے
اُٹھ کر بھرے ہی نالہ جانکاہ ہر قدم پر

جو تن سے اُڑا دیوے ہی سر آنکھ بچاکر ایسے سے کوئی جائے کدھر آنکھ بچاکر
عشق کھا کے گرے ایسے کہ بس مر کے بچے ہم دیکھا جو اُسے بھر کے نظر آنکھ بچاکر
وہ تیغ و سپر لیکے سنبھلنے بھی نہ پائے لی چھین وہیں تیغ و سپر آنکھ بچاکر
بیٹھے ہوئے محفل میں ہیں غماز نظر باز کس طرح اُسے دیکھے بشر آنکھ بچاکر
ہیں گنجفہ ماروں گا یہی غیر کے سر سے پھر فرد اُدھر پھینکی اگر آنکھ بچاکر
پارے کا دھواں ہی جو آنکھوں کو ہوس پھونکے ہی تو پھونک اس کو مگر آنکھ بچاکر
بیٹھا ہو کوئی پاس تو ای نامہ بر اُس کے خط دیجو قلمدان میں دھر آنکھ بچاکر
ہم پینے لگے خونِ جگر بزم میں اُس نے ساغر جو دیا غیر کو بھر آنکھ بچاکر
معلوم ہوا تیری پریشان نظر سے اُٹھ جانے کی ہی مدِ نظر آنکھ بچاکر
در تک ہمیں پہونچا دے کہ دربان کی تیرے آئے تھے ہم ای رشک قمر آنکھ بچاکر

حیران نظر آتا ہی وہ معروف اُٹھائے
آئینہ بآئینِ دگر آنکھ بچاکر

کہدو کرے وہ انجمن گلرخاں کی سیر کرتی ہو جیسے جی جسے باغِ جناں کی سیر
کرّوبیوں کو ہی یہ فقط آسماں کی سیر کرتے ہیں اس مکان سے ہم لامکاں کی سیر
فرصت جب ایکدم کی بھی ہوئے نہ جوں حباب کیا خاک پھر کرے کوئی بحرِ جہاں کی سیر
تکلیفِ سیرِ باغ دو اس بن نہ دوستو کیسا ہی باغ کس کا تماشا کہاں کی سیر
ایسی نہیں ہی سیر خدا کی خدائی میں ساری خدائی کرتی ہی کوئے بتاں کی سیر

سعدی بھی شیفتہ تھے کسی خطِ سبز پر
جانا یہ خوب میں نے جو کی بوستاں کی سیر

رو رو کے کوئی چشم سے دریا بہائے گا
کیجئے نہ ساتھ غیر کے آبِ رواں کی سیر

بھاگے ہیں تیر ملتے ہی جیسے کماں سے دور
دیکھا تو یوں ہے صحبتِ پیر و جواں کی سیر

گر یہ پہ میرے کیوں نہ وہ خندہ ہو دم بدم
بارش میں لطف رکھتی ہے برقِ جہاں کی سیر

کوئی ملی شبیہ نہ تیری شبیہ سے
کی سب مصورانِ جہاں کی دکاں کی سیر

معروف آپ روتے ہیں سیاح دیکھکر
سابق میں کر گئے تھے جو ہندوستاں کی سیر

کرتا کبھی تو بات وہ رکھتا دہن اگر
بولے کوئی کچھ اسی میں ہو جائے سخن اگر

کیا طعن چاک جیب پہ کرتا ہے ناصحا
دیوانہ پھر نہ کہیو نہ پھاڑوں کفن اگر

ہیں چشم نوخطاں کا ہوں کشتہ عجب نہیں
سبزہ چرے مزار کا میرے ہرن اگر

اُس زلف میں وہ تاب در گوش دیکھ لے
دیکھا کسی نے ہو وے نہ کالے کا من اگر

امواج بحر دامن ساحل میں جا چھپیں
تو آستیں کی اپنے دکھا دے شکن اگر

اُس زلف عنبریں کی ہی غالب ہے شمیم
سو کھولے کوئی نافۂ مشکِ ختن اگر

آنکھوں سے منقّی بھی لگا کر پیئے اُسے
دے جام مے وہ ساقی تو بہ شکن اگر

بیزار رو ئے گل سے ہو بلبل مری طرح
دو دن رہے وہ باغ میں رشکِ چمن اگر

سب چھوڑ جائینگے تجھے یہ رفتہ رفتہ دیکھ
اے خوش خرام ہیں یہی تیرے چلن اگر

ہو جائیں میرے فیضِ سخن سے بہت ولی
معروف بھیجدوں کبھی دیوان دکن اگر

ترک ہے نظارۂ گل روئے جاناں چھوڑ کر
کفر ہے سنبل کا چھونا زلفِ پیچاں چھوڑ کر

مرد ظاہر ہیں ہی تھا ناصح حقیقت بیں نہ تھا
ورنہ سیتا چاک دل چاکِ گریباں چھوڑ کر

صید کرتا ہی تو کر صیاد مرغانِ چمن
لیک لے تنا کر کہ خوش رنگ و خوش الحاں چھوڑ کر

زندگی سے سیر ہوں اتنا کہ گر دونوں ملیں
آبِ خنجر ہی پیوں میں آبِ حیواں چھوڑ کر

ہم چھٹے پر بھی نہ چھوٹے دام سے صیاد کے
کر گیا اتنا ہمیں مرہون احساں چھوڑ کر

سینۂ پُر داغ کی دولت لیے جائیں گے ساتھ
مثل قاروں کچھ نہیں جائینگے ہم یاں چھوڑ کر

اور تو مرنے کا اپنے کچھ نہیں غم ہی ہمیں
ہے یہ غم جانا پڑے گا کوئے جاناں چھوڑ کر

طعن مجھ پر مت کرو گر کچھ بھی اہلِ درد ہو
شعر میں نے پھر کہا گر ای عزیزاں چھوڑ کر

اس زمیں میں اور بھی معروف پڑھیے اک غزل
کیوں ابھی جاتے ہو بزمِ نکتہ سنجاں چھوڑ کر

یارو یہ جہان راہ گزر ہی تو ہے آخر
غافل نہ رہو جائے خطر ہی تو ہے آخر

آنسو نہ ملا خاک میں اے دیدۂ گریاں
بے آب نہ ہو جائے گہر ہی تو ہے آخر

مژگاں میں بھی اب دیکھوں ہوں لختِ جگر اپنے
کب تک نہ ثمر لائے شجر ہی تو ہے آخر

دل اس کو نہ دینا تھا بجا کہتے ہو ناصح
پر چوک بھی جاتا ہے بشر ہی تو ہے آخر

آوارگیاں دیکھ کے اس اشک کی اپنے
دل کیوں نہ کڑھے نورِ بصر ہی تو ہے آخر

گھبراؤ نہ یارو میری اس آہ و فغاں سے
انصاف کرو زخمِ جگر ہی تو ہے آخر

غفلت میں جوانی گئی پیری میں ہوا ہوش
کیونکر نہ کھلے آنکھ سحر ہی تو ہے آخر

ہر چند کہ یک دم میں پہنچتے ہیں عدم کو
سب جان چھپاتے ہیں سفر ہی تو ہے آخر

پھر جذبۂ عشق اس کو ادھر کھینچ کے لایا
ہو کیوں نہ طرفدار ادھر ہی تو ہے آخر

معروف اب اس فکر میں کیوں نیست ہو ہیچ
ٹک غور تو کر یاد کمر ہی تو ہے آخر

نام بیدل کے یہ جن پہ حرف اب مفتوں ہیں چار
زلف و ابرو کے وہ کیا ہیں مصرعِ موزوں ہیں چار

گردباد و قیس و مخدومِ جہانگرد اور ہم
کیا ازل کے روز سے آوارۂ ہاموں ہیں چار

لشکرِ طفلان و زخمِ سنگ در زنجیر و بہار
بہر عز و جاہ و شان و شوکتِ مجنوں ہیں چار

جام صہبا و نئے قلیان مسی و رنگ پان
یہ ہے کیفیت میرسے زیب لب میگوں ہیں چار

شوخی و ناز و ادا و آن سے ہوتا ہے کام
بے وفا یہ ہیں پئے قتل دل محزوں ہیں چار

میر و انشا و نصیر الدین و جرأت اور تم
جس طرح ہوں چار عنصر آج باہم یوں ہیں چار

کیوں نہ ای معروف ہو آباد اقلیم سخن
دوست باہم بادشاہ معنی و مضموں ہیں چار

جبکہ تونے اُس کماں سے تیر مارا کھینچکر
مرگیا ایک آہ دل سے وہ بچارا کھینچکر

عالم وحشت ہے اور عازم ہیں سوئے قبر قیس
مت الجھا ای خار تو دامن ہمارا کھینچکر

لے نکال اب تو ہوس دل کی کہیں قصہ چکے
کیا ڈراتا ہے مجھے خنجر دودھارا کھینچکر

کیوں نہ میں شیدا ہوں اب تم پر کہ نقاش ازل
آپ عاشق ہوگیا نقشہ تمہارا کھینچکر

کھینچکر آئے جو ذلت کوئے ہاں سے جاکے ہم
اس لیئے بیٹھے تھے آج اس سے کنارا کھینچکر

دیکھیئے اب کیا تماشا ہو کہ ہم کو اس طرف
لے چلی بے تابئ دل پھر دوبارا کھینچکر

اب غزل ایسی پڑھو معروف تا ہو سرنگوں
بزم میں ذلت ہر یک دشمن تمہارا کھینچکر

بزم میں سن رہ گیا خفت وہ پیارا کھینچکر
ہم جو اُٹھے آہ کل ایک آشکارا کھینچکر

دل نہیں مائل ہے ایک پردہ نشین پہ ان دنوں
اس لیئے بیٹھے ہیں ہم سب سے کنارا کھینچکر

دل وہ دیں عاشق تیرا دنیا سے یوں کھو کر چلا
جوں وطن کو جاے سوداگر خسارا کھینچکر

اس لیئے ضد سے نہ مارا مجھ کو اُس نے حشر میں
تا نہ فریادی ہو یہ دامن ہمارا کھینچکر

دل میں ہے ارمان میرے یہ میسر پر نہیں
اے مصور تو ہی یوں نقشہ یہ سارا کھینچکر

میں تو روٹھا جاؤں یعنی اور با عجز و نیاز
ہاتھ میرا لے چلے گھر میں وہ پیارا کھینچکر

سب لگے اُس بت کو سجدہ کرنے ای معروف واہ
کل جدھر ماتھے پہ وہ قشقہ سدھارا کھینچکر

داغ فرقت سے بغل میں دل یہاں ہی سرِ مہر
جب سے تم یاں سے گئے ہو یہ مکاں ہی سرِ مہر

ہی یہاں تک شہرت اُس آئینہ رو کی شہر میں
آئینہ سازوں کی اب ہر ایک دکاں ہی سرِ مہر

خال چشمِ مست نے کل اُس کے یہ دھوکا دیا
محتسب سمجھا کہ مے خانہ یہاں ہی سرِ مہر

ہجر میں اُس زلفِ افعی کی نہیں ہی دل پہ داغ
زہر کا ای صاحبو یہ مرتباں ہی سرِ مہر

یاس سے تڑپے نہ کیوں زیرِ نگیں مہر آہ
طائرِ قبلہ نما کا آشیاں ہی سرِ مہر

تو ہی لکھ لایا ہی قاصد اُس نے خط لکھا نہیں
کس طرح باور کروں میں خط کہاں ہی سرِ مہر

لختِ دل آنکھوں میں اپنے آنکر کیا جم رہے
یہ جواہر خانہ اب ای مرداں ہی سرِ مہر

ساقیا دے جامِ صہبا تا کھلے باتوں میں وہ
اب تلک اُس کا شرم سے درجِ دہاں ہی سرِ مہر

اس کا ای معروف اب مضموں چرا سکتا ہی کون
یہ غزل نزدیکِ فہمِ شاعراں ہی سرِ مہر

ردیف ز

بے آب نخل ہوئے ہی کب وہ سال سبز
تصویر کا رہے ہی مگر تا نہال سبز

صحرا پہ ہی جو سبزۂ نو رستہ کی بہار
ابرِ کرم نے اُس کو اڑھائی ہی شال سبز

اُٹھ سبزۂ لحد پہ نہ عاشق کے تو قدم
جائے ادب ہی رنگ نہ کر پائمال سبز

سرسبزی اپنی چاہیے جو سبزانِ ہند میں
چندے نہ اور چہرہ پہ تو خط نکال سبز

معروف کس کے خوں سے اُس نے رنگے ہیں ہاتھ
بدلے ہی اپنے رنگِ حنایوں جو لال سبز

ردیف س

لے چلو مجھ کو اُسی آئینہ رخسار کے پاس
خاک اُس زیست پہ عاشق نہ جب یار کے پاس

تیرے دیوانے کہ اس ہوش کا دیوانا ہوں
کہ پھٹکتا نہیں ہرگز کسی ہشیار کے پاس

نرگسِ چشم کا مست ہے کہ دلِ رنجور خیال
یعنی بیمار کو رکھتے نہیں بیمار کے پاس

سر میرا تن سے اگر دور کیا سر صدقے
رکھیو قاتل مجھے پر اپنی ہی دیوار کے پاس

ساقیِ مست کی آنکھوں نے کیا تم کو خراب
ہے یہی اس کی سزا بیٹھیے جو میخوار کے پاس

یوں خیال اُس کا سرفراز کرے ہے معروف
شہ قدم رنجہ کرے جوں کسی نادار کے پاس

غضب ہے جس کے باعث ہم ہوئے بدنام سو سو کوس
ہمارے نام سے بھاگے ہے وہ گلفام سو سو کوس

یہ روزِ ہجر بھی یارب مگر روزِ قیامت ہے
نظر آتی نہیں جو آج ہم کو شام سو سو کوس

غمِ دوری نے جاناں کی کیا ہے مضمحل اتنا
کہ مجھ کو ناتوانی سی ہے ہر یک گام سو سو کوس

الٰہی جذبۂ الفت میں بھی کیا زورِ بازو ہے
کہ تیر آہ اپنا اب کرے ہے کام سو سو کوس

رہے ہم جوں صبا آوارہ تیرے عشق میں لیکن
نہ پائی بوئے الفت تجھ میں اے گلفام سو سو کوس

عجب دستور دیکھا ہم نے یہ اقلیمِ الفت میں
نہیں لیتا وفا کا کوئی مطلق نام سو سو کوس

کہاں ایسے نصیب اپنے جو یار و یار پھر آوے
رکھو اب دور دل سے یہ خیالِ خام سو سو کوس

نہ تھا آرام جس کی عین نزدیکی میں بھی ظالم
رکھے ہے دور اُس سے چرخِ نیلی فام سو سو کوس

ہوئی ہے خلق یاں تک حسرتِ دیدار میں تیرے
کہ رو بیدہ ہوئے ہیں نرگس و بادام سو سو کوس

بچے کیا طایرِ دل ایسے صیادِ ستمگر سے
جو دانے صید کی خاطر بچھاوے دام سو سو کوس

عزیز و جب میں آپ میں سوچے کتنا تفاوت ہے
بھلا کیونکر نہ جاوے دل سے آرام سو سو کوس

رہا کرتی تھی یوں اُس سے یا تو پہروں کان میں باتیں
لگا اب آنے جانے نامہ و پیغام سو سو کوس

اسی معروف کو ہم سو چھپاویں کب یہ چھپتا ہے
کہ اپنا قصۂ عشق اب ہوا ہے عام سو سو کوس

جام دے ورنہ کر وقت پہ تکرار کہ بس
ساقیا ابر اُٹھا ہے یہ دھواں دھار کہ بس

کیا تعجب ہی کہ لب بند ہیں اب تک میرے
اُس کے چوسے تھے جو کل لعل شکربار کہ بس

آئینہ ہاتھ سے اک پل نہیں چھٹتا اُس کے
آپ اپنے پہ یہ شیدا وہ ہی دلدار کہ بس

مے کی تکلیف نہ دے ساقی بدمست مجھے
یک نگہ نے ہی کیا تیری یہ سرشار کہ بس

آدمی اُن کا میرے پاس جو آتا بھی کبھی
سامنے اُس کے میں پڑھتا تھا یہ اشعار کہ بس

کیا تماشا ہی جو کل رات وہ لائے تشریف
بیخودی نے یہ لیا آن کے یکبار کہ بس

رشک سے جس کو عدو سُن کے جلیں ای معروف
ایسے ہی گرم سُنا اور بھی اشعار کہ بس

مجھ سے کتنا ہی وہ کہتے رہے ہر بار کہ بس
میں نے کل بوسوں کا یہ باندھ دیا تار کہ بس

ذکر اُس ابروئے خمدار کا چلتے ہی ذرا
رات محفل میں چلی ایسی ہی تلوار کہ بس

جب سے دیکھا ہے لبِ بام تجھے ای مہ رو
ہم پہ اوپر کے بھرے ہی تیرا بیمار کہ بس

شکل آئینہ کھلی رہتی ہیں آنکھیں دن رات
اُس کی یاں تک ہی مجھے حسرتِ دیدار کہ بس

ہو نہ اغیار کو بھی ہم تو یہ کہتے ہیں دلا
اس طرح کا ہی بُرا عشق کا آزار کہ بس

کیوں نہ دل ایسے کو دوں میں کہ کل اُن سے جو کہا
درد ہوتا ہی میرے دل میں یہ ای یار کہ بس

سُنتے ہی ہو گئے ہم آغوش کہا ہنس کے مجھے
درد دل کی ہی دوا اور بھی درکار کہ بس

رشک سے کیوں نہ جلے مہرِ درخشاں معروف
ہی میرے یار کی یہ گرمیِ بازار کہ بس

ردیف ش

ہی دیدۂ تر میں میرے لختِ جگر آتش
پانی میں لگا نا ہی بہت سا ہنر آتش

ہی شمع شبستاں کی تو تاجِ سر آتش
کیا اور چڑھا چاہیے ہے اب بانس پر آتش

تو ساغرِ مے منہ سے لگا دے میرے ساقی
ڈر مت کہ جلے کو نہیں کرتی ضرر آتش

جلتا ہی تپ رشک سے جوں لعل درخشاں
گویا ہی لب سرخ ترا سیم بر آتش

ان سنگ دلوں میں نہیں بیجا یہ شرارت
کی غور تو پتھر ہی میں رہتی ہی گھر آتش

الفت کا یہ ہی سحر کہ بن اُس کی گلی کے
جس سمت کو دیکھوں ہوں پڑے ہی نظر آتش

معروف یہی عشق کی ہی رسم کتابت
نامہ پر پروانہ ہوا نامہ بر آتش

لگی ہی اپنے دل میں عشق کی اس ڈھنگ سے آتش
ہوئی گلزار ابراہیم پر جس رنگ سے آتش

شرارت کی تھی جب شعلے نے موسیٰ طور پر تجھ سے
نظر آتی ہی ہم کو وہ کئی فرسنگ سے آتش

زبانِ تیشۂ فولاد کہتی تھی یہی ہر دم
نکلتی ہی یہ عشق کوہکن کے سنگ سے آتش

عنانِ شعلۂ آواز نے مطرب سپرا تو
بھڑکتی ہی میرے دل میں ترے آہنگ سے آتش

جلا ہی یاں تلک معروف سوز عشق سے تیرے
چمن میں گر ڈوبا دیویں تو نکلے گنگ سے آتش

کرتا ہی نہ کچھ سوئے عدم تو ہی سفیر پیش
ای لغزش قدم سب کو یہی راہ ہی درپیش

رہتی ہی میرے آئینۂ دل کے مقابل
صورت تیری ہر وجہ بہ آئینِ فرنگ پیش

یکدستۂ حق میں ہی جوں دانۂ تسبیح
رکھتے ہیں نظر اپنی سدا اہلِ نظر پیش

شمشیر بکف صبح کو نکلا ہی وہ خونخوار
خورشید نہ کیوں منہ کو رکھے اپنے سپر پیش

ہوں قاعدۂ عشق سے مجرم بہ تصور
ہی صفحۂ رخسار ترا شام و سحر پیش

بینی ہی الف بے ہی لب او رخال نقطہ
تس پر ہیں یہ ابرو و مژہ زیر و زبر پیش

معروف تم اس بلہ پائی سے گئے ڈر
ہیں وادی الفت میں بہت خوف و خطر پیش

ردیف ص

آرام ایک دم نہیں دیتی ہی ہائے حرص
یارب یہ اپنی کیسی ہی درپی بلائے حرص

غافل نہیں ہی دم کا بھروسہ حبابؑ ار
جس پر رکھے ہی سر میں تو اپنے ہوائے حرص

کیوں بہر نیم نان نہ پھرے ربدر طلال
ہر شام جبکہ اُس کو جہاں میں پھرائے حرص

ای سرو قدِ یار کی اب تو نہ ریس کر
ایسا نہ ہو کہ دار پہ تجھکو چڑھائے حرص

معروفؔ سن کے مصرع سودا کیا جو غور
کی قطع روزگار نے ہم پر قبائے حرص

کہتے ہو غیر کو ہی یہ بھی جواں ایک ہی شخص
اور آگے مرے ہو تم بھی میاں ایک ہی شخص

جس کے دل کو ہی محبّت کسی ہر جائی سے
ہی وہ کمبخت بھی رُسوائے جہاں ایک ہی شخص

کر کے موزوں غمِ دل جس کو سُنایا ہم نے
رد کے بولا کہ یہ ہی مرثیہ خواں ایک ہی شخص

تو ہی رویا مجھے کہنے دے کچھ اُس سے ای چشم
ہی یہ معمول کہ کرتا ہی بیاں ایک ہی شخص

کیوں جنازے کے میرے ساتھ چلی آئی ہی خلق
میں وہاں جاتا ہوں جاتا ہی جہاں ایک ہی شخص

آئینہ خانۂ ہستی کی نہ جا شکلوں پر
ہی بہر شکل یہاں جلوہ کناں ایک ہی شخص

مر گیا غیر جو کوسے سے ہمارے تو کہا
اس سے ڈریئے کہ یہ ہی سیف زباں ایک ہی شخص

شب کہا میں نے جو کہیے تو یہیں رہ جاؤں
تو کہا ہنس کے کہ رہتا ہی یہاں ایک ہی شخص

امتحاں کے لیئے سر مانگ کے وہ پچھتا یا
میں بھی ہوں امر بجا لانے میں ہاں ایک ہی شخص

عشق کرنے میں نہ کیوں نام ہوا اپنا معروف
کہ وہ ہی ہند سے لے تا صفہاں ایک ہی شخص

ردیف ض

ای ہصفیر کیا مجھے بستان سے غرض
ہی اس قدم کو خار مغیلان سے غرض

واللہ زور آبلہ پائی میں لطف ہی
مجنوں کو تیرے ہی جو بیابان سے غرض

پانی بھرے نہ کیونکہ میرے سامنے سحاب
دایم ہی مجھ کو دیدۂ گریان سے غرض

تکلیف سیر باغ نہ دو دوستو مجھے
مطلب سبب حصول گلستان سے غرض

اللہ ہم کو حضرت دہلی میں خوش رکھے
مطلب نہ روم سے ہی نہ ایران سے غرض

معروف جذب عشق سے دیوانہ ہو گیا
اب اس کو کچھ نہیں سر و سامان سے غرض

ردیف ط

میں نے پوچھا کہ کہاں سے یہ تمھیں آیا خط
ہنس کے کہنے لگے ہم نے یہ پڑا پایا خط

شرم کرنے سے بھلا فایدہ مجھسے اب تو
چشم بد دور تمھارے بھی نکل آیا خط

دختر رز سے مگر تاک لگی ہی کہیئے
شیخ جی آپ نے کیوں آج کتروایا خط

رو دیا دیکھ کے مضمون پریشانی سے
جس کسی سے بھی میرے یار نے پڑھوایا خط

جرم و تقصیر گنہ واسطہ پھر کیا باعث
آج معروف کا تو پڑھ کے جو جھنجلایا خط

ردیف ظ

بھوں کے ملنے سے کر آئینہ میں ہی یار لحاظ
اپنے بیگانے کا کرتی نہیں تلوار لحاظ

اُس کی آنکھوں سے نہ کر دعوئے ہم چشمی دیکھ
تجھ کو اتنا نہیں ہی آہوئے تاتار لحاظ

منزلِ عشق میں یوں دل کو ہی بن آہ کے شوخ
بے عصا کور کرے جوں دمِ رفتار لحاظ

سُرخرو تو چمنِ دہر میں کیونکر نہ رہے
تیری آنکھوں میں ہی اے نرگسِ بیمار لحاظ

منہ پہ لے آتا ہی ہر ایک کے یہ عیب کو صاف
نہیں آئینۂ غمّاز کو زنہار لحاظ

جھوٹ سولی پہ بھی منصور نہ بولا ہرگز
مردِ حق گو کو رہا عاقبتِ کار لحاظ

ہی بُرا سنگدلوں سے یہ لگانا دل کا
صحبتِ سنگ سے شیشہ کو ہی درکار لحاظ

کیوں نہ ہوں وادیِ مجنوں میں قدمبوس آکر
میں وہ وحشی ہوں کہ کرتے ہیں مِیرا خار لحاظ

مو برابر نہیں کچھ زلف و رُخِ یار میں فرق
کیونکہ آپس میں کرے کافر و دیندار لحاظ

کر نہ معروف اب اُس دستِ حنائی کا لحاظ
کہ لگ اُٹھنے میں نہیں آگ کو زنہار لحاظ

ردیف ع

شور سے مطلب رکھے ہی گل ہی نے کچھ غل سے شمع
خامشی میں شمع سے گل خوب ہی اور گل سے شمع

کام پروانہ سے گل رکھے ہی نے بلبل سے شمع
دوستی میں شمع سے گل خوب ہی اور گل سے شمع

دل سے یادِ زلف میں نکلی جو آہِ آتشیں
یہ طلسم اب دیکھیئے روشن ہوئی سنبل سے شمع

کیا ہنسے ہی دم بدم تو چشم پر ساغر کو دیکھ
شب یہ سر دُھن کر کہے تھی خندۂ قلقل سے شمع
تفتہ دل رکھتے ہیں دایم سوختہ جانوں سے عشق
کام پروانے سوار کھتے نہیں بلبل سے شمع
شمع پروانے پہ روے گل ہنسے بلبل پہ آہ
حق میں دلسوزی کی بہتر اس سبب ہی گل سے شمع
ایک تو ڈر چور کا اور دوسرے گلگیر کا
آگ میں پھر ایسا تاج زر نہ کیونکر جلسے شمع

سب حجاب اُس سے ہوا چاہے تو ای معروف شب
گل کے لینے کے بہانے کردی گل اُس جل سے شمع

ردیف غ

قاتل جو کوئی لائے گا اب تیری تاب تیغ
یہ تشنگی اسی لے بجھے گی بہ آب تیغ
تشبیہ ماہ نو سے غلط دیتے ہیں انھیں
ابرو تیرے بنائے ہیں حق نے جواب تیغ
تلوار کا خیال جو رہتا ہی جاگتے
سوتے بھی ہیں تو دیکھتے ہیں مرد خواب تیغ

سونے کو ساتھ سوتے ہیں معروف پر ہنوز
ایک دو میان ہی اُن کے ہمارے حجاب تیغ

ردیف ف

کیا کیجے بے قراری دل کا بیان صاف
جو موج آب کانپے ہی منہ میں زبان صاف
قطع سخن وہ کیوں نہ کرے بدگمان ہی
قینچی کی طرح جس کی چلے ہی زبان صاف

یکیا را اپنے بندِ قبا وا کرے جو تو / آئینہ ساز بند کریں پھر دکان صاف

اہلِ صفا کا عرش سے رتبہ بلند ہی / آتا ہی زیرِ آب نظر آسمان صاف

کیا اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہیں ہی ہم / مجھ پر کرے ہی ہاتھ جو تو باغبان صاف

دکھلا نہ کاوشِ سرِ مژگاں کہ قہر ہی / ارض و سما ہوں زیر و زبر ہو جہان صاف

روتا ہوں غم میں یاں کسی آئینہ رو کے اب / ہوں کیوں نہ سیلِ اشک سے میرے مکان صاف

مت ہنس کہ سیرِ گلشنِ ہستی دو روزہ ہی / بادِ نسیم کھول دے ہاں گل کے کان صاف

رو رو کے شمع شام سے تا صبح بزم میں / کیا پوچھتے ہو کرتی تھی یہ ہی بیان صاف

ای روشنیِ طبع تو بر من بلا شدی / ہی تیرے ہاتھ سے میرے جی کا زیان صاف

معروف دیکھے ہیں تیرے اشعار آبدار / معنی بلند لفظ قیامت زبان صاف

سیکڑوں داد خواہ ایک طرف / اور وہ غفلت پناہ ایک طرف

لاکھ مہرِ الٰہ ایک طرف / ایک اس دل کی چاہ ایک طرف

وصف تیرا سنیں تو سب پھر دین / قصۂ مہر و ماہ ایک طرف

کعبہ میں می پیا کیئے ہیں یار / مسجد و خانقاہ ایک طرف

بس ہی انکارِ قتل قاتل کو / گرچہ ہوں سو گواہ ایک طرف

بات کا اپنی واں نباہ نہیں / دوستی کا نباہ ایک طرف

جب قریب آ ئی منزلِ مقصود / رہ گئی ہم سے راہ ایک طرف

شب تھے سب اہلِ بزم چشمک زن / تھی جو اپنی نگاہ ایک طرف

قتل کرتا ہی دیکھنا اُس کا / کر کے ٹیڑھی کلاہ ایک طرف

اب تو وہ ہم کو دیکھنے بھی نہیں / بات کرنی تو آہ ایک طرف

بوسہ اُس رخ کا زلف کیسے دے / دور ہو روسیاہ ایک طرف

سامنے قدر فقر کی معروف
حشمت و عز و جاہ ایک طرف

ردیف ق

جو رکھتے تھے ہم کر چکے زر تصدّق
رہا جی سو ہے یہ بھی تم پر تصدّق

اس انداز سے تجھ کو دیکھے جو آ کر
تو زاہد بھی ہو تجھ پہ کافر تصدّق

سفر سے جو آئے وہ کل بعد مدت
کیئے ہم نے رو رو کے گوہر تصدّق

پلایا نشہ تو نے کیا خانہ آباد
کہ ہوتا ہے ساقی میرے گھر تصدّق

میرا دل تیری زلف میں گر ہوا گم
نہ کر شانہ پیارے تیرے سر تصدّق

دُر اشک کس دن کو رکھے ہیں تو نے
کروں تجھ کو ای دیدۂ تر تصدّق

کہ آیا ہے مہمان غم یار اور تو
نہیں کرتے رو رو کے گوہر تصدّق

وہ قربان جاوے جو معروف میرے
تو میں کیونکہ جاؤں نہ اُس پر تصدّق

بے طرح یارب ہوا ہے ان دنوں سودائے عشق
یا تو میں در آؤں اُس میں مجھ میں یا در آئے عشق

دم بدم آہ و فغاں ہے لب پہ اپنے ان دنوں
دیکھیئے اب آگے آگے ہم کو کیا دکھلائے عشق

سرزمینِ دل میں بوئیں کیوں نہ دانا اشک کا
آبِ چشمِ عاشقاں سے سبز ہے صحرائے عشق

چل سرک آگے سے میرے ناصحا بک بک نکر
میں تو اب وہ ہی کروں گا جو مجھے فرمائے عشق

اور تو کیا کہئیے تیرے حق میں ای خانہ خراب
جیسی تو نے ہم سے کی ہو اپنے آگے پائے عشق

تا دمِ آخر یہی معروف نکلے کی صدا
عاشقوں کے دل سے ہر دم وائے الفت ہائے عشق

ٹک آئینہ میں تو دیکھ اب بہار شام و شفق
مسی وہاں نے کیا تیری کار شام و شفق

تیرے شہید کی گر خاک دشت سوختہ میں
ہوا اُڑائے تو ہو اشتہار شام و شفق

نہیں ہی یار رُخ آتشیں پہ تیرے زلف
ہوا ہی آج اسی رُخ گذار شام و شفق

نشہ میں چشم سیہ سرخ دیکھ کر اُس کے
اُٹھانہ دل سے فقط کچھ وقار شام و شفق

بقول مصرعۂ اُستاد کیا کہوں معروف
نظر سے گر گئی اپنے بہار شام و شفق

ردیف ک

سمجھا چکا ہوں تجھ کو میں سو بار طفل اشک
اتنا نہ ہو گلے کا میرے ہار طفل اشک

کس منہ سے چاہتا ہی تو عالم میں آبرو
آوارگی کے تیرے ہیں اطوار طفل اشک

یہ اختلاط کچھ نہیں اتنا نہ چل نکل
جاتا کبھی نہ تا سر بازار طفل اشک

آنکھوں میں گھر کیا میری آنکھوں کے دیکھتے
اتنی ہی سی بساط پہ عیار طفل اشک

معروف بات کب رہی لڑکوں کے سامنے
کیونکر نہ راز دل کرے اظہار طفل اشک

کاشکے سینہ میں جل کر ہو دل بیتاب خاک
یعنی پھر اکسیر ہی ہو جائے گر سیماب خاک

بے سبب لالہ نہیں گلشن میں خوں آلود کچھ
یاں شہیدوں کی ہی تیرے اے گل شاداب خاک

موج دریا ہی اُنھوں کے گھر میں نقش بوریا
جو کہ بیٹھے ہیں سمجھ کر مسندِ سنجاب خاک

یوں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ ایک ہیں
جس طرح ہوں چار عنصر باد و آتش آب و خاک
حیف ہے دستِ یلِ گردوں نے کیا کیا کر دیئے
بہمن و اسفندیار و رستم و سہراب خاک

ناقۂ لیلیٰ نہ کیوں معروف آئے پیشوا
جب کرے ہو کر بگولا قیس کا آداب خاک

گرچہ واحد میں ہیں دو ہی پر ہے دونوں کی ایک
دیکھنے میں دو ہیں آنکھیں ہے نظر دونوں کی ایک
میری اور اس کی جدائی میں بھی ہے اک مصلحت
اب تو دو ہیں بات ہے پر ہم اگر دونوں کی ایک
قصۂ فرہاد سے ملتی سی ہے یہ سرگذشت
فی الحقیقت ہے حقیقت سر بسر دونوں کی ایک
دو نہیں معشوق و عاشق شمع پروانہ کو دیکھ
آتش الفت نے کی حالت سحر دونوں کی ایک
قتل کرنے کی ہوس تجھکو مجھے مرنے سے عشق
پھر توقف کیا ہے خواہش ہے اگر دونوں کی ایک
یاں زمیں پر فرق کر لے تو گدا و شاہ کا
پر ہے منزل زیر خاک اے ہمسفر دونوں کی ایک
گرچہ سمجھاتے ہیں مجھکو روز ناصح اور ندیم
بات پر مجھکو نہیں کرتی اثر دونوں کی ایک

رخ پہ معروف اس کے زلفوں نے دکھائیں خلق کو
ایسی دو راتیں کہ تھی باہم سحر دونوں کی ایک

کیوں نہ ہم پیری میں ہوں دن رات محوِ روئے خاک
ہے قدِ خم گشتہ انگشت اشارت سوئے خاک
تار رکھا ہے زمیں کو دیکھ کر حیراں ہوں میں
کس کے ماتم میں ہیں یارب یہ پریشاں موئے خاک
بن مٹے اُٹھتے ہیں کب افتادگانِ راہِ عشق
بیٹھے ہیں جوں نقش پا ہم داب کر زانوئے خاک
خاک یہ کس چشم وحشی وش کی ہے جو طفل اشک
خاک پر یوں لوٹتا ہے دیکھ کر آہوئے خاک

اس قدر بہتر نہیں ای آدمِ خاکی غرور
خاک کا پُتلا ہی تو لازم ہی تجھ کو خوئے خاک

چین سے آسودگانِ خاک سوتے ہیں پڑے
گوشۂ آرام بعد از مرگ ہی پہلوئے خاک

مہرِ عالم تاب نے ذرّوں سے انساں ہی چُنے
مت سمجھ موجِ سراب ای دل یہ ہی آبروئے خاک

اہلِ غفلت خاکساروں سے اُٹھا دیں کیوں نہ فیض
ہوش میں لاتی ہی ہر بے ہوش کو خوشبوئے خاک

خاک کا پُتلا پھرے ہی یہ جو شکلِ گردباد
جان ای غافل ہوا ہی قوتِ بازوئے خاک

مت مکدّر ہو کے تو خاک اپنے دامن سے جھٹک
آخر ای **معروف** ہوگا تو بھی ہم پہلوئے خاک

ردیف گ

یوں سوزِ دل سے جا کے لگی اب جگر کو آگ
جس ایک گھر کے جیسے لگے اور گھر کو آگ

یارب دکھا وہ دستِ حنائی ہی کونسا
دی ہی لگا چنار کی جسنے شجر کو آگ

کرتا ہوں میں جو آہ تو ہمسایہ رات کو
کہتے ہیں دیکھنا یہ لگی ہی کدھر کو آگ

سرگرمِ جور وہ تو نہ تھا پر بنا دیا
غصّہ دلا کے اُس بتِ بیدادگر کو آگ

مژگانِ تر کو لختِ جگر سے خطر نہیں
دیکھی نہیں تھی لگتے ہوئے چوبِ تر کو آگ

ہو کیوں نہ یادِ لب دلِ افسردہ کو میرے
بھاتی ہی یعنی ٹھنڈ میں ہر ایک بشر کو آگ

صحبت کا یہ اثر ہی کہ **معروف** اپنے رنگ
کردی ہی دیکھ تو نہ زرگر میں زر کو آگ

ردیف ل

ہر کسی کو دیکھ کر کرتا ہی تو جو آہ دل
کیا جتا دے گا کہیں لوگوں کو اپنی چاہ دل

ہم تو اب یہ جانتے ہیں ہیں ترے اچھے نصیب
دل گیا معشوق تجھکو تیرے خاطر خواہ دل

گریہ و زاری نے کہا اور نالہ و افغاں سنا
آخرش لایا تو اس کو ان دونوں سے واہ دل

کیا کہوں ای بندہ پرور رات سے بے اختیار
چاہتا تھا دیکھنے کو آپ کے واللہ دل

اُس سے سب نے یک ہی چنداں نہیں ہی دو رکچھ
پھیر دے گر اُس صنم کا اس طرف اللہ دل

میں جسے چاہوں تو پھر کیونکر نہ چاہے وہ مجھے
ہی مثل معروف ہاں رکھتا ہی دل سے راہ دل

قول دے تلوار باندھے تو اگر پہلی پہل
قتل کیجو ہم کو ہی ای عشوہ گر پہلی پہل

دل اسیر زلف ہو کر کیوں نہ ہووے مضطرب
مرغ پھنس کر دام میں مارے ہی پر پہلی پہل

دل بھی دونوں کا چاہے ہی کہ دیکھا کیجیے
آنکھ لڑ جاتی ہی جب باہم گر پہلی پہل

چادر گل تو کہاں دو پھول بھی لائے نہ تم
آئے خالی ہاتھ میری قبر پر پہلی پہل

کڑھ نہ ای دل بیٹھنے سے اُن کے گھر میں غیر کے
یاں بھی ہنستے تھے پڑے آٹھوں پہر پہلی پہل

یوں ہی غنچہ سر نگوں گلشن میں ہیں جیسے شرم سے
نو عروسوں کا جھکا رہتا ہی سر پہلی پہل

اس لیئے لخت جگر لایا ہوں تیری نذر کو
نونہال عشق لایا تھا ثمر پہلی پہل

مر گئے پر ایک کے مرقد پہ بیٹھے دوسرا
مجھ میں اُن میں عہد تھا باہم گر پہلی پہل

ہم جو پہلے مر گئے لو بیٹھنا تو بیٹھنا
آئے ہیں بن ٹھن کے مری قبر پر پہلی پہل

خوب اس کو صاف کر معروف یاروں کے لیئے
یہ زمیں تو نے نکالی ہی اگر پہلی پہل

جاں نہیں تو دل ہی کچھ تو نذر کر پہلی پہل
دیکھ تو معروف کون آیا ہی گھر پہلی پہل

پہلے سر پر خط رکھوں یا کہ تیرے پاؤں پہ سر
اُس کا خط لایا ہے تو اے نامہ بر پہلی پہل

آہ یہ دار الفنا ہووے نہ گر ماتم سرا
طفل کیوں رووے جہاں میں آن کر پہلی پہل

کوئی دن کو حسن روز افزوں کو اُس کے دیکھنا
ماہ نو ہوتا نہیں یارو قمر پہلی پہل

کیوں نہ آنسو گر پڑے چلنے میں آنکھوں سے کہ ہے
طفل نو رفتار گرتا پیشتر پہلی پہل

ایک دم ہوتی نہیں پھر دل لگی پے ہمدگر
دل لگی ہوتی ہے جب باہمدگر پہلی پہل

کیوں نہ کانپے دیدۂ تر میں تصور یار کا
بیٹھنے سے ناؤ میں لگتا ہے ڈر پہلی پہل

تھا دل عشاق کی تقدیر میں بھی زخم عشق
گھر بناتے ہیں تو رکھ لیتے ہیں در پہلی پہل

غیر سے کہدو یہ کوئی پیار پر ان کے نہ بھول
سب سے ملتے ہیں یوہیں یہ سیم بر پہلی پہل

ہیں اُنھیں دیکھے سے جیتا تھا مجھے دیکھے سے وہ
عشق مجھ میں اُن میں بھی تھا اس قدر پہلی پہل

اُس رخ روشن سے جو دل زلف مشکیں میں گیا
صاف اندھا بن گیا تھا سر بسر پہلی پہل

واقعی جو روشنی سے اُٹھ کے تاریکی میں جائے
کچھ نہیں آتا وہاں اُس کو نظر پہلی پہل

دیکھ کر رکھو قدم معروف راہِ عشق میں
خامہ ساں اس راہ میں کٹتا ہے سر پہلی پہل

ردیف م

سگِ لیلیٰ کے نقشِ پا ہیں ہم
یعنی مجنوں کے رہنما ہیں ہم

جب سے ہم پر خفا ہو تم اے جان
جان سے اپنی بس خفا ہیں ہم

ہے اس ایما میں مدعا اپنا
گنگ کے دل کے مدعا ہیں ہم

کیوں نہ ہو دشمنوں کے گھر ماتم
دوست کے کشتۂ جفا ہیں ہم

تم کو دل کی بھی ہے کسی کے خبر
دل میں خوش ہو کہ دلربا ہیں ہم

حیرت افزا ترا تصور ہے
شکل آئینہ چشم وا ہیں ہم

گو پر کاہ ضعف سے ہیں ہم — کھینچ لانے کو کہربا ہیں ہم

ہم سے ای زلف سرکشی مت کر — دیکھ کافر بری بلا ہیں ہم

جس قدر ہم کو سمجھیے بے قدر — قدر ہیں اُس سے بھی سوا ہیں ہم

لے چلو سوئے شہر خاموشاں — کشتۂ چشم سرمہ سا ہیں ہم

کیوں نہ مٹی خراب ہو اپنی — اس خرابات کی بنا ہیں ہم

کس سے رکھیے غبار ای معروف
ایک عالم کی خاکپا ہیں ہم

یوں سب کے تو دوستدار ہیں ہم — لیکن یاروں کے یار ہیں ہم

ہر چند دوا ہیں سب کے حق میں — پر سب ہی پہ ناگوار ہیں ہم

گزرا جو کچھ نظر سے گزرا — کشتی میں مگر سوار ہیں ہم

حق کی ہستی میں ہو گئے نیست — کیونکہ ناپائیدار ہیں ہم

کس وقت نہ اُس کی راہ دیکھی — اب وقت کے انتظار ہیں ہم

بولیں تو گناہ گار ٹھہریں — ہونے کو گناہ گار ہیں ہم

یہ ہجر ہی یا وصال یارب — وہ پار ہو اور وار ہیں ہم

پیوستہ رہیں نہ کیوں شکستہ — بد عہد تیرے قرار ہیں ہم

کہتے جو ہو بار بار اُٹھ جا — ایسے کیا تم پہ بار ہیں ہم

سوزن کی طرح یہ تنگ چشمی — اب اپنی نظر میں خار ہیں ہم

جوں برق و شرار و شعلہ معروف
جو کچھ بھی ہیں بے قرار ہیں ہم

اُس زلف پہ محو ہو گئے ہم — یعنی سر شام سو گئے ہم

ذکر اُس کی مژہ کا بزم میں چھیڑ — سب کو نشتر چبھو گئے ہم

کہتے تھے ہمیشہ جاؤ جاؤ
آخر ایک روز تو گئے ہم

ای مہر لقا مثالِ سایہ
تجھ میں اپنے کو کھو گئے ہم

ڈوبے تیری یہ کشتیِ می
ساقی تقوے لے ڈبو گئے ہم

ہی آمد و رفت موج دریا
جاتے نہیں یاں سے گو گئے ہم

کیا شعر ہیں آبدار معروف
گویا موتی پرو گئے ہم

ہوویں نہ کیونکہ صاحب اموال تنگ چشم
افراط رزق پر ہی یہ غربال تنگ چشم

پرواز اب چمن سے کرے کیوں نہ عندلیب
صیاد چار چشم ہی اور جال تنگ چشم

یکدست فرش خاک پہ مانند نقش پا
کیا گردش فلک سے ہی پامال تنگ چشم

تنہا نہ چشم پوش ہی شہباز ہی کہ ہیں
طاؤس کے بھی داغ پر بال تنگ چشم

ایاب تل نہیں ہی چشم حیا اس میں مہ جبیں
اختر سے بھی سوا ہی ترا حال تنگ چشم

معروف کس روش کہی زر دار عندلیب
غنچہ تو گوش گر ہی زبان لال تنگ چشم

زخموں سے مجھے کر نہ اب ای جان ہمہ تن چشم
داغوں سے ہوں آگے بھی نمایاں ہمہ تن چشم

کیا چاہیئے ہی کس کی طرف دل نگرانی
حلقوں سے ہی وہ زلف پریشاں ہمہ تن چشم

ای قیس نگہ نقشِ پیِ ڈُ تاقۂ لیلی
ہی راہ میں تیرے یہ بیاباں ہمہ تن چشم

جاتا ہوں میں آنکھوں سے سر تربتِ مجنوں
ہی آبلۂ پا دمِ جولاں ہمہ تن چشم

سوزِ غم دلدار نے مجھے پھونک ہی دیتا
تر رکھتے اگر ہو کے نہ گریاں ہمہ تن چشم

مجھ کو ہی نہ کچھ حیرت دیدار ہی معروف
ہی تختۂ نرگس سے گلستاں ہمہ تن چشم

ہوا ہی آہ یوں اس آہ بے تاثیر کا عالم
کہ بن پیکاں کے ہووے جبڑح سے تیر کا عالم

تمنا جس کو یہ ہووے مس قلب اپنا زر کیجیے
تو صحبت خاکساروں کی ہی یہ اکسیر کا عالم

ہوا ہی سرد دل ایسا بتوں کی سرد مہری سے
بجا ہی آ بسے اس میں اگر کشمیر کا عالم

نکلتی ہی یہ بات اس شوخ کے خاموش رہنے سے
کہ یعنی ہوں غرض میں بھی کوئی تصویر کا عالم

خبر اس شاخ گل کی لا صبا تو پاس آنے کی
برنگ غنچہ ہی یعنی دل دلگیر کا عالم

جو شیریں بھی سنے باتیں تو وہ بھی ہونٹھ ہی چاٹے
نہ پوچھو اس لب شیریں کی کچھ تقریر کا عالم

گلو پر خط زر جیسے ہو مینائے بلوریں کے
گلے میں یوں ترے سونے کی ہی زنجیر کا عالم

بھلا لڑنے تو ہو ناک جنبش ابرو بھی ہو جائے
کہ بھاتا جنگ میں ہی ترنش شمشیر کا عالم

کہوں کیا کچھ نہ پوچھو اس بت بے پیر کو معروف
کہ بوٹا سا ہی قد اور شکل ہی تصویر کا عالم

مثل نی کچھ بھی جو باتوں میں اثر رکھتے ہم
روز و شب آپ کو مصروف ادھر رکھتے ہم

اس کے جانے کی اگر کچھ بھی خبر رکھتے ہم
ایسے دیوانے نہ تھے گھر میں جو ڈر رکھتے ہم

دیکھ کر اس کو جو دیکھا تو بغل تھی خالی
خبر اپنی نہ رہی دل کی خبر رکھتے ہم

یہ اگر جانتے ہی درد جدائی ایسا
تن سے سر اپنا جدا پہلے ہی کر رکھتے ہم

جانتے گر شب فرقت کا یہ دامن ہی دراز
اپنے ہاتھ آہ گریبان سحر رکھتے ہم

شوق دیدار یہاں تک ہی تمہارا مجھ کو
دیکھتے آپ اگر آج کو پر رکھتے ہم

کیا ڈراتے ہو ہمیں کھینچ کے ہر دم تلوار
چاہتے کیوں تمہیں گر جان کا ڈر رکھتے ہم

پنبۂ عشق سے پر ہیں یہ نہیں تو ناصح
کان میں بات تری جائے گہر رکھتے ہم

نہ ہوئی اپنے نصیبوں میں یہ دولت معروف
کہ کبھی اس در دولت پہ بھی سر رکھتے ہم

گل ان کی ضعف سے جو میں نہ دے سکا تعظیم
تو دل سے آہ نے اٹھ کر کہا کہ یا تعظیم

جھکے نہ ہم سے دلا کیونکہ چرخ شعبدہ باز
کہ یعنی دی ہی فریبندہ ظاہر التعظیم

اُٹھے نہ وقت سحر کس طرح سے پردۂ شب
جوان کو پیر کی البتہ ہی روا تعظیم

سیاہ کار تو ہوں لیک سرمہ ساں مجھکو
جگہ سب آنکھوں میں دیتے ہیں دیکھتا تعظیم

لگی ہی بات یہی شاخ باردار کی تلخ
کہ نیم خیر ہی کرتی ہی یہ سدا تعظیم

دماغ خاک نشینوں کا ہی سر افلاک
عجب نہیں جو ندے اُٹھ کہ نقش پا تعظیم

نہ جی سے کیوں اُٹھے آرام غم کی آئی ہی
کہ یعنی کرتی ہی مہمان کی بجا تعظیم

ہوا ہی کون نمودار اس وتس کا شخص
چمن میں سرو جو مینے کو اب اُٹھا تعظیم

اُٹھے جہان سے ہم آتے ہی آج اے معروف
غرض کہ ختم ہی بس اس سے اب تعظیم

یار کر آئے ہیں اپنا ایک ستم ایجاد ہم
ڈال آئے ہیں خرابی کی سی ایک بنیاد ہم

جیسے اور آزاد ہیں دل سے نہیں آزاد ہم
سرو کے مانند ہیں آزاد مادر زاد ہم

یاں تلک اس بحر ہستی میں ہیں بے بنیاد ہم
بلبلے کو جانتے ہیں قلعۂ فولاد ہم

ایک جہاں ویراں کیا اُس قاتل سفاک نے
شہر خاموشاں فقط پاتے ہیں ایک آباد ہم

بل بے سودا نبض پھر لیکے ہی کس سرعت کے ساتھ
دیکھ پاتے ہیں کبھی جوں نشتر فصاد ہم

چاہیئے اہل نظر اس جا کہ جوں دست غریق
بحر غم میں ہیں سراپا صورت فریاد ہم

کھول پٹی اب تو ظالم آنکھ پر پٹی نہ باندھ
مرتے دم تو دیکھ لیتے تجھکو اے جلاد ہم

عاشقوں میں ہی قیامت کوئی ہم بھی ظلم دوست
ڈھونڈھ کر معشوق کرتے ہیں ستم ایجاد ہم

گر اسیر دام الفت ہو گئے اچھا ہوا
قید نام و ننگ سے لو ہو گئے آزاد ہم

جس قدر کی ان بتوں کی یاد ہو جاتے ولی
اس قدر کرتے اگر اپنے خدا کی یاد ہم

فصد جو کھلوائی تم نے یہ دلیل عشق ہی
اس لیئے آئے ہیں دینے کو مبارکباد ہم

جب تصور یار کا پیش نظر ہووے سدا
کیا غرض ہم کو جو کھینچیں منت بہزاد ہم

ہی ابھی گر تند و تیز اپنی ہوا آہوں کی ہو
شہر کر دیوینگی غارت مثل قوم عاد ہم

خوب اگر واقف نہ ہوتے یادِ چشم یار سے
شعر نورالعین واقف پر نہ کرتے صاد ہم

دولت انفاس لائے تھے عدم سے بے شمار
کچھ نہ جانی قدر یوہیں کر چلے برباد ہم

یاں سے اے معروف ناسخ اور سودا چلدیئے
کون ہے جس سے کہ چاہیں اس غزل کی داد ہم

صبح کو جا بیٹھو آ تجھ کو میرے سر کی قسم
مان جا آج نہ جا تجھ کو مرے سر کی قسم

دم خفا ہونے سے ہے اے جان تیرے کٹنے سے
سچ بتا کیوں ہے خفا تجھ کو مرے سر کی قسم

یار کا خط ہے میرے نام بھی کوئی قاصد
پہلے تو یہ تو سُنا تجھ کو میرے سر کی قسم

کس کے ہاتوں سے بتارات کو لگوائے گا
پاوں میں اپنے حنا تجھ کو میرے سر کی قسم

قتل عشاق کی ہے صبح خبر اے قاتل
میں بھی ہوں اُن میں بتا تجھ کو میرے سر کی قسم

کہیں آئینہ تو دیکھا نہیں تونے ظالم
کیوں ہے حیران کھڑا تجھکو میرے سر کی قسم

درد سر اپنے لیئے مول نہ لے اے ہمدم
کچھ نہ کر میری دوا تجھ کو میرے سر کی قسم

ہوگئے گستاخ تیرے سر کی قسم کھائی تھی
دے مجھے جو ہو سزا تجھ کو میرے سر کی قسم

اے میں قربان تیرے پھر بھی تو کہیو کیونکر
دیکھ مجھ کو نہ ستا تجھ کو میرے سر کی قسم

تو جو زخم دل عاشق پہ چھڑکتا ہے نمک
ہے کچھ اس میں بھی مزا تجھ کو میرے سر کی قسم

ہنس کے شوخی سے وہ پوچھے ہے میرے رونے پر
کس کا دھیان آن بندھا تجھکو میرے سر کی قسم

یہ بھی کچھ بات ہے ہر بات پہ ناحق ناحق
نہ قسم سر کی دلا تجھ کو میرے سر کی قسم

رو کے معروف نے فرہاد نے رویا میں کہا
دل کسی سے لگا تجھکو میرے سر کی قسم

ردیف ن

قبلۂ دو جہاں ضیاء الدین
کعبۂ جسم و جاں ضیاء الدین

محوِ دیدارِ شاہدِ معنی
افسرِ عاشقاں ضیاء الدینؒ

جلوہ آرائے مہر و ماہ منیر
جانِ روشن دلاں ضیاء الدینؒ

داروئے دردمندِ بیکس و کور
والیِ بیکساں ضیاء الدینؒ

قوتِ ہر دلِ ضعیف و نحیف
طاقتِ جسم و جاں ضیاء الدینؒ

واقفِ آشکار پردۂ غیب
سرِّ رازِ نہاں ضیاء الدینؒ

محرمِ حال ذوق و وجد و سماع
وارثِ چشتیاں ضیاء الدینؒ

درّۃ التاج عالمِ ملکوت
مغفرِ قدسیاں ضیاء الدینؒ

نورِ چشمِ نبی و شاہِ نجف
خسروِ عارفاں ضیاء الدینؒ

مرشدِ پیر و ہادیِ معروف
یعنی فخرِ زماں ضیاء الدینؒ

دردِ دلِ زار سے تو میرے محرم نہیں
کہنے کو جیتا ہوں میں مجھ میں وَلے دم نہیں

زہرِ غمِ عشق نے یہ تو کیا فائدہ
زہر بھی کھا جاؤں تو حق میں میرے سم نہیں

بوسہ پہ بارِ دگر اب نہیں مت کیجو
اب جو نہیں کی تو جان لو پھر ہم نہیں

کیوں نہ دو عالم میں ہو اس تیرے عالم کی دھوم
تجھ پہ جو عالم ہے یار وہ کہیں عالم نہیں

اور تو کچھ غم نہیں مجھکو تیرے ہجر میں
بس یہی غم ہے مجھے تجھ کو مرا غم نہیں

مجھ سے جو اغیار کو ٹالے ہے وعدوں میں تو
میں تو بہت دور تھا تو بھی مگر کم نہیں

ہنسنے دے معروف تو اس کو اسی طور سے
زخمِ جگر پہ میرے حاجت مرہم نہیں

جب رہا قتل کو باقی یہ گنہگار وہاں
جا پڑی ٹوٹ کے جلاد کی تلوار وہاں

ہے کہاں ملکِ عدم دور کہ مانند حباب
طرفۃ العین میں پہنچی ہے سبکبار وہاں

گر یہیں تجھکو نہ دیکھا تو پھر آنکھوں سے
خاک دیکھے گا تیرا طالبِ دیدار وہاں

کوچہ در سکے ہیں اُس کے سگِ باں مانع
میرے جانے کا نہیں کوئی روا دار وہاں

گئی بازار جو اُس پردہ نشیں کی تصویر
کثرتِ خلق سے جو گر دھتی دیوار وہاں

بارِ عشق اب جو گراں تجھ پہ ہوا ایسا ای دل
روزِ اول ہی نہ کرنا تھا یہ اقرار وہاں

مہر کیا خط کے لفافے پہ کروں ای قاصد
کہ وہ بدخو ہی میرے نام سے بیزار وہاں

ایک قلم نامہ اعمال سیہ ہی معروف
کیا یہ دکھلائے گا منہ اپنا گناہگار وہاں

غم معاد نہ فکرِ معاش کرتے ہیں
کسو کے ہیں متلاشی تلاش کرتے ہیں

سر اُن کا کیوں نہ سردار ہو کہ جوں منصور
جو کوئی سترِ نہانی کو فاش کرتے ہیں

جنھوں کی فرصت ایک دم پہ ہی نگاہ یہاں
حباب وار وہ کم بود و باش کرتے ہیں

نگینِ دل پہ تیرا نام کھودتے ہیں ہم
جہاں میں تیشہ زنی بت تراش کرتے ہیں

جو مستِ چشم ہیں تیرے وہ دیکھتے ہیں جہاں
سبو و ساغر و مے پاش پاش کرتے ہیں

مُوا ہی کون تیرے زلف و رخ کے عالم پہ
کہ منہ اندھیرے جو دفن اُس کی لاش کرتے ہیں

غضب ہی کاوشِ مژگانِ گلرخاں معروف
یہ خار دل میں ہمارے خراش کرتے ہیں

اشک کی آنکھوں سے بوندیں کیا یہ ڈھلیاں دیکھیاں
موتیا کی آج کلیاں ہم نے جلیاں دیکھیاں

عاشقوں کی کیونکہ دل واشد کریں تصویر کے
آج تک کھلتی ہوئی ہم نے نہ کلیاں دیکھیاں

کج ادائی ہی فلک کو راست کیشوں سے سدا
شاخہائے سرو کہو کس نے پھلیاں دیکھیاں

یہ ہوئی بلبل ترانہ سنج گلشن میں سحر

گردنیں غنچوں کی ہم پر ہم نے ہلیاں دیکھیاں
دم بدم لگتا ہی منہ سے اس پری وش کے جو تو
یہ نئی دمسازیاں اب تیری قلیاں دیکھیاں

اپنی نظروں میں تو ای معروف تھباتی ہو وہ
جس نے شہر عشق کی ہووین نہ گلیاں دیکھیاں

قسمیں ہی جس شخص نے ملنے کی ہوں کھائیاں
یہ کبھی ہونی نہیں ہیں تھیں سونے دوں آج
عشق میں جو ہجر کے غم سے راتے تھے لوگ
کس سے یہ سیکھی ہے چال بل بے تیر انکین
دام سے تھا زلف کے دل کو سروکار کیا
خون جگر جائے ہی کیوں نہ پیویں یا رین
دیکھ لی ای سنگدل وعدہ خلافی تیری

کیا کرے واں صلح کا رہیج ہے جیر انیاں
لاکھ لیا کیجیئے آپ اب انگڑائیاں
آہ وہی باتیں اب آگے میرے آئیاں
رکھے ہی کس دھج سے پاؤں دیکھ تو پرچھائیاں
ہائے یہ آنکھیں میرے سر پہ بلا لائیاں
غم کی ہیں اب بدلیاں سر پہ میرے چھائیاں
راہ تکی اس قدر آنکھیں بھی پتھرائیاں

بھیس بدل کر وہاں جائے تھا معروف تو
ہم نے تیری چوریاں رات کو سب پائیاں

جب اپنے ہاتھ سے کھانا انھیں کھلاتا ہوں
تمھارے کوچے میں رونا ہوا جو جاتا ہوں
خیال زلف میں بیخود ہوں یہ کہ گر کوئی
خوشی سے اپنی میں میں آپ کے نہیں پاتا
کیا ہی اب تو یہ دل میں مسودہ میں نے
کہ خیریت سے اگر اسکے آئے تو آئے
غزل تو طور پہ جرأت کے بھی تھی معروف

قسم تب اپنے نصیبوں کی میں بھی کھاتا ہوں
تو خود کو آتے ہوئے ناؤ میں میں آتا ہوں
کہے ہے دن کی تو میں رات کی سناتا ہوں
کبھی جو گھر میں اکیلا صنم کو پاتا ہوں
کہ ایک خط انھیں اس طور کا لکھاتا ہوں
وگرنہ دیکھیئے خدمت میں میں بھی آتا ہوں
پر اور ایک غزل گرم کہہ سناتا ہوں

فلک کے ہاتھوں جدھر منہ اُٹھائے جاتے ہیں
اُدھر سے جوں گل بازی طبانچہ کھاتا ہوں

زبس کہ دل میں ہے اُس شوخ کا خیال بندھا
خیال میں نہیں اپنے کسی کو لاتا ہوں

گئے وہ بھول جو مجھ کو تو ہے یہ حال میرا
کہ کہتے کہتے میں اب بات بھول جاتا ہوں

کھبی ہے آنکھوں میں دزدیدہ یہ نگہ اُن کی
کہ میں ہر ایک سے آنکھ اپنی اب چراتا ہوں

ہوا کے گھوڑے پہ جب وہ سوار ہوتے ہیں
تو پا کے وقت میں کیا کیا مزے اُڑاتا ہوں

غلافی اُن کی جو آنکھیں وہ یاد آتی ہیں
تو اپنی آنکھوں کو رو رو کے میں سُجھاتا ہوں

ہوئی جو ہیں کسی پردہ نشیں سے شب باتیں
تو اپنی بات میں ہر ایک سے چھپاتا ہوں

بلا سے گر نہیں ملتے وہ مجھ سے پر معروف
اُنھوں کا شہر میں عاشق تو میں کہاتا ہوں

کرتے تھے وصل میں ہم وہ جو تکبر دونوں
نالۂ و آہ تو اپنے ہیں اثر سے خالی
حضرتِ عشق مقابل ہیں ہمارے دل کے
کچھ نہ پوچھ آہ کہوں کیا جگر و دل کا حال
رشک سے جل گئے اغیار جو ہیں ہم اور وہ

سو وہ اب ہجر میں رکھتے ہیں تصور دونوں
اُس کے اب دل میں کریں خاک تاثر دونوں
کیا بنے دیکھیئے یعنی ہیں بہادر دونوں
ہاتھ سے غم کے تیرے ہو گئے چُرمر دونوں
رات ناصح سے لگے کرنے تمسخر دونوں

دھوویں معروف نہ کیوں نامۂ اعمال مرا
دیدۂ تر یہ نہیں ہیں مرے گاذر دونوں

فکرِ غم سے جل گئے یک دست تن میں استخواں
خاک آئے ہاتھ اگر ڈھونڈوں بدن میں استخواں

یادِ دنداں اُس کی یوں آئی دلِ مجروح میں
جیسے آجاوے کہیں زخمِ کُہن میں استخواں

بن ترے کوچے کے پیارے ہو اُسے دوزخ نصیب
یہ تمنّا ہو جسے جاوے عدن میں استخواں

ٹکڑے ٹکڑے کر گیا ہے ایک ہم کو خانہ جنگ
کیوں نہ لڑتے جائیں اب باہم کفن میں استخواں

جس کی صورت ہے ملایم دشمنِ جاں ہے وہ سخت
سانپ کے ہم نے کبھی دیکھا نہ پھن میں استخواں

بولتا ہے آہ اُٹھتے بیٹھتے اب بند بند
ہاتھ سے اس ضعف کے نالاں ہے تن میں استخواں

بے سبب اُن کو نہیں چمچہ صدف کا ناپسند
تمکنت سے دور ہے رکھنا دہن میں استخواں

تھا جو کچھ مغزِ سخن معروف ہو تو پا چکا
چھوڑ دے اب سفرۂ اہلِ سخن میں استخواں

زلف سے چاہِ ذقن کی دل کیا اب رہ میاں
میں کہوں کس طرح اے دل بوسۂ لب کی طلب
ہے خیال اُس کی کمر کا زندگی ہو کیوں نہ ہیچ

جلد جا پہونچا وگرنہ راہ تھی سب رہ میاں
کوئی بھی لاتا ہے اُس سے حرفِ مطلب رہ میاں
آپڑی ہے اب تو اے دل بات بے ڈھب رہ میاں

ڈر سے اُس احوال کے ہے مژگاں کفِ دستِ دعا
حشر تک حرفِ دعا آوے نہ یارب درمیاں

تار ہے نشہ مری آنکھوں میں چشمِ مست کا
رکھ رہے ساغر بھرکے اے ساقی لبالب درمیاں

فائدہ **معروف** کچھ رونے سے دل کو ضبط کر
تجھ سے ملنے کے نہیں پڑ چکے سب درمیاں

جیسے متاعِ گم شدہ کی جستجو کریں
پہروں یہ سوچتے ہیں کہ کیا آرزو کریں

گر ہجر ہو تو وصل کی ہم آرزو کریں
دلبر ہو جب بغل میں تو کیوں جستجو کریں

تو جس طرح پھرے تو اُدھر کیوں نہ چشم وا
مشتاقِ دید چوں گلِ خورشید رو کریں

بلبل نے دیکھ چاکِ گریبانِ گل کیا
کاش اُس کو میرے تارِ نفس سے رفو کریں

رسوائے عشق کی کبھی گر پاویں خاکِ پا
اُس خاک پر تو اپنی نثار آبرو کریں

اُس رشکِ گل کی کچھ بھی اگر گل میں بو نہ ہو
پایا کہاں دماغ کہ پھر گل کو بو کریں

مضموں تیری کمر کا جو باندھیں خیال بند
پیدا ایسا ان دُرِ نجف دل سے مو کریں

وہ چاک اگر لباسِ بدن ہو تو ہم فقیر
کیا نقشِ بوریا سے پھر اُس کو اتو کریں

کثرت میں دیکھنی ہو جو وحدت تو ہم ابھی
آئینہ پاش پاش تیرے روبرو کریں

ہو جس کو اُس سے دل کے لگانے کی آرزو
یک بار مجھ کو اُس کے ذرا روبرو کریں

کرتا ہوں دوستوں کو وصیت کہ بعدِ مرگ
تاریخ کا خیال نہ ہرگز کبھو کریں

پر اس گناہگار کے لوحِ مزار پر
کندہ اگر کریں بھی تو لا تقنطو کریں

معروف کوئی جائے ہے یہ داغِ معصیت
جب تک نہ آبِ چشم سے ہم شست و شو کریں

دیکھ ابرو کو ذرا عکس فگن پانی میں
ماہِ نو دیکھتے ہیں غنچہ دہن پانی میں

چشمِ تر میں نہیں اُس خط کا تصور پھرتا
رقص کرتا ہے یہ طاؤسِ چمن پانی میں

پیش خیمہ نہ فقط تو نے نکالا ہے حباب
موج کو بھی ہے سفر اور وطن پانی میں

صید تشنہ کو نظر آتے ہیں یوں جوہر تیغ
جس طرح موج ہوائے صید افگن پانی میں

دیکھ آئینہ میں آغاز ہجوم خط سبز
رسم ہے دیکھتے ہیں چاند گہن پانی میں

یہ شرارت ہے ترے حسن کے شعلے میں کہ دیکھ
شمع کا شرم سے ہے غرق بدن پانی میں

ہم نہ کہتے تھے کہ معروف کر ضبط شرار
دونی ہووے گی ترے دل کی جلن پانی میں

دل نے اس چاہ ذقن کی کہا زنداں میں
کسی کافر کو بھی رکھے نہ خدا زنداں میں

اپنی نظروں میں مقید بھی سبکسار ہیں آہ
روح قالب میں نہیں ہے یہ ہوا زنداں میں

جو کہ یکسو ہیں فلک اُن سے رکھے سو رمزاج
مضطرب کیونکہ نہ ہو قبلہ نما زنداں میں

دیکھنا تک اثر صحبت وارستہ مزاج
بوئے گل کو نہیں گھٹتی ہے صبا زنداں میں

نہ پھنسے میری طرح آکے کوئی چاہ میں وہ
تھی عزیزو یہی یوسف کی دعا زنداں میں

ہے یہی کام زباں کا جو دہن میں ہووے
بلبل نغمہ سرا دیکھی سدا زنداں میں

محو آئینہ ہے وہ جس سے ہے دل وابستہ
وہ نظر بند ہے اور میں ہوں پھنسا زنداں میں

دین و دنیا کے گرفتار ہیں وہ تو معروف
تو ہی کیا قید میں ہیں شاہ و گدا زنداں میں

غلط ہے پشت فلک کو جو خم سمجھتے ہیں
زمیں پکڑی ہے اس بل نے ہم سمجھتے ہیں

عزیزو حسن کی اُس کے نہ بات کچھ پوچھو
کب اُس کو یوسف مصری سے کم سمجھتے ہیں

اُنھوں نے جب سے کہ دیکھا ہے آنکھ کھول کے جام
تجھی کو پیر مغاں رند جم سمجھتے ہیں

کیا ہے تو نے قیامت یہ وعدۂ دیدار
تمام تیرے اشاروں کو ہم سمجھتے ہیں

سمجھ کے گائیو بلبل سحر کو سام کلی
چمن میں غنچہ و گل تال و سم سمجھتے ہیں

کیا جو سورۂ اخلاص پڑھ کے اُن پر دم
تو بولے آپ کے ہم خوب دم سمجھتے ہیں

نہیں ہے نور نظر جب سے جو کیا معروف
ہم اپنی آنکھوں کو نقش قدم سمجھتے ہیں

جہاں سے لیتے ہیں کروٹ عدم کو چلتے ہیں
مکانِ عشق کے بیمار یوں بدلتے ہیں

عجب ہے وحشی سے وہ باغ اپنے ساتھ چاہتے ہیں
کبھی تو چلتے ہیں ہاں اور کبھی مچلتے ہیں

خیالِ ابروئے جاناں میں دل بچے کیونکر
کہ چیونٹیوں کی جو موت آوے پر نکلتے ہیں

یہ آبلے نہیں صحرا نوردگاں اگلے
ہمارے تلووں سے آنکھوں کو آکے ملتے ہیں

ہماری کیونکہ ابسیوں کے پاس دال گلے
کہ دن دہاڑے یہ چھاتی پہ مونگ دلتے ہیں

نہیں ہی سنگِ حوادث سے اُن کو ڈر معروف
جو مثلِ سرو کبھی پھولتے نہ پھلتے ہیں

صفائے قلب جو آئینہ وار رکھتے ہیں
مثالِ عکس اُسے ہمکنار رکھتے ہیں

جو سوزِ عشق میں جلتے ہیں شمع رویوں سے
وہ مثلِ شعلہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

سمجھ کے کیجیو ٹک اس دل کو چاک شکلِ انار
بجائے دانہ ہم اس میں شرار رکھتے ہیں

اُنھوں کو کوئی گھڑی خاک بھی نہیں آرام
جو مثلِ شیشۂ ساعت غبار رکھتے ہیں

یہ دردِ سر ہی دلا نشۂ مئے ہستی
ہم اس کا دیکھیے کب تک خمار رکھتے ہیں

تیرے بھی سوختہ جاں مثلِ گلستانِ خلیل
کبھی تو دیکھ تماشا بہار رکھتے ہیں

پھرے ہیں موجِ ہوا کی طرح سراسیمہ
کہاں قرار تیرے بے قرار رکھتے ہیں

جنھوں کو یار سے ہی اپنے چشم بوس و کنار
ہلال وار وہ خالی کنار رکھتے ہیں

ہم اس قدر ہیں رضا پر ابھی قضا شاکر
سب اپنے کام تیرے اختیار رکھتے ہیں

ریاضِ دہر میں ہم کو انار کے مانند
ہر ایک رشک رکھتے ہیں سودا ہزار رکھتے ہیں

ہما کا منہ ہی ہمارے جو استخواں کھائے
رفیق اپنا سگِ کوئے یار رکھتے ہیں

اگرچہ خاک ہیں پر شکل تو تھا معروف
بچشمِ اہلِ نظر ہم وقار رکھتے ہیں

میں رہبری خلق کو انگشت نما ہوں
بینا کے لیے شمع اور اندھے کو عصا ہوں

ہر سلسلہ میں کیونکہ نہ برپا ہو میرا غل
جس خانۂ زنجیر میں ڈھونڈھو میں صدا ہوں

دیتا ہوں کوئی قافلہ یاروں کا بھٹکنے
صحرائے طریقت میں میں آوازِ درا ہوں

پیدا ہی یہ معنی میرے ہونے سے نہ ہونا
اس قدر دوتا اپنے سے میں صورتِ لا ہوں

گل کے بھی نہیں کان تلک مجھ کو رسائی
میں غنچۂ تصویر کے کھلنے کی صدا ہوں

جس رخ کا میں بوسہ لوں نظر سے اُسے کیا ڈر
جوں خالِ رُخِ یار نگہبان بلا ہوں

گہہ سایہ فگن شہ پہ ہوں گہہ نکس اس
ساتھ اوج و تنزل کے میں جوں بالِ ہما ہوں

ہی میرے ستانے میں محبت کی ترقی
باندھیں مجھے احباب تو پیمان وفا ہوں

کرتا ہوں موئے پر بھی روا خلق کی حاجات
سیماب صفت جوہرِ اکسیر غنا ہوں

مسجودِ خلائق ہی میرا عجز ازل سے
پیوستہ بہ شکلِ قدِ محراب دوتا ہوں

ہر عضو کو میرے سبق ذوقِ طلب ہی
جوں کاغذ آتش زدہ سرگرمِ فنا ہوں

ہی میری سرشتی میں یہاں ایک نزاکت
جوں غمزۂ معشوق میں بدنام جفا ہوں

بھاتا ہی وطن میں مجھے اندازِ غریبی
دریا میں بھی مانند گہر بے سر و پا ہوں

وہ مہرِ صفت جلوہ جو کرتا ہے معروف
میں ذرّہ کی مانند طلبگار ضیا ہوں

روز بس شرمسار رکھتا ہوں
سرخرو غنچہ وار رکھتا ہوں

چشم پر خون کے فیض سے دایم
میں خزاں میں بہار رکھتا ہوں

واقعی دل تو ایک ہی لیکن
آرزو میں ہزار رکھتا ہوں

کِس نے باندھا ہی آنسوؤں کا تار
موتیوں کا میں ہار رکھتا ہوں

بوسہ مانگا تو بولے وہ او جی
کیا کسی کا اُدھار رکھتا ہوں

آنکھ جب روز سے کھلی میری
بس ترا انتظار رکھتا ہوں

محتسب دخترِ رز کو ہاں سچ ہی
میں ہی تقصیروار رکھتا ہوں

خاک ہ اُس کی کیوں کہا یہ فلک — جی میں تجھ سے غبار رکھتا ہوں

ہوں زبس روسیاہ اے معروف
آرسی سے بھی عار رکھتا ہوں

ہے فنا میں کمالِ درویشاں — وصلِ حق ہے وصالِ درویشاں
ان سے حق کی پناہ مانگا کر — قہرِ حق ہے جلالِ درویشاں
دل کو روشن کرے ہے اُن کا دھیان — نورِ حق ہے جمالِ درویشاں
ہے وہ دونوں جہان کا مردود — رد کرے جو سوالِ درویشاں
اُس کو الہام کہتے ہیں غافل — ہے جو وہم و خیالِ درویشاں
بخدا وہ خدا کا دشمن ہے — جو کہ ہے بدسگالِ درویشاں
صبر و شکر اور فقر و فاقہ ہے — دولتِ بے زوالِ درویشاں
دل میں حق ہے زبان پر حق ہے — اے خوشا حال و قالِ درویشاں

اب جو درویش تم ہوئے معروف
کیجیے پیدا خصالِ درویشاں

جو راہِ عشق میں ہم پھونک پھونک اب پاؤں دھرتے ہیں
تو یہ باعث ہے اے ہمدم کہ رسوائی سے ڈرتے ہیں
لگے آنے جو لختِ دل ابھی سے چشم میں یا رب
تو آگے دیکھیے ہاں اب وہ کیا کیا گل کترتے ہیں
کچھ ایسا کر فلک وہ یار پھر اغیار سے بگڑے
کہ سب کام اس ہی پھر بگڑے ہوئے اپنے سنورتے ہیں
قسم دے کر اُنھوں کے آدمی سے میں نے جو پوچھا
کہ سچ بتلا وہ مجھ کو قید میں بھی یاد کرتے ہیں

کہا اُس نے کسی کے دل کی کیا معلوم ہی لیکن
تمھارا ذکر آتا ہی تو اکثر آہ کرتے ہیں

غزل ایک اور لکھیئے ای الہی بخش خانصاحب
قلم کو ہاتھ سے اپنے ابھی کیوں آپ دھرتے ہیں

زبس وہ چاہتے ہیں ہم کو اور ہم اُن پہ مرتے ہیں
یہاں رہتے ہیں ہم نالاں وہاں وہ آہیں بھرتے ہیں

نہ پوچھو اپنے دل پر آہ اُس دم کیا گزرتی ہی
کبھی وہ ساتھ غیروں کے اِدھر سے جو گزرتے ہیں

گناہ گار اُس گھڑی سب ہم کو ٹھہراتے ہیں حالم کا
کبھی جو زیر دیوار اُن کے ہم جا کر ٹھہرتے ہیں

جُدائی میں اُنھوں کی مجھکو کیوں ہچکی لگی یارب
کہ سب پر کھل گئی چاہت وہ ان کو یاد کرتے ہیں

عزیز و عشق میں کیا آدمی کو عقل آتی ہی
کہ اب ہم اور وہ دونوں جو بدنامی سے ڈرتے ہیں

تو بس اوپر کے دل سے ہر کسی کے سامنے اکثر
بُرا کہتے ہیں ہم اُن کو ہمیں وہ نام دھرتے ہیں

ہزار اغیار سمجھایا کیہ اب نیچ اونچ اُن کو
اُنھوں کے دل سے ای معروف پر ہم کب اترتے ہیں

کر نہ رُسوا دلِ بیتاب بس ای وارے ہیں
دوستو بہرِ خدا کوئی تو بتلاؤ علاج
آہ ریگ لب دریا کی عمارت کی طرح

شب کی باتوں سے تجمل کرتے ہیں مسائے ہیں
کہ شب ہجر سر شام سے نیند آئے ہیں
خود ڈھے جاتے ہیں جب تک کوئی جوا ہیں

جو ہیں دیوانۂ عشق اُن کی سمجھ ہی کچھ اور
نا سمجھ اس کو سمجھتے ہیں جو سمجھائے ہمیں

یک نظر پھر بھی اُسے دیکھ لیں فرصت کم ہی
وہ نہ آئے تو وہاں ہی کوئی لے جائے ہمیں

اب وہ شکل اپنی ہی جوں آئینۂ زنگ آلودہ
پھیر لے منہ جو کسی کو کوئی دکھلائے ہمیں

تعزیت نامۂ افتادہ سر راہ ہیں ہم
روبرو دیکھ کے جو شخص پڑا پائے ہمیں

ہمدم اُس شخص سے کہیو یہ تو چپکے سے
دفن کرتے کو پس از مرگ جو لے جائے ہمیں

خوبرویوں کو جہاں دیکھتے ہیں ای معروف
حسرت آتی ہی کہ ایسا نہ کیا ہائے ہمیں

چین پڑتا نہیں اُس بن مجھے ایک آن کہیں
آہ جی جاوٴں نکل جائے اگر جان کہیں

چشم و کاکل سے تیرے نرگس و سنبل کی طرح
کوئی حیران ہی کہیں کوئی پریشان کہیں

کس کا داماں چھٹا ہاتھ سے میرے ہیہات
اب جو دامن ہی کہیں اور گریبان کہیں

دم آخر تو مجھے پاؤں پہ سر رکھنے دے
مرتے مرتے تو نکل جائے یہ ارمان کہیں

پاس سے جاتے ہی اُس کے جو گئے اپنے حواس
بات کرتا ہوں کہیں دل ہی کہیں دھیان کہیں

آئینہ لیکے ذرا آپ ہی کیجے انصاف
ایسا دیکھا ہی کبھی تم نے بھی انسان کہیں

قبر عاشق سے جو پھوٹا ہی تیرے غنچۂ گل
رہ گیا ہوگا کسی تیر کا پیکان کہیں

بڑھ گیا ربط تصوّر سے یہ اُس کے معروف
کہ سرکتا نہیں نظروں سے وہ اک آن کہیں

نہ ہم محوِ خیالِ ابروے خمدار سوتے ہیں
سپاہی ہیں نہ بس باندھے ہوئے تلوار سوتے ہیں

تمہارا سوتے سوتے چونک پڑنا یہ کھبا دل میں
کہ اکثر خود بخود ہو ہو کے ہم بیدار سوتے ہیں

انھیں تیری طرح ایسا نہ پھرنا نیک تمکیں ہے
جو معشوقوں کے زیرِ سایۂ دیوار سوتے ہیں

وہ اپنی کشتۂ چشمِ مفتّن دیکھ کر بولے
یہ میرے نرگسِ بیمار کے بیمار سوتے ہیں

الٰہی ہم کو ہے کس کا خیالِ خواب و بیداری
جو لاکھوں بار اُٹھتے ہیں ہزاروں بار سوتے ہیں

یہ منزل گاہِ دُنیا کُنجِ آسایش نہیں غافل
خطر کی جا جو سوتے بھی ہیں تو وہ ہشیار سوتے ہیں

نگاہِ مستِ ساقی میں ہے کیا دارُوے بیہوشی
کہ ساغر لگ رہا ہے منہ سے اور مے خوار سوتے ہیں

نہ کر وسواس دل میں چل وہاں معروف بے کھٹکے
کہ درباں اونگھتا ہے اور چوکیدار سوتے ہیں

عاقبت فکرِ دلِ دلگیر میں بیٹھا ہوں میں
جس طرح لکھا مری تقدیر میں بیٹھا ہوں میں

نے اُدھر سے کچھ سخن ہے نے اِدھر سے کچھ کلام
آج گویا محفلِ تصویر میں بیٹھا ہوں میں

دیکھیے سودا کہ یہ دُنیا تو ہے موجِ سراب
آپ کر خانۂ زنجیر میں بیٹھا ہوں میں

وائے غفلت آپ ہونا ہے مجھے یکبوزخا
تس پہ فکرِ نسخۂ اکسیر میں بیٹھا ہوں میں

دھیان ہے معروف جو لعلِ لبِ جاں بخش کا
اب یمن کے ملک کی جاگیر میں بیٹھا ہوں میں

کیا اُس کی ڈر رہیں ابروے خمدار سے آنکھیں
مردوں کی جھپکتی نہیں تلوار سے آنکھیں

روشن ہوں نہ کیوں آئینہ ساں رازِ محبت
پیوستہ ہیں حسرتِ دیدار سے آنکھیں

جوں لعل و گہر لختِ دل و اشک رواں ہیں
کیا کم ہیں مری جوہری بازار سے آنکھیں

عینک جو ہے اب پیشِ نظر ساغرِ مے کی
رہتی ہیں لگی خانۂ خمار سے آنکھیں

دریا یہ چڑھا گریہ سے میرے کہ ذرا پار
کچھ کام نہیں کرتی ہیں اب وار سے آنکھیں

تحقیق ہی پڑ جائیے ہے کل جن کو تو پھر وہ
معذور ہیں نظارۂ دیدار سے آنکھیں

موسم پہ وہ برسے یہ شب روز ہی معروف
بہتر ہیں میرے ابر گہربار سے آنکھیں

سنوں میں عشق کی کیونکر نہ دھیان سے باتیں
گمان کی ہیں نرالی جہان سے باتیں

کہے ہے مجھ سے کوئی تجھ کو یاد آیا ہے
کروں ذرا جو نہ اُس بدگمان سے باتیں

یہ اوج خاک نشینی ہیں عشق نے بخشا
کرے ہے آہ میری آسمان سے باتیں

ہوا ہوں محو کسی کی میں دیکھ کر تصویر
کہاں وہ تاب کروں جو زبان سے باتیں

تجھے جو بزم سے اُس نے اُٹھا دیا معروف
وفا کی اُٹھ گئیں شاید جہان سے باتیں

اس شکل سے جو حیران آئینہ وار ہوں میں
وہ کون ہے الٰہی جس سے دوچار ہوں میں

تڑپا کروں گا یوں ہی میں نیم جاں ابد تک
غفلت شعار ہے وہ جس کا شکار ہوں میں

کس سیمبر نے چھینا صبر و قرار میرا
سیماب وار اب جو یوں بے قرار ہوں میں

یہ داغ سینہ و دل ہیں لائق تماشا
گاہے تو سیر کیجے باغ و بہار ہوں میں

لطف و کرم یہ تیرا کس دن کے واسطے ہے
یعنی کہ اب سراپا تقصیر وار ہوں میں

پیغام وصل قاصد اُلٹا وہاں ہی لے جا
کس واسطے کہ دائم یاں محو یار ہوں میں

سب اختیار میرا ہے اختیار تیرے
مختار ہے تو پیارے بے اختیار ہوں میں

کیا خاک اُس کے دل میں اپنی جگہ کروں اب
یاں تک فنا ہوا ہوں یعنی غبار ہوں میں

معروف یہ سخن تو ہے پائیدار میرا
جوں نقش آب ہرچند ناپائیدار ہوں میں

آہ میں جس کے نہیں خاک اثر وہ میں ہوں
غم کھلائے نہ جو نخل ثمر وہ میں ہوں

ہو سکے کس سے تلاشِ دلِ گم گشتہ یہاں
جان کی اپنی نہ ہو جس کو خبر وہ میں ہوں

کیوں نہ بھاگے مرے سایہ سے بھلا بادِ بہار
جس کو کہتے ہیں خزاں دیدہ شجر وہ میں ہوں

مجھ کو کچھ رونے سے منظور نہیں مثلِ شرر
ہنستے ہنستے جو کرے دم میں سفر وہ میں ہوں

بھاگتی ہے مرے سایہ سے تیری زلفِ سیاہ
جس سے کرتی ہے بلا دل میں حذر وہ میں ہوں

دید میں آئینہ کو بھی ہے تکلف منظور
جس کو کچھ اور نہیں مدِ نظر وہ میں ہوں

کون کرتا ہے وہ اندیشہ اگر میں وہ نہیں
تو کسے چھیڑے ہے اے وہم اگر وہ میں ہوں

لالہ کی طرح گلستانِ جہاں میں معروف
جس کا چھوٹا نہ کبھی داغِ جگر وہ میں ہوں

دوستو محکوم جس کے دل سے ہیں ہم ان دنوں
کیا غضب ہے ظالم اس پہ خود ہی بیدم ان دنوں

ایک عالم جس کے نظارہ کا اب مشتاق ہے
اُس پری وش پر عزیزو ہے یہ عالم ان دنوں

گنجفہ غیروں سے کھیلے ہے وہ رشکِ آفتاب
کس طرح رہوے مزاج اپنا نہ برہم ان دنوں

آدمی اُن سا کسی دن سے نہ آیا کیا کہ آہ
پیٹ میں اپنے سماتا ہی نہیں دم ان دنوں

روز یہ پہونچی ہے دستک ہم پہ اُس کی عشق نے
دم بدم کرتا ہے خونِ دل طلب غم ان دنوں

کس جگہ عاشق کیا تو نے ہمیں لا کر فلک
دل تو کہتا ہے پڑھا کر شعر ہر دم ان دنوں

اور ننگ و نام کی ہے غرض تجھ میں عزیز
شعر تو ایک چیز ہے کر بات بھی کم ان دنوں

اب جو ہو سو ہو غزل کہیئے بدل کر قافیہ
شعر بن معروف رہ سکتے نہیں ہم ان دنوں

بارِ غم سے یہ ہوئی ہے اپنی حالت ان دنوں
سر اُٹھانے کی نہیں بستر سے طاقت ان دنوں

اُس لبِ شیریں کا بوسہ غیر لیتے ہیں دلا
کچھ نہیں اب زندگانی کی حلاوت ان دنوں

چپ ہو بس ورنہ کچھ منہ سے سنوگے ناصحا
کچھ نہ سمجھا تو مجھے حضرت سلامت ان دنوں

شاخِ نرگس کے قلم سے اُس کی یادِ چشم میں
برگِ گل پر میں لکھا کرتا ہوں صاحب ان دنوں

ہر کہیں کہتا ہے قصہ تو جو زلفِ یار کا
کیا دلِ ناداں تیری آئی ہے شامت ان دنوں

میں تو کچھ کرتا ہوں گڑی اور بناتے ہیں وہ بال
معا ہوتی ہے یوں صاحب سلامت ان دنوں

آپ کا احوال تو سب سن چکے معروف ہم
اُس ستم گر کی کہو اب کیا ہے حالت ان دنوں

بہار مست باغ جنت الماویٰ نظام الدین
چراغ خلوتِ نہ گنبد خضرا نظام الدین

چھپائے اُس سے جو دل کی حقیقت سخت ناداں ہے
کہ ہے ہفت آسماں کے راز کا دانا نظام الدین

ہم اُس پر دین و دنیا کر کے صدقے فخر کرتے ہیں
کہ ہے بے شبہ فخر الدین والدنیا نظام الدین

عدم کو اُٹھ کے ہیں چلنے لگوں جس وقت دنیا سے
الٰہی میرے منہ سے نکلے اُس دم یا نظام الدین

ہم اُس کا آپ عاشق کہیں کیا منہ ہمارا ہے
تکلف برطرف محبوب ہے کس کا نظام الدین

گئے ہیں جو کہ موسیٰ کی طرح طور محبت پر
انھیں ہے نقشِ پا تیرا یدِ بیضا نظام الدین

تیرا کوچہ ہے وہ گلزار جس کے رہنے والوں کو
نہیں ہے گلشن جنت کی بھی پروا نظام الدین

خیالِ قامتِ موزوں میں تیرے جب سے رہتے ہیں
ہمیں رہتی ہے سیرِ عالمِ بالا نظام الدین

نظام دین احمد تجھ سے ہے اے قبلۂ عالم
یہ اسمِ با مسمیٰ نام ہے تیرا نظام الدین

ہما مت چھیڑ مشتِ استخواں معروف مسکیں کے
یہ ہے نذرِ سگانِ کوئے مولانا نظام الدین

قبلہ و کعبۂ صاحب نظراں فخر الدین
فخرِ دیں فخرِ زمیں فخرِ زماں فخر الدین

خضر صحرائے بقا والیِ اقلیم صفا
ہادیِ خلق شہِ فیض رساں فخر الدین

پایۂ منزلت و قدر کو تیرے پایا
برتر از حوصلۂ وہم و گماں فخر الدین

دی ملک سے بھی تجھے نسبت تو وہ بولا نہ کہو
کہ یہ ناچیز کہاں اور کہاں فخر الدین

محو ہے رنگ ظہور آپ کا نیرنگی میں
کس سے ہوں آپ کے اوصاف بیاں فخر الدین

وہ جو ہے گلشن سرسبز حقیقت اس میں
قد موزوں ہے تیرا سرو رواں فخر الدین

نظر تیز تری دیتی ہے جو برق جلا
خرمن وہم و خیالات و گماں فخر الدین

روز و شب یاد تیری شغل دل و جاں ہے مجھے
ذکر تیرا ہے سدا اور ورد زباں فخر الدین

زیست سے اپنی خفا ہے خفقاں کے باعث
جلد کر اس کا علاج خفقاں فخر الدین

عرض حال دل معروف کی حاجت کیا ہے
تجھ پہ ظاہر ہیں سب اسرار نہاں فخر الدین

ڈبا دیا مجھے اس چشم تر کو کیا کوسوں
جلا دیا مجھے سوزِ جگر کو کیا کوسوں

کہے تھا مجھ سے کہ سو کوس روز چلتا ہوں
گیا تو مر ہی گیا نامہ بر کو کیا کوسوں

نہ آنکھ بھر کبھی اُس مہروش کو دیکھ سکا
وفورِ اشک و قصور بصر کو کیا کوسوں

پڑے ہیں سینہ سے دل تک کے ہزاروں چھید
غضب کیا مژہ رخنہ گر کو کیا کوسوں

کل اُن سے بزم میں بوسہ طلب کیا تو کہا
حیا کسی کی نہیں اس بشر کو کیا کوسوں

جفائیں سب تیری آتی ہیں یاد آخر شب
لحاظ آتا ہے پچھلے پہر کو کیا کوسوں

دیا ہے اپنے سے ظالم کو اُس نے دل معروف
اب اور اس بتِ بیداد گر کو کیا کوسوں

یار بن یہ مئے اندوہ سے مدہوش ہوں میں
اپنے بھی گوشۂ خاطر سے فراموش ہوں میں

جوں صدف ایک زباں ہی نہیں رکھتا لیکن
دید کو چشم ہوں سننے کے لیئے گوش ہوں میں

جستجو جس کی ہے وہ پردہ نشیں ہے عنقا
نظرِ خلق سے اس واسطے روپوش ہوں میں

ناتوانی کا یہ احسان ہے کہ جس کی بدولت
یار کے سایۂ قامت سے ہم آغوش ہوں میں

خالِ رخ ہے وہ نہیں دانہ کچھ اے طائرِ دل
دیکھنا زلف کو بھی دامِ سرِ دوش ہوں میں

گرچہ ہوں فرق سے اس آئینہ رو کے آگے
لیک جوں آئینہ و عکس ہم آغوش ہوں میں

عشرت وصل کا فوت آج ہوا وقت افسوس
شب فرقت نہیں ماتم میں سیہ پوش ہوں میں

عمر بھر میری تیری خوب بنے گی ظالم
تو جفا کیش اگر ہے تو وفا کوش ہوں میں

ہے قوی عشق کی میرے یہ دلیل اے معروف
لشکرِ صبر و قرار و خرد و ہوش ہوں ہیں

ہم ازل سے چشمِ پرنم ساتھ لیتے آئے ہیں
ہے برا رونا ہی غم ساتھ لیتے آئے ہیں

جب تلک جیتے ہیں ہم مرنا ہمارے ساتھ ہے
موت ایک دن کے لیے ہم ساتھ لیتے آئے ہیں

سوزِ دل سے میرے جل کے بولے سارے جنتی
خلد میں بھی وہ جہنم ساتھ لیتے آئے ہیں

یوں تو حق سب جا ہے لیکن یہ ہے خلوت گاہِ حق
دل نہیں ہم عرشِ اعظم ساتھ لیتے آئے ہیں

وقتِ پیدائش کے گریاں اس لیے ہوتے ہیں طفل
غم زیادہ خورمی کم ساتھ لیتے آئے ہیں

جان و قلب و جسم و تاب و چشم و گوش و نطق و ہوش
ہم بھی کوئی روز عالم ساتھ لیتے آئے ہیں

دل ہی ہے جس کی نہ کہویں ہم تو پھر کس سے کہیں
یہ ہی تو ہم ایک محرم ساتھ لیتے آئے ہیں

گلشنِ ہستی میں ہم کو کچھ نہیں فکرِ معاش
آب و دانہ مثلِ شبنم ساتھ لیتے آئے ہیں

جوں حباب اک دم کے ہیں بحرِ جہاں میں میہمان
چشم پرنم بہرِ ماتم ساتھ لیتے آئے ہیں

آج کیا دیکھ آئے ہیں معروف تصویر اس کی ہم
ایک خرابی کا سا عالم ساتھ لیتے آئے ہیں

شمع کی مانند جب تک تفتہ جاں ہوتا نہیں
تب تلک اہلِ سخن آتش زباں ہوتا نہیں

پشتِ لب پر اس کی خطِ یار رب ہے کیونکر نمود
آتشِ یاقوت میں مطلق دھواں ہوتا نہیں

جو ہیں اہلِ دید ان کو گفتگو سے کام کیا
خانۂ آئینہ میں شور و فغاں ہوتا نہیں

ہے خدا کی مہربانی جو کہ بت ہیں مہرباں
کوئی اس کی بے عنایت مہرباں ہوتا نہیں

زندہ جاوید ہوتا ہے مرے جو عشق میں
نام کو جی کا زیاں ہے پر زیاں ہوتا نہیں

نالۂ مہجور کا گو تھا نہیں مفہوم خوب
دیدۂ خونبار جب تک ترجماں ہوتا نہیں

کوئی شے دنیا میں مت گن اپنے یاں مہماں ہے تو
میزباں کے گھر کا مالک میہماں ہوتا نہیں

تاکسی پردہ نشیں کا آدمی کھائے نہ غم
اور دکھ یوں ہو تو ہو درد نہاں ہوتا نہیں

کوئی تو ہی بزم میں مدہوش کہ دل ہی چاک چاک
تا مقابل مہ نہ ہو ٹکڑے کتاں ہوتا نہیں

سر کے بل چلتے ہیں عاشق خوب دیکھا غور سے
نقش پا کا راہ الفت میں نشاں ہوتا نہیں

عاشق حیرت زدہ کیا جانے آہ گرم کو
گلشن تصویر میں دخل خزاں ہوتا نہیں

منع مت کر مجھ کو ہمدم روز مستی نہ تھا
بھید یہ ہی راز عشق اس میں عیاں ہوتا نہیں

فرقۂ عشاق میں مشہور کب ہوتا ہی وہ
تا کوئی معروف رسوائے جہاں ہوتا نہیں

کس طرح لوگوں میں حال زار میں تم سے کہوں
تم اگر تنہا سنو سو بار میں تم سے کہوں

غیر کو مت بیٹھنے دے در پہ فرماتے ہو تم
گر وہ اُٹھنے میں کرے تکرار میں تم سے کہوں

در پہ بات آکر سنو دیوار بھی رکھتی ہی کان
یوں بھلا کیونکر پس دیوار میں تم سے کہوں

دل لگی جب ہو کہ باتیں اپنے دل کی آ کے تم
ایک دو مجھ سے کہو دو چار میں تم سے کہوں

شکوۂ ناحق کسی کا مجھ سے ہو سکتا نہیں
ہاں جو کچھ کہویں مجھے اغیار میں تم سے کہوں

ای طبیبو ہاتھ اُٹھاؤ تم میری تدبیر سے
عشق کا جاتا نہیں آزار میں تم سے کہوں

غرق ہوں اس فکر میں ایسا تماشا ہو کوئی
ماجرائے چشم دریا بار میں تم سے کہوں

اس لئے معروف اب ہم نے یہ لکھی ہی غزل
تھا زبس تکیہ کلام یار میں تم سے کہوں

تصوّر یار کا ہی اور میں ہوں
یہی اب مشغلا ہی اور میں ہوں

جدائی کے سوا جینے کا ہی غم
غضب ہی وہ جدا ہی اور میں ہوں

دل بیتاب یہ کہتا ہی میرا
کہ ایک قبلہ نما ہی اور میں ہوں

جو لپٹے پاؤں سے اُس شوخ کے رات
تو پھر ابکی حنا ہی اور میں ہوں

اُٹھایا ہاتھ الفت سے بتاں کی
بس اب یاد خدا ہی اور میں ہوں

جو پوچھو کوچہ گردوں کو جہاں کے
تو ایک باد صبا ہی اور میں ہوں

گئے احباب گھر پاس ایمان | سدا خوف و رجا ہی اور میں ہوں
اُدھر تیری جفا ہی اور تو ہی | ادھر میری وفا ہی اور میں ہوں
جو تو مرغِ سحر بولا شبِ وصل | تو پھر تیرا گلا ہی اور میں ہوں
خدا ہی ہی رہائی زلف سے ہو | کہ اب دامِ بلا ہی اور میں ہوں
گدا کو چاہیے کیا فرش قالیں | یہ میرا بوریا ہی اور میں ہوں
کوئی کعبہ کو جاتا ہی تو جائے | درِ پیرِ مغاں ہی اور میں ہوں

نہیں یاں شعر کچھ بن بات معروف
یہی اب تذکرا ہی اور میں ہوں

سُرمگیں اُس کی ہیں یاد جو آئیں آنکھیں | جب تلک بزم میں بیٹھے نہ اُٹھائیں آنکھیں
قسم آنکھوں کی ہی جو تم نے ہیں پائیں آنکھیں | دیکھنے میں کبھی ایسی نہیں آئیں آنکھیں
چشم تر آئینہ خانہ میں گیا جو تجھ بن | چشم تر دیکھ مجھے سب کی بھر آئیں آنکھیں
گھور کر آئینہ میں مجھسے کہا آکر دیکھ | واہ کس حسن کے پردے میں دکھائیں آنکھیں
شکوہ دل کا ہی غلط اس کی نہیں کچھ تقصیر | جو بلائیں میرے سر چڑھ لائیں آنکھیں
تل نہیں مردمکِ چشم کا ہی اپنی نشاں | بس کہ تھیں اُس رخ روشن پہ گڑائیں آنکھیں

غم میں روتے جو ہیں ایک وہ نشیں کے معروف
گھر میں آیا کوئی اور ہم سے چھپائیں آنکھیں

چشم تر سے ایک پل یاں آستیں اُٹھتی نہیں | پھر ادھر کیوں تیری چشم سرمگیں اٹھتی نہیں
ناتوانی کیا کہوں تیرے مریضِ عشق کی | ہاتھ سے اُس کے تو اب مہر نگیں اٹھتی نہیں
بارِ غم ایسا ہی یارو کچھ تو ہی بارِ گراں | جس کے باعث گر دِ اندوہ کہیں اٹھتی نہیں
عشق کے بازار میں بے قدر ہی یہ جنس دل | ایک نگہ تک جس کی اب قیمت کہیں اٹھتی نہیں
اور جو چاہے ستم کر غیر کے مت پاس بیٹھ | یہ جفا ہم سے تیری اے نازنیں اٹھتی نہیں

طعن مت کر زاہدا ہی اپنی اپنی سرنوشت
ان بتوں کے در سے گر میری جبیں اٹھتی نہیں

بار سے پھولوں ہی کے کیا وہ لچکتی تھی کمر
دست نازک سے بھی شاخ یاسمیں اٹھتی نہیں

اس لب شیریں سے ہی یوں خاک کو چسپیدگی
جوں مگس پھنس کر میان انگبیں اٹھتی نہیں

ناقصوں سے سچ ہی استغنائے کامل ہی محال
ہر کسی سے خواہش دنیا و دیں اٹھتی نہیں

کس طرح اس زلف کے مضموں کو سمجھے مو بمو
سطر یہ ہم سے الہ العالمیں اٹھتی نہیں

ہو وہ افتادہ کہ جس جا پر ہی اب مدفن میرا
یوں ہی افتادہ پڑی ہی وہ زمیں اٹھتی نہیں

محفل اہل سخن **معروف** ہی اس واسطے
شعر کی لذت بغیر از سامعیں اٹھتی نہیں

لطف سے کب سرمہ گیں آنکھوں میں جا دوگے ہمیں
خاک میں تم اس بہانے سے ملا دوگے ہمیں

خاک پا سے تم اگر اس کی چھٹا دوگے ہمیں
پھر تو بس اکسیر ہی گویا کھلا دوگے ہمیں

تم کو پاس غیر ہی کب پاس جا دوگے ہمیں
دور ہی ہٹی کے گو ہم کو اٹھا دوگے ہمیں

ہی یہی رونا اگر ای دیدۂ گریاں تو پھر
سوجتا ہی اس کی نظروں سے گرا دوگے ہمیں

ہم یہیں تک ہیں کہ جب تک ہی کدورت غیر سے
اس سے دل جب صاف ہوگا خاک اڑا دوگے ہمیں

پاؤگے جوں ماہی بے آب اس بن مضطرب
صبر کے دریا میں یارو گر ڈبا دوگے ہمیں

گر یہی ہی حیرت افزا جلوۂ حسن بتاں
تو برب کعبہ ایک دن بت بنا دوگے ہمیں

قول دیتے ہو کسے کب ہی تمہارا اعتبار
جانتے ہیں ہم کہ جب دیکھے دغا دوگے ہمیں

ای طبیبو ہم مریض ہجر ہیں جز وصل یار
کچھ نہ ہوگا فائدہ گر تم دوا دوگے ہمیں

وصل کی شب گر یہی ہی چپ تمہاری سن رکھو
صبح تک شہر خموشاں میں سلا دوگے ہمیں

کیجیے تیر او نیز عزم عشق پر یا سنگسار
ہیں سزاوار اس سزا کے جو سزا دوگے ہمیں

دل کے لینے تک فقط ہی رسم و راہ دوستی
لے چکوگے جبکہ دل سنہ بتا دوگے ہمیں

قطعہ

آئنہ پنہاں بغل میں رکھ کے جو ان سے کہا
تم کو ہم تم سا دکھا دیں تو کیا دوگے ہمیں

سنتے ہی اس بات کے پہلے تو حیراں ہو گئے / پھر کہا ہنس کر کہ آئینہ دکھا دو گے ہمیں

دیں گے ای ناصح تجھیں ہیچ تب معروف پر
جب غزل اس طرح کی لکھ کر سنا دو گے ہمیں

تیری آنکھیں دکھتیاں ہیں دیکھ مت جا دھوپ میں / ضد نہ کر میرے زبوں ہے تجھ کو پھرنا دھوپ میں

تم تما کر منہ ہوا سرخ اور تیرا دھوپ میں / ورنہ گل ای رشک گل جاتا ہے کملا دھوپ میں

نامہ بر مت عذر کر تو واں ابھی جا دھوپ میں / موم کا ہے کیا پگھل جائے گا ایسا دھوپ میں

یوں بہار اشکوں کی ہے اس میرے رنگ زرد پر / جس طرح بہا دوں کا ہووے مینہ برستا دھوپ میں

رات تیرے دشمنوں کی کیا گئی گردن اکڑ / ٹوٹکے کے واسطے رکھا جو ٹکیا دھوپ میں

دوپہر ہے ٹھیک دن ڈھلنے دو مت جاؤ ابھی / گر چلے ہو ڈال لو سر پر دوپٹا دھوپ میں

کیا ہے خسخانہ میں بیٹھا اٹھ کہ عاشق کا تیرے / کب سے ای بے رحم جلتا ہے جنازہ دھوپ میں

چھٹ گئی کیا ایک طرف اس مہروش کے منہ پہ زلف / تن ہمارا چھاؤں میں آدھا ہے آدھا دھوپ میں

آئینہ میں ہے سنہرا رنگ اپنا عکس خال / دیکھ لے تو گر نہ دیکھا ہو جو تارا دھوپ میں

مجھ سے بولنے کو تو سمجھائے ہے کیا ناصحا / کی ہے یہ داڑھی سفید اپنی کہیں کیا دھوپ میں

اس دوپہری میں کہاں مرغے لڑانے جائے ہے / چھوٹتی ہے چیل بھی اس وقت انڈا دھوپ میں

کیوں نہ تاب رخ سے ہو ای مہروش خط کی بہار / یعنی رہتا ہے ہرا اکثر جو اگتا دھوپ میں

مت اڑایا کر کبوتر دھوپ میں ای سیم تن / مجھ کو غم ہے رنگ ہو جائے نہ تانبا دھوپ میں

ہے وہ بلبل سوز غم جو اشک آنے سے ہے بند / شدت گرمی سے کم چلتا ہے رستا دھوپ میں

سایہ میں کیوں اس کے در کے سو گیا معروف تو
تجھ کو اس تقصیر پہ اس نے بٹھایا دھوپ میں

آٹھوں پہر کسو کے جو فکر و بال میں ہیں / گویا ہم اس جہان میں نہیں اس جہاں میں ہیں

کیوں سرگراں ہو تم میرے نالوں سے ہمدمو / آخر جرس تو اور بھی اس کارواں میں ہیں

سوزِ تپِ دروں سے نہ پوچھو کہ مثلِ شمع
شعلے ہمارے تن کے ہر اک استخواں میں ہیں

بیدار عیش خواب میں رہتے ہیں اہلِ دل
غافل ہیں جو خدا سے وہ خوابِ گراں میں ہیں

دنیا پسند طفل مزاجاں نہ کیوں کہ ہو
نقش و نگار یعنی بہت اس مکاں میں ہیں

صحرا نوردگانِ جنوں کا نہ پوچھ حال
چھالے پڑے ہیں پاؤں میں کانٹے زباں میں ہیں

سینہ پہ ہاتھ رکھ کے ذرا دیکھ لیجیے
گر سوزِ دل کے آپ مرے امتحاں میں ہیں

شاید ہوا اسیر کوئی ہم صفیر آج
مرغانِ شاخسار جو شور و فغاں میں ہیں

اُٹھتے نہیں ہیں ہم کوئی بیٹھے جو اُس کے پاس
کس طرح کے یہ وہم دلِ بدگماں میں ہیں

بیڑے کے دینے سے ترے احوال کھل گیا
مضمونِ قتل سطرِ رگِ برگِ پاں میں ہیں

ہیں یہ بھی مرغِ دل کے گرفتاریوں کے دام
ڈورے یہ لال لال جو چشمِ بتاں میں ہیں

تجھ میں گلِ کرشمہ کھلے ہیں ہزارہا
دو چار ڈھب کے پھول تو ہر گلستاں میں ہیں

ہر سچ تو یوں خدا کے بھی آگے کہیں گے ہم
جو خوبیاں کہ اُس بتِ نامہرباں میں ہیں

گر رعبِ حسن ہمّت تقریر دے ہمیں
لاکھوں طرح کے سحر ہمارے بیاں میں ہیں

سچ پوچھیے اگر تو کسو بات میں نہیں
جس جس طرح کے لطف کہ وردِ نہاں میں ہیں

قاتل ہماری لاش کو مت چھوڑ بے کفن
ہاں شرم کر کہ ہم بھی ترے کشتگاں میں ہیں

دیوانگی کا اپنی ہو معروف کیوں نہ غل
روزِ ازل سے سلسلۂ خواجگاں میں ہیں

تیرے زخمی کے جو زخمِ سر و تن سیتے ہیں
پوچھتے جاتے ہیں دیکھو کہ کفن سیتے ہیں

چشمِ زخم آئے نہ جز مردکِ نامردوں پہ
کہ سوا باز کے کب چشمِ زغن سیتے ہیں

زلفِ مشکیں کا تصور جو کیا چشم کو سی
مشکِ نافہ کو دلا اہلِ ختن سیتے ہیں

حرفِ مطلب کوئی کیا منہ پہ جو لب تک لائے
کہ وہاں ہونٹھ کے ملتے ہی دہن سیتے ہیں

ناتواں یوں جو ترا وصل ہو بستر سے ہم
ضعف میں کیا کہیں بستر سے بدن سیتے ہیں

سامعین بھاڑ کے منہ بیٹھیں جہاں اے **معروف**
اس جگہ اپنا دہن اہل سخن سیتے ہیں

رگڑوں ہوں سر جو پائے بت مہ جبیں سے میں
واللہ آسماں پہ پہونچا زمیں سے میں

کیا جی میں ہوں خجل دل اندوہ گیں سے میں
نکلتی نہیں خوشی جو دلا دوں کہیں سے میں

دیدار اب خدا کا مجھے ہو چکا نصیب
یعنی ہوا ہوں ایک نگہ سرمگیں سے میں

بحر حباب سے ہے غرض کیا کہ جوں حیات
رکھتا ہوں کام اب تو دم واپسیں سے میں

مرنے کے گو قریب ہوں پر ہوں وہ زندہ دل
ہنستا ہوں اس بڑھاپے میں ہر اک حسیں سے میں

اس سرو قد کی سنتے ہی آمد اچھل پڑا
ماری خوشی کے تا قد آدم زمیں سے میں

ایک موج بحر ہر شکن آستیں بنی
پونچھوں ہوں اشک دیدۂ تر آستیں سے میں

پروا نہیں ہے کچھ مجھے نام و نشان کی
پر گندہ دل جہاں میں ہوں نقش نگیں سے میں

کیوں اس طرح سے خانہ نشیں ہو کے بیٹھتا
رکھتا جو عشق گر کسی پردہ نشیں سے میں

مسند نشیں ہوں رتبۂ حق الیقین کا
محجوب گرچہ دل میں ہوں عین الیقیں سے میں

سارے جہاں میں تجھ کو چنا اس نگاہ نے
تحسین چاہتا ہوں جہاں آفریں سے میں

اس نازنیں بغیر قسم بے نیاز کی
رکھتا نہیں نیاز کسی نازنیں سے میں

موج خطر سے بحر میں اتنا نہیں خطر
ڈرتا ہوں جس قدر تری چین جبیں سے میں

اللہ رے انتظار کہ کوٹھے پہ چڑھ کے روز
قاصد کو دیکھتا ہوں کھڑا دوربیں سے میں

معروف ہوں گدائے در شاہ مرتضیٰ
رکھتا ہوں کام اس لیے نان جویں سے میں

ملے کہاں سے جب اس سیم بر میں خاک نہیں
ہم ایسے ایسے قلندر کہ گھر میں خاک نہیں

الہٰی کس کی یہ دیکھیں ہیں سرمہ سا آنکھیں
کہ دو جہاں تلک اپنی نظر میں خاک نہیں

عزیزو اس رہِ ہستی میں کیوں مکدر رہو
چلو عدم کو کہ اس رہ گزر میں خاک نہیں

بصر کا نقص ہی خاکِ شفا کو کہنا خاک
یہ خاک دیدۂ اہل بصر میں خاک نہیں

بجا ہی کوئی شرر کو کہے اگر ناری
بغیر آگ کے دیکھا شرر میں خاک نہیں

بشر کو حق نے بنایا ہی چار عنصر سے
کہو نہ خاک کہ صرف اس بشر میں خاک نہیں

نہ جی چرائے ہر ایک کیوں عدم کے جانے سے
سوائے رنج کے راحت سفر میں خاک نہیں

یہ اتنی خاک پتنگوں کی کیا ہوئی اے شمع
کہ دیکھ دامن بادِ سحر میں خاک نہیں

کیا ہی قتل تو دفن اپنی ہی گلی میں کر
کہ چھوڑنے کا یہ ایک لحظہ بھر میں خاک نہیں

وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر **معروف**
یہ مفلسی ہی تیمم کو گھر میں خاک نہیں

یار کی جب سے خبر کچھ ہمیں معلوم نہیں
خلق بستی ہی کدھر کچھ ہمیں معلوم نہیں

دل کا سودا تو کیا عشق کے بازار میں لیک
آج تک نفع و ضرر کچھ ہمیں معلوم نہیں

رات تھی دن تو نہ تھا تو جو چھپایا یوں ہم سے
باعث اے رشکِ قمر کچھ ہمیں معلوم نہیں

نہ تو سوجھے ہی نہ انکار کیا جاتا ہی
رگِ جاں ہی کہ کمر کچھ ہمیں معلوم نہیں

دور نظروں سے جو تم ہم کو لگے ہو رکھنے
کیا ہی اب مدِّ نظر کچھ ہمیں معلوم نہیں

گھر سے بس چلتے ہی اس کے یہ گئے آپ سے ہم
کون لایا ہمیں گھر کچھ ہمیں معلوم نہیں

بے خودی نے یہ کیا آپ کی ہم کو شبِ وصل
ہوئی کس وقت سحر کچھ ہمیں معلوم نہیں

کیا زمانہ کی خبر پوچھے ہی ہم سے ہمدم
اس بن اپنی بھی خبر کچھ ہمیں معلوم نہیں

دیکھتے گنبدِ گردوں کو ہوئی عمر تمام
کس طرف اس کا ہی در کچھ ہمیں معلوم نہیں

سخت حیران ہیں ابھی دیکھ کے آئینہ کو
کیوں ہی یہ دیدۂ تر کچھ ہمیں معلوم نہیں

بے خبر زندگی و موت سے ہم ہیں **معروف**
کب جیے کب گئے مر کچھ ہمیں معلوم نہیں

مزا جو گفت و شنو میں ہی کچھ بیان نہیں
زباں کے کان نہیں کان کے زبان نہیں

کہا جو میں نے کہ اس ناتواں کا سنئیے حال
کہا جو حال سنائے وہ ناتوان نہیں

بس ایک تھا دل بریاں سو دے چکے یکبار
سمجھ کہ مانگو کبابی کی ہاں دکان نہیں

رکھے ہی اور ہی کچھ منزلت یہ بے قدری
ہزار حیف کوئی اس کا قدردان نہیں

لڑا اوغیر سے آنکھیں میری نظر میں رہو
خیال میں نہ رہے یہ کہ اس کا دھیان نہیں

خدنگ عشق میری جان تیز دستی ہی
عبث چڑھائی ہی بھوں حاجت کمان نہیں

مریض عشق کی تیرے جو دیکھی ہی تصویر
کرے ہی سخت تاسف کہ اس میں جان نہیں

زمین شعر ہی باہر جہان سے **معروف**
کہ اس زمیں پہ جو دیکھا تو آسمان نہیں

جو آؤ تم میرے مہماں حسام الدین حیدر خاں
کروں دل نذر جاں قربان حسام الدین حیدر خاں

کہیں ہیں اہل معنی دیکھ کر مصر حقیقت میں
بصورت ہی مہ کنعان حسام الدین حیدر خاں

تری ابرو کی جانب صورت قبلہ نما دل ہی
سمجھ کر قبلۂ ایمان حسام الدین حیدر خاں

فقط تحریر خط ہی کچھ نہ تفسیر حسینی ہی
کہ ہی سرخ بھی تیرا قرآن حسام الدین حیدر خاں

کرے ہی لب ترے وقت سخن گویا مسیحائی
کہ جی اٹھتا ہی ہر بیجان حسام الدین حیدر خاں

نکیوں ہو دور تیرے دیکھنے سے درد دل اپنا
کہ ہی تو درد کا درمان حسام الدین حیدر خاں

گلوں کے زخم دل پر خندۂ دنداں نما تیرا
چمن میں ہی نمک افشاں حسام الدین حیدر خاں

میری آنکھوں سے شکل اپنی اگر دیکھی تو رہ جائے
بشکل آئینہ حیراں حسام الدین حیدر خاں

دل معروف سے تیری محبت کیوں نہ ظاہر ہو
رہی کیا گل میں پنہاں بو حسام الدین حیدر خاں

کیونکہ بہم ہوں مہر و مہ پوچھیں تو مت بتا کہ یوں
جب شب ہو مہروش منہ سے نقاب اٹھا کہ یوں

کوندے ہی برق کس طرح پوچھیں تو مت بتا کہ یوں
منہ کو چھپا کے کھول دے کھول کے پھر چھپا کہ یوں

جو یہ کہے کہ جذب عشق کیونکہ اثر دکھائے ہی
میرے گھر آ اور اپنے ساتھ اس کو بھی کھینچ لا کہ یوں

کوئی اگر کہے کہ تو لیتا ہی کس طرح سے دل
میری بغل میں بیٹھ جا اور اُسے بتا کہ یوں

گر یہ کہیں کہ بعد مرگ دیجیے کسی کو کیونکہ دکھ
غیر کے ساتھ ایکبار قبر پہ میری آ کہ یوں

کیسے نگاہِ یار سے گر گئے جب کیا سوال
قطرۂ اشک ایک بار چشم سے گر پڑا کہ یوں

ذکر یہ تھا کہ کھینچے ہی کاہ کو کیونکہ کہربا
اس میں یہ ناتواں وہاں آ جو گیا کہا کہ یوں

ق

گرمی خو کا تیری ذکر میں نے کیا جو شمع سے
سنتے ہی اتنی بات کو شعلہ بھی کانپ اُٹھا کہ یوں

پوچھا جو اس سے کس طرح خاک میں مل گیا وہ شخص
نام میرا زمین پر لکھ کے مٹا دیا کہ یوں

دیکھو تو میرا حوصلہ سنتے ہی اتنی بات کے
مر تو گیا یہ شرم سے پہ بھی نہ کہہ سکا کہ یوں

ذکر چلا کہ یار بن جیتے ہیں یار کس طرح
بس یہ الٰہی بخش نے سنتے ہی جی دیا کہ یوں

میں رنج محبت کبھی راحت سے نہ بدلوں
عیش دو جہاں اس کی مصیبت سے نہ بدلوں

تجھ سے کبھی یوسف کو اگر بدلے زلیخا
زنداں میں پڑوں پر کسی صورت سے نہ بدلوں

یہ رنگِ رخ زرد جو سرمایۂ غم ہی
بدلیں جو وہ قاروں کی دولت سے نہ بدلوں

گر لاکھ کوئی مجھ پہ قیامت کرے برپا
تو بھی تیرے قامت کو قیامت سے نہ بدلوں

اس عشق کی رسوائی میں پائی ہی یہ عزت
حرمت سے کوئی بدلے تو حرمت سے نہ بدلوں

مالوف ہی دل اس غمِ الفت سے یہاں تک
گر بدلو خوشی سے غمِ الفت سے نہ بدلوں

دے خضر اگر چشمۂ حیواں بھی تو ہرگز
واللہ تیری چشمِ عنایت سے نہ بدلوں

جنت کو اگر بدلے کوئی اس کی گلی سے
مر جاؤں مگر میں کبھی جنت سے نہ بدلوں

آتا ہی میرے آگے وہ سو بھیس بدل کر
کس طرح بھلا اپنی میں حالت سے نہ بدلوں

ایسی ہی حلاوت ترے بوسہ کی شکر لب
میں نزع میں بھی قند کے شربت سے نہ بدلوں

پکڑا ہی نقاہت سے درِ یار کو محکم
یہ اپنی نقاہت کبھی طاقت سے نہ بدلوں

دے کوئی دو عالم بھی مجھے اس کے عوض میں
مقدور تلک صانع قدرت سے نہ بدلوں

معروف میرے پاس ہی وہ گنج قناعت
اسکندر و دارا کی بھی حشمت ہے نہ بدلوں

ہی مجھے رہنا قبول ای چرخ تلواروں کی چھاؤں
پر نہ بھلا دام الفت کے گرفتاروں کے چھاؤں

سوز غم میں عاشقوں کو کیوں نہ یاد زلف ہو
یعنی مشکل زندگی ہی دھوپ کے ماروں کی چھاؤں

وحشی و مجنوں کہے ہی مجھ کو وہ لیلےٰ منش
بید مجنوں کی جوا نہیں بیچھ ہی ہاروں کی چھاؤں

وقت گریہ لخت دل آنکھوں سے یوں اپنی چلا
واقف منزل چلے ہی جس طرح تاروں کی چھاؤں

منعم اس دولت پہ نازاں ہو ہی یہ اس طرح
دم بدم ڈھلتی رہے ہی جیسے میناروں کی چھاؤں

یاد مژگاں گر بت غم میں دلا کے ہی نورد
یعنی غیر از آب پاشی کچھ نہیں خاروں کی چھاؤں

اتو وہ سورج کبھی رکھتے ہیں سر پر دھوپ میں
لیک بے بنیاد ہی معروف زرداروں کی چھاؤں

ردیف و

کہدو کوئی یہ اس بت مست شراب کو
کیجو خراب مت کسی خانہ خراب کو

دل واں لگا ہی کس سے کہوں اس عذاب کو
جو ایک جانتا ہی عذاب و ثواب کو

بحر جہاں میں دم کا بھروسا نہیں ہی آہ
کیا دیکھتے ہو آپ کو دیکھو حباب کو

کرتا ہی اس طرح دل خود رفتہ ذکر وصل
جوں خواب میں بیان کرے کوئی خواب کو

دیکھو وفور شوق ابھی لکھ رہا ہوں خط
دل مضطرب ہی پہلو میں خط کے جواب کو

لو ہم ہی اس جہان سے روپوش ہو چلے
تہ کر رکھو اب آپ اس اپنے حجاب کو

اب دور کے بھی دیکھنے سے اس کے رہ گیا
کیا کوسوں آہ اپنی میں چشم پر آب کو

ہر دم قلق سے جان پہ تازہ عذاب ہی
لب تو لعل میں رکھو نہ کار ثواب کو

گر میری زیست چاہو تو سینہ کو چیر کر
جلدی نکالو اس دل پر اضطراب کو

معروف درسِ عشق میں جاتے ہی ایک بار
ہم نے خرد کے طاق پہ رکھا کتاب کو

سنتے ہی اضطرابِ دلِ دردمند کو
بے اختیار لگ گئیں مرچیں سپند کو

تو بھی نہ باز آئے گا نالوں سے مثلِ نَے
گر کاٹ ڈالے کوئی میرے بند بند کو

حیراں ہوں شکل آئینہ آئینہ کے سوا
کیا تحفہ نذر دیجیئے اُس خود پسند کو

ناصح نصیحت اتنی ہماری بھی یاد رکھ
بشرہ بشر کا دیکھ کے کہتے ہیں بند کو

کرتے ہیں تجھ کو دیکھ ہم آنکھوں کو آفریں
سب نے کیا پسند ہماری پسند کو

معروف گر کبھی مرے اشعار دیکھتا
آتا کمال رشک کمال خجند کو

عاشقِ صادق ہوں میں تنہا بٹھا کر دیکھ لو
گر نہیں باور تو اچھا آزما کر دیکھ لو

یہ اگر کچھ سوچتے ہو اس کے تیور اور ہیں
دیدۂ و دانستہ پھر آنکھیں لڑا کر دیکھ لو

گر مزاج شوخ کا میرے مقیں ہی کچھ خیال
تو ہنسی کی بات اب مجھکو سُنا کر دیکھ لو

گر ہی اندیشہ کہ لپٹے گا تو بہر امتحاں
خوب سا اپنے گلے کو پھر لگا کر دیکھ لو

گر یہ خطرہ ہو کہ دیکھے گا یہ دُز دیدہ نگاہ
تو یہ چوری تم میری آنکھیں چرا کر دیکھ لو

یہ اگر ڈر ہو نشہ پی کر کہیں لائے نہ فعل
تو ابھی تم ساتھ اپنے مے پلا کر دیکھ لو

دل میں بوسہ کی طرف گر ہو جھجکا آپ کے
تو تو اچھی بات منہ سے منہ ملا کر دیکھ لو

خوف ہاتھا پائی کا گر ہو تو میرے روبرو
دست و پا میں اپنے تم مہندی لگا کر دیکھ لو

گرچہ ہے معروف میری پاکبازی دہر میں
سب طرح تم دل سے لیکن شک مٹا کر دیکھ لو

دلِ بیمار کی اُس نرگسِ بیمار سے پوچھو
پریشانی اگر پوچھو تو زلفِ یار سے پوچھو

خبر زاہد کو کب ہے شورِ محشر کی جو بتلائے
اگر یہ پوچھنا ہے تو خرامِ یار سے پوچھو

مکدر رہی ہے جب کہے ہی وصل ہونے کی
صفت تم اُس کے ہکلانے کی سب تکرار سے پوچھو

متاعِ دل کو رکھو ہو بیارزاں ایک بوسہ پہ
گراں گر جانتے ہو اور بھی دو چار سے پوچھو

تم آئینہ کو رکھ کر پیش جو کرنے لگے باتیں
جواب اس کا کوئی کیا دے جو دیوار سے پوچھو

مزا ہنسنے میں جینا اور رونے میں ہی جو لذت
کسی مجروحِ تیغِ ابروئے خمدار سے پوچھو

ہے چاہو آرزو **معروف** کی تم پر یہی ہو ظاہر
اکیلے ایک دن اُس کو بٹھا کر پیار سے پوچھو

سچ تو یوں ہی آپ ہم سے آشنائی کر رکھو
یا ہمارے ہو رہو یا ہم کو اپنا کر رکھو

جھوٹ کیوں کہتے ہو ہم بے بس ہیں مل سکتے نہیں
لاکھ ڈھب ملنے کے ہیں ملنا اگر جی پر رکھو

خانۂ دل کو نہ ڈھاؤ ہی وہاں بیتِ خدا
اے بتو کچھ تو بھلا دل میں خدا کا ڈر رکھو

دل سے کب جاتی ہی سمجھانے سے اس ابرو کی یاد
ناصحو اپنی نصیحت طاق پر اب دھر رکھو

میں موا ہوں یار وا ایک پردہ نشیں کے دھیان میں
ہی مناسب گر مجھے تہہ خانہ کے اندر رکھو

ایک دل رکھتا ہوں سو بوسہ پہ دیتا ہوں تمہیں
خواہ قیمت میں لگاؤ خواہ گروی دھر رکھو

ہی ارادہ اُن کے گھر چلنے کا شب تاری ہے گر
تو سنا **معروف** منہ دربان کا اُن کے بھر رکھو

اُس دل کو داغ جس کو تیری آرزو نہ ہو
اُس منہ میں خاک جس میں تیری گفتگو نہ ہو

البتہ عشق و حسن بھی رسوا کبھو نہ ہو
گر آگ میں دھواں نہ ہو پھولوں میں بو نہ ہو

تڑپے ہی برق کثرتِ بارش میں اور بھی
رونے سے شعلۂ تپشِ دل فزوں نہ ہو

وہ ہاتھ ٹوٹیو نہ ہوا جس سے چاک جیب
وہ جیب چاک ہوجیو جس میں رفو نہ ہو

کیا بات رنگ محفلِ تصویر کی جہاں
آپس میں باوجود دہن گفتگو نہ ہو

مستی میں ہم کو قلقلِ مینا خوش آئے ہی
تو اک حیات بادہ گرہ در گلو نہ ہو

کب چین دے ہی تفرقہ پردازی دوئی
جب تک کسی کا دل بخدا یکسو نہ ہو

ایسا نہیں ہوا غمِ فغفور کا رگر
جس سے جگر میں کاسۂ چینی کی ہو نہ ہو

غافل حساب عمر میں ہرگز نہ گن اُسے
جس دم کے آنے جانے میں اللہ ہو نہ ہو

گر آرزو ہی قتل کی میرے تو ہاں ابھی
یہ کس کی آرزو ہی تری آرزو نہ ہو

ہنستے ہو کیا سمجھ کے مجھے کشت زعفران
عاشق کو چاہیئے کہ بدن میں لہو نہ ہو

تصویریں اس کی دونوں طرف ہیں اُدھر اُدھر
منقوش کیوں نہ ہیں کا ورق ہر دو رو نہ ہو

معروف ہر سحر ہیں اُس کی بسان مہر
کیونکر تلاش در بدر کو بہ کو نہ ہو

چرخ و رقیب اب با ہم مجھسے دل میں رکھیں ہیں کینے دو
میں تو بچا را ہوں اشراف یہ ہیں کو ئی کمینے دو

بعد از مدت کل جو یکایک وصل ہوا تو ہم اور وہ
یوں تکتے حیران آپس میں ہوں جیسے دھرے آئینے دو

واں یاران کے گھر میں شب کو ہم نے جا کر پھینکے پھول
پتھر بھی پر ہم کو نہ مارے وہاں سے آہ کسی نے دو

میں نے اُسے کہلا کے بھیجا اب تو ایک دن آکر مل
تجھ بن مجھ کو روتے گزرے یعنی آج مہینے دو

سُن کے کہا کہ کہہ بھیجو اُن سے میں نے مزا بس بھر پایا
کیجیئے معاف اب مجھ کو صاحب یونہی کوئی دن جینے دو

لختِ جگر اور پارۂ دل معروف نہ کیوں آنکھوں میں رکھے
یعنی تیرے نام کے ہیں اے راحتِ جاں یہ نگینے دو

کہا تھا کس نے یہ تم سے کہ ہم سے چاہ کرو
جو چاہ کی ہی تو جب تک نبھے نباہ کرو

میں اپنے کشورِ دل کا کیا تمھیں مختار
تم اب سفید کرو آگے یا سیاہ کرو

زمیں تو نعش شہیداں سے اب نہیں خالی
مگر یہ بام فلک ہی جو قتل گاہ کرو

چھٹے نہ تو بھی غرض اُس کے ہاتھ سے کاسہ
گدا کو تخت پہ فغفور کے جو شاہ کرو

ہجوم خلق پہ کھینچو نہ تیغ مثل ہلال
اُدھر ہی صاف ہی مطلع جدھر نگاہ کرو

عبث ہی کعبہ کے جانے کا رنج اے زاہد
نہیں جو ہووے پیدا تم اُس سے راہ کرو

لگی تو یہ نہیں پہنچے گی آگ اے معروف
بہت ہی تیز ہوا آج تم نہ آہ کرو

ذبح کیجو گر کروں پھر نالہ اے صیاد تو
بر قفس میں غش ہوں میں مجھ کو نہ کر آزاد تو

اپنی آنکھیں باندھ لے آئے نہ مجھ پر تجھ کو رحم
میری آنکھیں کس لیئے باندھے ہے اے جلاد تو

دشت وحشت خیز سے لے اے اپنی گرد باد
مشت خاک عاشقاں کرتا ہے کیوں برباد تو

اس کا وعدہ آن پہنچا جس سے تھا وعدہ تیرا
اپنے اُٹھ بے درد کیا بیٹھا ہے گھر میں شاد تو

اضطراب دل سے تیشہ اپنے سر پر مار کر
ہم سے ہتک عاشقاں چاہے ہے اب کیا داد تو

عشق شیریں سے نہ تھا تجھ کو اگر ہوتا تو آہ
جان شیریں ہاتھ سے کھوتا نہ اے فرہاد تو

آہ کی تاثیر دیکھی آ ملا معروف سے
بے مروت تو ستمگر تو جفا ایجاد تو

کب وہ رہے ہے روز و شب غیرت ماہ روبرو
گاہ چھپے ہے ہم سے وہ ہووے ہے گاہ روبرو

عکس صف مژہ جو ہیں آئینہ میں نظر پڑا
دنگ تھے وہ کہ پھر گئی ناف سپاہ روبرو

چاند وہ شب برات کا دیکھ چلے تو پیچھے سے
ہاتھ بڑھا کے ہم نے کی سبز گیاہ روبرو

غیر کے آنے جانے کی قسمیں وہ کھا رہے تھے رات

اس میں وہ آگیا تو ہم بولے نگاہ روبرو
عشق کے میرے تم شہود چاہتے اور کس سے ہو
دیدۂ تر ہیں دیکھ لو دونوں گواہ روبرو
بوسہ ذقن کا مانگیے اُس سے یہ اپنا منہ کہاں
تشنہ لبی سے مرتے ہیں گرچہ ہی چاہ روبرو
موزے چڑھا کے اُٹھ گیا تو بھی وہ مست ترکناز
ہم نے اُتار کر رکھی گرچہ کلاہ روبرو
یوں دل پُرالم ہوا اپنا غریق بحرِ عشق
جیسے بھرا ہوا جہاز ہووے تباہ روبرو
عذر نہ کیجے بار بار غیر سے گر ہوئے دوچار
یعنی گنہ سے ہی بُرا عذرِ گناہ روبرو
آنسو سے بھی ہو حجاب جس بُتِ پُرحجاب کو
کیونکہ میرے دھوئیں کا ہی بارِ الٰہ روبرو
نہ کبھی زلف چھو سکے نہ کبھی رُخ پہ کی نگاہ
گرچہ اُنھوں کے ہم رہے شام و پگاہ روبرو

خوش ہو الٰہی بخش تو آج رقیب مرگیا
آئے دوشالہ اوڑھ کر وہ جو سیاہ روبرو

گو نہ بیٹھے ہو ہی جاوے وہ ادھر اتنا تو ہو
اس تصور نے لگایا ہم کو ایسی راہ پر
ہائے کی پو پھٹتے ہی ایسا کلیجہ پھٹ گیا
جان نکلی پر نہ نکلا میرے سینے سے وہ تیر

ہاں کبھی ای جذبۂ اُلفت اثر اتنا تو ہو
ڈھونڈتے تھے جس کو پایا راہ بر اتنا تو ہو
وصل کی شب چاہیے بیمِ سحر اتنا تو ہو
واقعی گر ہو کسی کا دل میں گھر اتنا تو ہو

پونچھ جاتا ہی میرے آنسو وہ آکر گاہ گاہ
چشم تر تنہا باشِ رونے کا اثر اتنا تو ہو

گو نہ عاشق عشق میں جو کو ممکن ہو کامیاب
لیک مر تو جائے تیشہ مار کر اتنا تو ہو

شب کہا میں نے اُنھوں کو رُخ تمھارا ہی قمر
ایڑی دکھلا کر کہا پہلے قمر اتنا تو ہو

ہول دل ہوتا ہی یاد آتی ہی جب تنگیِ گور
آسماں آوے نظر رہنے کا گھر اتنا تو ہو

جو میری صورت کو دیکھے ہی کہے ہی رو کے وہ
حق تو یوں ہی کوئی عاشق ہو اگر اتنا تو ہو

شعر ہی اور درد ای معروف بس مت مختصر کھا
سامعیں ہوں سُنکے جس کو چشم تر اتنا تو ہو

ہم نے آزار لگایا یہ دلِ زار کو تو
دل دکھانا ہی نہ تھا تجھ سے دلِ آزار کو تو

آزماتا نہیں کچھ اپنی وہ تلوار کو تو
قتل عاشق سے ہی عشق اُس بُتِ خونخوار کو تو

دوڑ کر ہم جو گلے لگ گئے اُن کے تو رقیب
کہتے ہیں دیجئے گل ایسے گنہگار کو تو

بزمِ می میں میرے رونے سے وہ رکتا کیوں ہی
مینہ برسنے کی خوشی ہوتی ہی میخوار کو تو

بس وہیں حفظ مراتب نے دیا ڈانٹ ادب
ہم نے کل کہہ کے پکارا جو سگِ یار کو تو

جنسِ دل گر نہیں لیتے تو نہ لو جانے دو
پر نہ بھڑکائیے گا اور خریدار کو تو

تیرے لانے کو اشارہ سے کہا یاروں کو
اتنی طاقت بھی نہیں ہی تیرے بیمار کو تو

گرچہ جنت میں ملے سایۂ طوبیٰ لیکن
ہم نہ بھولینگے تیرے سایۂ دیوار کو تو

کیا ہوا اگر نہیں آیا میری پرسش کے لیئے
ٹوک لیتا ہی وہ گاہے میرے غمخوار کو تو

دین و دُنیا کے مطالب سے نہیں ہی مطلب
ہی فقط تیری طلب تیرے گنہگار کو تو

برگ گل توڑے ہی اور دعوئے عشق ای بلبل
دیکھ تو بھولی ہوئی آنکھوں سے منقار کو تو

ہم ہیں اور داغِ محبت کا تماشا دن رات
مدتیں ہو گئیں سیرِ گل و گلزار کو تو

کس طرح تو نے یہ جانا کہ نہیں مرنے کا
یاس ہی اب تیرے بیمار کے غمخوار کو تو

جو کہ آثار اب اُس کو ہی تیری جان سے دور
مرض الموت بتاتے ہیں اس آزار کو تو

یوں خدا چاہے تو مرے کو جلا دے لیکن
نہ بچتے دیکھا نہیں اس شکل کے بیمار کو تو

گرچہ سب باتوں سے ثابت ہے لیکن معروف
دیکھ لیتے ہیں کن آنکھوں سے طرحدار کو تو

شہید ناز کی قبرا ہی مت گلاب سے دھو
لہو سے دھو نہ ملے گر لہو تہاب سے دھو

کہیں کام نہ ہو وے تجھے ہوا ہی سرد
نہ منہ کو اٹھتے ہی تو گرم گرم خواب سے دھو

وہ صوفیوں میں ہی جو شوخ کر گیا مجروح
ہمارے زخم کو جراح مت شراب سے دھو

چھوا جو زلف کو ہم نے تو کیا گناہ کیا
نہ بار بار اسے دل کے پیچ تاب سے دھو

ستم کشوں کو ہی تیرے نفس شماری آج
بس اب تو ہاتھ کہیں جور بحیات سے دھو

تیرا نہ ہاتھ کٹے قتل ہم ہوئے تو ہوئے
نہ تیغ و تیر کو ظالم اس اضطراب سے دھو

جو وصف زلف و رخ اس کا کرے ہی تو معروف
تو دل کے مشک کا منجن دہن گلاب سے دھو

بوسۂ لب شتاب یا بخشو
نہیں میرا کہا سنا بخشو

یا روائس پنجۂ حنائی کو
اپنا یکمشت خوں بہا بخشو

دل میرا غم کو کیوں دیا ہو کون
تم جو یوں مال غیر کا بخشو

آہ و نالہ سے ہی یہ دل کا سوال
ناتواں ہوں مجھے غذا بخشو

جینے جی ہم کو تم سے تھا اخلاص
پڑھ کے قل تو کبھی ذرا بخشو

ق

مجھ سے افشا ہوا جو راز نہاں
اے بتاں یہ میری خطا بخشو

بخشتا ہی خدا بھی تین گناہ
ایک تم بھی گنہ میرا بخشو

جب کہا میں نے زلف مشکیں کو
چھو لیا ہو گئی خطا بخشو

سن کے ایک پیچ و تاب کھا معروف
سر پہ رکھ ہاتھ یوں کہا بخشو

دوزخ ہے بن ترے مجھے بستاں ہی کیوں نہ ہو
تو ہو تو پھر بہشت ہے زنداں ہی کیوں نہ ہو

اُس در پہ دیکھ سکتے نہیں آدمی کو ہم
آتا ہے رشک گرچہ وہ درباں ہی کیوں نہ ہو

اس دل کا زلفِ یار سے سودا کریں گے ہم
اس میں بلا سے اب ہمیں نقصاں ہی کیوں نہ ہو

بوسہ کے بھی نہ جو کہ لبِ لعل کام آئے
پتھر ہے پھر وہ لعلِ بدخشاں ہی کیوں نہ ہو

حب الوطن بشر کی کوئی جیسی جائے ہو
قبضہ میں اُس کے ملک سلیماں ہی کیوں نہ ہو

جو خوبرو ہے کانپے ہے وہ اُس کے سامنے
ہرچند رشکِ مہر درخشاں ہی کیوں نہ ہو

دیکھوں کبھی نہ بھر کے نظر بن تیرے اُدھر
ہرچند سامنے مہِ کنعاں ہی کیوں نہ ہو

جس میں نہ ہووے درد وہ انسان ہی نہیں
ایمان کی تو یوں ہے مسلماں ہی کیوں نہ ہو

معروف جس غزل میں کہ لگتا نہیں ہے دل
مشکل پڑی وہ کہنے میں آساں ہی کیوں نہ ہو

کرے گو کفر ثابت صاحبِ ایمان پر جادو
عزیزو پھر تو شب کیا دن کو جب چاہیں چلے جادو
دکھا کر نرگس جادو بلا گھر میں گیا وحشی

وہ کافر ہی کرے تجھ سے نہ جو انسان پر جادو
جو چل جائے کبھی اُس شوخ کے دربان پر جادو
تجھی کو ایک دیکھا جو کرے مہمان پر جادو

دل نالاں کو میرے کر دیا یوں بند حیرت نے
کوئی دشمن کرے جو شخص خوش الحان پر جادو

اس اندیشہ سے چھوڑا شوخ نے اب پان کا کھانا
مبادا کوئی پڑھ کر پھونک دے کچھ پان پر جادو

بلا ساحر ہی اُس کی چشم کے سُرمہ کا دُنبالہ
کرے ہی نیرہ ناز شاہ ترکستان پر جادو

بیاں کو سحر ہی ناصح کا پر دل کو اثر کیا ہے
چلا کب سامری کا موسیٰ عمران پر جادو

یہ از خود رفتگی ایسی نہ تھی معروف کو آگے
کسی نے کچھ کیا اس خانماں ویران پر جادو

ردیف ہ

جو ہی تجھ کو مرا اے دل ربا منہ
تو آئینے کو اتنا مت لگا موہنہ

دماغ اُن کا فلک پر کیوں نہ ہووے
کہ وہ رکھتے ہیں اپنا چاند سا موہنہ

مکدر جو رہے وہ آج بولے
سحر دیکھا تھا کس کم بخت کا موہنہ

غریق بحر الفت ہو چلے ہم
نہیں کرتا ادھر ایک آشنا موہنہ

دہن سے اُس کے دعویٰ ہمسری کا
کرے غنچہ جواب رکھتا ہی کیا موہنہ

نزاکت کی ہو اُس کے کس سے تعریف
نہیں دیکھا کوئی اس طور کا موہنہ

گل خورشید کے سایہ کے نیچے
گیا ہو جس کسی کا تمتما موہنہ

غزل اک اور کہہ معروف ایسی
کہ سُنکر چوم لے جرأت تیرا موہنہ

کبھی دیکھا تھا ایک تصویر سا موہنہ
تکا کرتا ہوں اب ایک ایک کا موہنہ

کہاں قاتل نے یہ ٹانکے دیئے ہیں
ہنسا تھا زخم جس کا سی دیا موہنہ

بھر آیا موہنہ میں آئینہ کے پانی
سحر دیکھا جو ہیں سرکار کا موہنہ

مروں جب میں تو یارو قبر میں بھی
اُسی کے گھر کے رُخ کیجو مرا موہنہ

تصوّر میں ہوں ایک پُرفن نشیں کے
نہ کیونکہ لوں میں ہر ایک سے چھپا مونہ

نہیں شامِ جُدائی کی سحر ہے
بس اب کالا کر و خورشید کا مونہ

بھرا کرتے رہتے تب تک ہم آہیں
نہ جب تک اُن کے درباں کا بھرا مونہ

جفائیں مجھ پہ شب سے کیا ہوئی ہیں
کہے ہی دیکھ کر ہر ایک میرا مونہ

گرا ہے اُن کی تو نظروں سے شاید
ترا جو آج ہے اُترا ہوا مونہ

لبِ شیریں کا لیں گر اُس کے بوسہ
کریں **معروف** ہم میٹھا ترا مونہ

دیکھ کر شاعر یہ کہتے ہیں اب اُس دلبر کے ہاتھ
روز ہیں بندِ مخمس اُس پری پیکر کے ہاتھ

لعل لختِ دل ملائے خاک میں یوں اشک نے
جوں لگے میراثِ والد کو دکِ ابتر کے ہاتھ

میں تو چھوڑوں پر نہیں چھٹتا ہے عشقِ سنگدل
آ گیا ہے بے طرح یارب تلے پتھر کے ہاتھ

موجِ سیلِ اشک یک برپا کرے طوفانِ نوح
دیں گریباں سے اپنے ایک پل گر سر کے ہاتھ

دست بوسی کر کے کل ناصح نے یوں مجھ کو کہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دو دل کو اُس دلبر کے ہاتھ

آخرش لے دل کو ہاتھوں ہاتھ وہ جاتا رہا
بیٹھ رہیئے بندہ پرور ہاتھ پر اب دھر کے ہاتھ

باغِ گیتی میں برنگِ غنچہ اے **معروف** اب
ہے تری عقدہ کشائی حیدرِ صفدر کے ہاتھ

مژگاں رہے یوں اشک کا دلبر شیشہ
شیشہ باز اپنے رکھے جیسے کہ سر پر شیشہ

کیونکہ تلوار نہ مستوں میں چلے ای ساقی
پیٹ سے اپنے لگا لے ہی یہ جوہر شیشہ

معرفت کی نہو کس مشکل حقیقت پہ روشن
مُے وحدت سے ہو اس دل کا منور شیشہ

آبلہ پانوں میں اپنے نہیں ای پیر مغاں
ہاتھ آیا ہی یہ تو دشت میں پھر کر شیشہ

درد سے اُس کو غرض اُس کو خوشی سے سروکار
دلِ عشاق سے ہو کیونکہ برابر شیشہ

اور ہی قافیہ میں ایک غزل لکھ معروف
محفلِ یار میں لا بھیس بدل کر شیشہ

ایک بار اپنے لگا منہ سے ذرا تو شیشہ
پھر طلسمات دکھا دے گا پری رو شیشہ

بیٹھنے کا تیرے جب لطف ہی آگے میرے
داہنے جام ہوا اور بائیں ہو پہلو شیشہ

بے طرح ابر بہاری سے میری بگڑی ہی
ساقی اب جلد پہنچ لیکے تو دارو شیشہ

محتسب لاکھ پھرے کب بخدا ہوتا ہی
دخترِ رز یہ جو دیکھا تو ہی لٹو شیشہ

راست پوچھو تو نہیں سروکہ مخموری میں
کوئی مے خوار گیا بھول لبِ جو شیشہ

سوچتا کیا ہی تو اب جلد چڑھا جا معروف
آج ہی تو یہ چڑھا ہی تیرے قابو شیشہ

اُٹھا دے درمیاں سے دور کر ای سیمبر پردہ
میرے دل کی عجب حالت ہوئی جاتی ہی در پردہ

رکھے ہی بسکہ اپنی بات کا وہ پردہ در پردہ
رقیبوں کے کیا کرتا ہی شکوے ہم سے پر پردہ

گھڑی دو چار تک تو بے حجابانہ رہے شب کو
کیا پھر ہم سے گھر والوں کو اُس نے دیکھ کر پردہ

سنو بندہ نواز اب تم یہ اُس کی کارسازی ہی
کوئی اشراق پڑھتا ہی کوئی رہتا ہی سر بر پردہ

مثالِ آئنہ جو مائلِ نظارہ ہیں اُس کے
کسی صورت نہیں رکھتے ہیں وہ پیشِ نظر پردہ

بقول مصرع اُستاد ای معروف کیا سوجھے
تیری آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہی بے خبر پردہ

پھرتے ہیں یہاں تک اُس کے خریدار ساتھ ساتھ
گویا لیئے پھرے تھے وہ بازار ساتھ ساتھ

روتا ہوں جب میں اُس دُرِ دنداں کی یاد میں
روتا ہی میرے ابرِ گہربار ساتھ ساتھ

ہرچند ہوں فتادہ ولے سایہ کی طرح
چلنے کے وقت دیکھ لے ای یار ساتھ ساتھ

روئے جو دن کو بیٹھ کے آئینہ خانہ میں
روتے تھے ل کے سب در و دیوار ساتھ ساتھ

یوں چلتے پھرتے دل میں اُس ابرو کا ہی خیال
جیسے لیئے پھرے کوئی تلوار ساتھ ساتھ

ہی ساتھ میرے جنبشِ لب کی نگاہِ چشم
پھرتا ہی اک مسیح کے بیمار ساتھ ساتھ

یوں وقت گریہ ہو نفسِ سرد جس طرح
ہو قافلے کے قافلہ سالار ساتھ ساتھ

جانِ عزیز اُس کی ہی نے جب وفا نہ کی
پھر کون دے سکے تیرے بیمار ساتھ ساتھ

ہی تنگ راہ دشتِ عدم ہائے اتفاق
یہ بھی نہیں جو ملکے چلیں یار ساتھ ساتھ

ردیف ی

جس کو میسر آئی ہو صحبت فقیر کی		لاریب ہمنشینی ہی اُس کو خدا کے ساتھ

ہی کون تیر جستہ کو پھیرے جو راہ سے / ہاں ایک مگر یہ دیکھی کرامت فقیر کی
گرچہ خدا نہیں پہ خدا سے جدا نہیں / طاعت خدا کی جان اطاعت فقیر کی
الفقر فخری آپ پیمبر نے جب کہا / کیا کچھ ہی دل میں سوچ لے حرمت فقیر کی

معروف کیجیے سیر الاولیا کی سیر
ظاہر ہیں گر بنائی ہی صورت فقیر کی

آہ جس دل میں تو نہ ہووے گی / درد کی اس میں بو نہ ہووے گی
یہ تو فرمائیے بھلا صاحب / کب تلک گفتگو نہ ہووے گی
گرمیِ حسن ہی جو کچھ تجھ میں / شمع میں شعلہ خو نہ ہووے گی
می پرستاں وہ جا ہی رونے کی / جس جگہ آب جو نہ ہووے گی
ناصحا تجھ سے اس گریباں کی / ایک دھجی رفو نہ ہووے گی
کفر و اسلام کا ہی جھگڑا شیخ / بات یہ ایک سو نہ ہووے گی
میں کہاں میری آرزو حاصل / کب تک ای تندخو نہ ہووے گی
سن کے بولا کہ حشر تک غافل / نہ ہوئی ہی کبھو نہ ہووے گی

جس کو معروف ہو گیا یار کا وصل
اس کو کچھ آرزو نہ ہووے گی

مجھ کو رونے دو زار زار ابھی / دل سے نکلا نہیں بخار ابھی
اپنے سینہ کی کل جو دکھلاؤں / بلبلیں ہوں گلے کے ہار ابھی
کیوں ابھی سے کنارہ کرتے ہو / گرم ہونے تو دو کنار ابھی
اتنا ٹھہرو کہ دل ٹھہر جاوے / اس کو آیا نہیں قرار ابھی
گر کمر امتحاں پہ باندھی ہی / کھینچ تلوار کیجیے وار ابھی
گلے لگ جاؤ ورنہ کرتا ہوں / میں گریباں کو تار تار ابھی

گر ہی اعجاز دیکھنا تو میرے
لاؤ اُس کو سر مزار ابھی

ہو نہ جب تک وصال ای معروف
کوئی ممکن ہی وصل یار ابھی

ہی فنا ابتدا فقیری کی
ہی بقا انتہا فقیری کی

مر گیا جو کہ جیتے جی اپنے
واہ وہی مرحبا فقیری کی

تو سلیمانِ وقت بھی ہی اگر
سر میں رکھ تو ہوا فقیری کی

دل ہو جس کا فقیر کچھ اُس کو
نہیں مانع فنا فقیری کی

اس بِنا کو فنا نہیں ہوتی
ہی فنا سے بنا فقیری کی

جان اُس کے دماغ کو عالی
بو ہو جس میں ذرا فقیری کی

مانگ معروف روز و شب حق سے
اپنے حق میں دُعا فقیری کی

زلف جب تک نہ اُس کے سر ہوگی
زندگی کس طرح بسر ہوگی

دیکھنا غیر سے جو ماری آنکھ
کہ ابھی اس میں مار مر ہوگی

راہ ہی دل سے دل کو میرے اُسے
کیوں نہ ہوگی خبر خبر ہوگی

دیکھ آئینہ ہی نظر آیا
نہ دو چار اس سے ہو نظر ہوگی

تو کرے گا جو گلستاں میں خرام
اک قیامت بہار پر ہوگی

اس فسردہ دلی سے ای معروف
آہ مت بھر کہ بے اثر ہوگی

آرزو مند ہیں یوں اُس کے خریدار کئی
جیسے ہو ایک انار اور ہوں بیمار کئی

آئینے آگے رکھے اُس نے جو یکبار کئی
ایک صورت کے نظر آئے خریدار کئی

کیا مزا ہی تری چٹکی میں جو اب کھا کر تیر
چپکے ہنستے ہیں ٹٹے جوں لبِ سوفار کئی

قتل کرتے ہو جو اب جرمِ محبت پہ مجھے
آپ کے ایسے تو نکلیں گے گنہگار کئی

چشمِ گریاں دلِ بریاں غمِ ہجراں لبِ خشک
ایک اُلفت سے تیری بڑھ گئے آزار کئی

حشر تک شکوہ لکھوں تیری جدائی کا اگر
تو بھی رہ جائیں گے لکھنے مجھے طومار کئی

کوئی لب آشنا ہلاتا نہیں جا کر ترے پاس
جاں بلب آئے ہیں اب تیرے طلبگار کئی

جب سے دیکھی ہے یہ تصویر سی صورت میری
ہوش کھوئے ہوئے منہ تکتے ہیں دو چار کئی

چاکِ در بند کیئے جیب سے کہ تو نے ظالم
تیرے ہاتھوں سے ہیں نالاں درِ دیوار کئی

آہ گرم و نفس سرد سے تجھ میں معروف
دردِ پنہاں کے عیاں پاتے ہیں آثار کئی

جبکہ بچھڑا ہوا ملتا ہے کسی کا کوئی
دیکھے احوال پھر اُس دم میرے جی کا کوئی

پھر نظر کچھ نہیں آتا مجھے رونے کے سوا
نظر آجائے ہے جب اُس کی گلی کا کوئی

ہاتھ اب کھینچ لیا اُس نے جو میرا تھا طبیب
مت گماں رکھو میرے وزیہی کا کوئی

آہ بے ساختہ یک دل سے نکلتی ہے مرے
نام لیتا ہے جو اُس سروِ سہی کا کوئی

سخت جانی ہے جو جیتا ہوں میں جاناں کے بغیر
حال دیکھے میری اس سنگدلی کا کوئی

ایک بجلی سی چمک جاتی ہے آنکھوں میں ہیں
ذکر چھیڑے ہے جو اُس گل کی ہنسی کا کوئی

دل میں یوں یاد ہے ایک پردہ نشیں کی ہمدم
جیسے ذاکر ہو بڑا ذکرِ خفی کا کوئی

لشکرِ غم نے ترے کشورِ دل گھیر لیا
یہ منادی ہے نہ لے نام خوشی کا کوئی

تجھ بن اب حال یہ اُس کا ہے کہ مردہ جانے
دیکھے احوال جو معروف علی کا کوئی

غنچہ کیا جانے بھلا تیرے دہن کی خوبی
سمجھے ہیں اہلِ سخن کی خوبی

اُس کی آنکھوں کا خیال آہ یہ باندھا ہے کہ اب
دل سے اب گر گئی آہوئے ختن کی خوبی

خوبیاں آپ میں ہیں یوں تو سراسر لیکن
کھب گئی جی میں یہ بے ساختہ پن کی خوبی

خوبیاں آپ میں ہیں یوں تو سراسر لیکن
کھب گئی جی میں یہ بے ساختہ پن کی خوبی

تو جو کہتا ہی سفر اور وطن یکساں ہی
دشمن عقل سمجھ اپنے سخن کی خوبی

جائے گا جب تو عدم کو تو رہے گی تیرے
نہ تو پوشاک کی خوبی نہ بدن کی خوبی

تب حقیقت یہ کھلے گی کوئی سچ کہتا تھا
ہوتی معلوم سفر میں ہی وطن کی خوبی

لوح آئینۂ دل پر لکھی اپنے یک ست
ہم نے معروف بُت اُس سیم بدن کی خوبی

بنادے زلف سے لیلیٰ اگر زنجیر مجنوں کی
سواد چشم آہو سے لکھوں تصویر مجنوں کی

بیاباں میں بغیر از نقش پائے ناقۂ لیلیٰ
بتا وُ کس سے ہو سکتی ہی پھر تسخیر مجنوں کی

یہ حُسن و عشق دکھلاتے ہیں سب مستیاں اپنی
نہ ہی کچھ جرم لیلیٰ کا نہ کچھ تقصیر مجنوں کی

ثمر لگتے نہیں دیکھا ہی شاخ بید مجنوں میں
بھلا کس طور ہو وے آہ بیں تاثیر مجنوں کی

تیری دولت جنوں دائم بیابان محبت میں
رواں ہی ہر زبان خار پر تقریر مجنوں کی

نیستاں یکقلم معروف صرف خامہ ہو تو بھی
نہ کچھ تعریف ہم سے ہو سکے تحریر مجنوں کی

جو باقی ہی اس زلف کی بات آدھی
یقیں ہی کہ ہو گی ابھی رات آدھی

بھلا جب تلک وصل ہو خط تو لکھو
کہ مکتوب بھی ہی مُلاقات آدھی

اسی آرزو میں گئی عمر ساری
پر اُس نے نہ پوچھی کبھو بات آدھی

مجھے اُس نے آدھا جو بادام بھیجا
کھلی اس سے چشم عنایات آدھی

جو دے بال آدھا تو اہل ختن کو
کریں سر زمیں وہاں کی خیرات آدھی

کیونکہ وہاں جاؤں لا تو مجھے بتلا تو سہی
جو کہے وہ ہی سے دیکھ کے یہاں آ تو سہی

تیرا کہنا وہ کرے یا نہ کرے ای ہمدم
لیک تو اپنی طرف سے اُسے سمجھا تو سہی

آتے ہی پوچھے ہے کیا دل کی حقیقت پیارے
ہوش تک میرے بجا آنے دے سستا تو سہی

طائرِ وہم جہاں اُڑ نہ سکے ای قاصد
تو وہاں جائے گا ان منہ سے ارے جا تو سہی

تیرے کہنے سے سرِ راہ پہ آ بیٹھے ہم
ہمنشیں پہلے اُسے راہ پہ تو لا تو سہی

زخمیِ تیغِ نگہ اس نے یہ دل کر کے کہا
دیکھیں کیونکر اسے سلوائے گا سلوا تو سہی

گو کہ لکھا ہے عتاب اس نے یہ مت کڑھ ای دل
شاکر جی ہیں کہ خط یار نے بھیجا تو سہی

فکر نے گھیر لیا دل کو کروں کیا **معروف**
ورنہ میں اس پہ غزل اور بھی لکھتا تو سہی

کیسی بے رحمی خدا نے اس کے جی میں ڈال دی
بات رونے کی مری سن کر ہنسی میں ڈال دی

یہ ستم دیکھو کہ مجھ کو قتل کر کے میری لاش
اپنے ایک ہمنام کے اس نے گلی میں ڈال دی

دے کے سرمہ نرگسِ جادو میں تو نے فتنہ گر
لے لیا دل خاک چشمِ سامری میں ڈال دی

چشمِ قاتل کو دیا اپنی جو حکمِ قتلِ عام
لاش پہ لاش آج اس نے دو گھڑی میں ڈال دی

اُس نگاہِ مست نے ایسا مجھے بیخود کیا
دل ہی شی میں نے بغل سے بیخودی میں ڈال دی

جس سے مسجودِ ملائک ہو گئی یہ مشتِ خاک
ایسی وہ کیا شی خدا نے آدمی میں ڈال دی

دل میں سو مطلب تھے پر لب تک نہ آیا ایک حرف
اُس کے رعبِ حسن نے ہیبت یہ جی میں ڈال دی

عرضِ مطلب کا نہ جب **معروف** یارا ہو سکا
لکھ کے عرضی میں نے اس کی پالکی میں ڈال دی

جنبشِ ابرو دکھا ای یار اکبے اور بھی
کام پورا کر لگا تلوار اکبے اور بھی

روکے کل رو کا تھا تو نے آج پھر جاتا ہے یار
روک اسے ای چشمِ دریا بار اکبے اور بھی

نکلے گر سنو بار بحرِ عشق سے خالی و لے
دل ابھی کہتا ہے غوطہ مار اکبے اور بھی

کیا کہوں سوزِ تپِ غم سے ترے ای شمع رو
گھل گیا ہے کچھ ترا بیمار اکبے اور بھی

خواہشِ قندِ مکرر ہے اب اس ناچیز کو
بوسۂ لب دے نہ کر تکرار اکبے اور بھی

دیکھ سنگِ سرمہ سے مت تیز کر تیغ نگاہ
قتل ہوں گے ورنہ یاں دو چار ایکے اور بھی

شاید آگے سے بھی کچھ پردہ سوا منظور ہی
کردی اونچی ہم نے جو دیوار ایکے اور بھی

ق

کھا چکا ہی گرچہ سو زخم اس کی تیغِ ناز کے
پر کہے جاتا ہی دل اک وار ایکے اور بھی

باوجود اس منع کرنے کے جو چھیڑا زلف کو
اس سبب برہم ہوئے سرکار ایکے اور بھی

واقعی مجھ سے ہوئی تقصیر پر للہ تم
بخش دو میری خطا اک بار ایکے اور بھی

بل بے تقدیر آہ اے معروف جو کچھ ہو سو ہو
کیجے اس سے حالِ دل اظہار ایکے اور بھی

اس لیئے گل بھی نہ دیکھا ہی گلستاں میں کبھی
وہم تا گزرے نہ کچھ خاطرِ جاناں میں کبھی

گر برا مجھ کو نہ کہتا وہ رقیباں میں کبھی
تو زباں کٹتی میری دبکے نہ دنداں میں کبھی

فرق انسان اور حیوان میں نہ ہوتا مطلق
درد ہوتا نہ ذرا گر دلِ انساں میں کبھی

روزِ محشر سے درازی میں نہیں کم یہ رات
شبِ ہجر آئیو یارب نہ زمستاں میں کبھی

شرمِ عصیاں کے سوا دوسری خجلت یہ ہی
غنچہ سا منہ کو بھی ڈالا نہ گریباں میں کبھی

پوچھو یوسف کے کوئی دل سے یہ نیرنگیِ عشق
قید معشوق کو بھی رکھتے ہیں زنداں میں کبھی

یاد آتا ہی خطِ سبز رخِ یار مجھے
دیکھتا ہوں پرِ طاؤس جو قرآں میں کبھی

قیس اسے سمجھے ہی لیلیٰ کے سواروں کی گرد
کوئی اٹھتا ہی بگولا جو بیاباں میں کبھی

بوسہ لوگوں نے جو مانگا تو وہ یوں بول اٹھے
بیٹھے شاید نہیں تم صحبتِ انساں میں کبھی

اس کی نسبت نہیں کہتے کہ وفاداری ہی
ہم نے دیکھی نہ مروت اثرے درباں میں کبھی

ہی تو سودا ہمیں گلیوں ہی کے پھرنے کا مگر
جا کے مجنوں سے مل آتے ہیں بیاباں میں کبھی

شب خیالِ لبِ لعل اس کی ہیں دیکھا یہ خواب
کہ یمن میں ہوں کبھی اور بدخشاں میں کبھی

دل گرفتہ ہیں وہ ہم جائیں گلستاں میں اگر
غنچۂ گل نہ کھلے ایک گلستاں میں کبھی

حال بیتابی دل سے دم گریہ یوں ہی
زلزلہ آئے ہے جوں شدت باراں میں کبھی

ہوں وہ عاشق کہ سبق جس نے نہ طفلی میں لیا
باب پنجم کے سوا اور گلستاں میں کبھی

حشر میں بھی ترے دیدار سے محروم رہوں
آنکھ جھپکی ہو اگر ایک پل شب ہجراں میں کبھی

دیکھ قاتل کا مرے دست حنائی معروف
تیغ دیکھی نہ ہو گر پنجۂ مرجاں میں کبھی

جو سوزِ غم کی لکھوں اپنے داستاں ساری
تو بیخ شاخہ میں جل جائیں انگلیاں ساری

لگا ہے اُس بتِ سفّاک سے دل اپنا جدا
کہ جس سے مانگتی ہے خلق الاماں ساری

جسے نہ فرصت یک دم ہو زیر خنجر ناز
حقیقت اپنی کہے کیا وہ نیم جاں ساری

کسی کی دیکھو گے تم بھی جو نیم باز آنکھیں
تو ہو گی تم پہ حقیقت میری عیاں ساری

خدا کرے نہ کرے قصد ادھر وہ غارت گر
متاعِ صبر کی لٹ جائے گی دکاں ساری

ہوا ہے جب سے ہمیں عشق گل عذاروں کا
ابھی پڑھی تھی نہیں ہم نے بوستاں ساری

تمھارے دل میں اثر ہو جو میرے گریہ کا
تو جانوں سنگ میں پانی ہوا بتاں ساری

نہ صرف یاد خدا ایک دم ہوا معروف
ہزار حیف گئی عمر رائیگاں ساری

مجھ سے دل مانگے اگر وہ دل ستاں دیدوں ابھی
بلکہ دل کیا مال ہے میں نقدِ جاں دیدوں ابھی

زلف کا فر کیش خوباں گر گلے میرے پڑے
سر زمینِ کشورِ ہندوستاں دیدوں ابھی

گیند کوئی طفل مانگے تو وہ ہوں سر باختہ
کاٹ کر سر اپنا جلدی اُس کو ہاں دیدوں ابھی

اُس نے گرمی میں رکھا ہے صوم گو ہے اب دو پہر

دل یہی چاہے ہی پر میرا اذان دیدوں ابھی
جی میں تیرے ہی نہیں قصد شکار مرغ دل
ورنہ تیرے ہاتھ میں تیر و کماں دیدوں ابھی
سُرخروئی وہ میری چاہے جو آگے غیر کے
تو بناکر اُس کے منہ میں برگ پان دیدوں ابھی
یار کو منظور رہنا ہو جو میری چشم میں
تو اُسے ای مردمان میں یہ مکان دیدوں ابھی
یا کہے لالچ سے خط دے کر زبانی بھی پیام
ہی تو یوں قاصد کو ای دل کچھ زبان دیدوں ابھی
گر یہ کھٹکا ہو تجھے گھر میں نہ آجائے کوئی
اُٹھ کے تو زنجیر در ای میری جان دیدوں ابھی

اس زمیں میں اور گر معروف کہنی ہو غزل
تو گرہ خاطر پسند نکتہ دان دیدوں ابھی

گنج قاروں ہی نہ پا کر رائیگاں دیدوں ابھی
ہوں وہ مصرف گر ملیں دونوں جہان دیدوں ابھی
جائے آسایش اگر مانگے کوئی بے خانماں
یہ مکاں کیا ہی اُسے میں لامکان دیدوں ابھی
گر کرے فریاد بلبل باغباں کے ہاتھ سے
وہ ہوں عاشق اور اُس کو بوستاں دیدوں ابھی
ہیں جہاں تک دوزخی مجھ سے کریں گر التجا
کچھ نہ پوچھوں اور اُنھیں باغ جناں دیدوں ابھی

کوئی برقع پوش مجھ سے گر کرے آکر سوال
ہیں زمیں میں جس قدر گنجِ نہاں دیدوں ابھی
خاک میں دیکھوں جو مضطر ماہیِ بے آب کو
تیرنے کو اُس کے بحرِ بے کراں دیدوں ابھی
گر کلاہ بوریا مانگے کوئی مجھ سے فقیر
بے تامل تاج تختِ خسرواں دیدوں ابھی
گر سلیماں کی میرے لگ جائے ہاتھ انگشتری
لیکے مور ناتواں کو بے گماں دیدوں ابھی
مانگے مفلس آن کر اندھا اگر گھوڑا کوئی
کھول کر گھوڑوں کے اُس کو کارواں دیدوں ابھی
مجھ سے مانگے جو دمِ مرگ ایک قطرہ آب کا
چشمۂ حیواں اُسی انساں کو ہاں دیدوں ابھی

گر کوئی میری ہی مانگے مجھ سے شاعر بول چال
کاٹ کر معروف اُسے اپنی زباں دیدوں ابھی

وہ اب نہیں پھر آئے بلا سے یہی سہی
ٹھہرے نہ ہو تو جائے بلا سے یہی سہی
کرتا نہیں وہ بات اگر در پر آن کر
آواز ہی سُنائے بلا سے یہی سہی
صورت اُسے دکھاتے ہوئے گر حجاب
تصویر ہی دکھائے بلا سے یہی سہی
گرچہ نگاہِ مہر نہ ہو ہو نگاہ قہر
پر آنکھ تو ملائے بلا سے یہی سہی
دربان کو روکنے پہ میرے گر کیسے نہ دو
خوب اُس کو کھڑ کھڑائے بلا سے یہی سہی
گر قبر پر ہماری نہ لائے وہ شمع وگل
پر ہاتھ تو اُٹھائے بلا سے یہی سہی
گزرے جواب خط سے کہیں نامہ بر شتاب
اُس کی خبر ہی لائے بلا سے یہی سہی

برسات میں وہ غیر کے ہاں جائے ہے تو جائے
پر چھاؤنی نہ چھائے بلا سے یہی سہی

اس درد دل کی ہم تو نہ کرتے دوا پر اب
یہ ہی ہے سب کی رائے بلا سے یہی سہی

گر دل کسی کا دام بلا میں پھنسائے عشق
زلفوں ہی میں پھنسا ہے بلا سے یہی سہی

خنجر سے دل نکالے تو خنجر کو چھوڑ جائے
پہلو میں دل کی جائے بلا سے یہی سہی

کچھ اور عشق میں نہیں گر فائدہ نہ ہو
کرتے ہیں ہائے ہائے بلا سے یہی سہی

معروف فکر شعر میں دل تو بہل گیا
مضموں اگر نہ آئے بلا سے یہی سہی

دیکھی جو سب نے شدت وہاں بھی میری بکا کی
کیا ہی ہنسی ہوئی ہے دیوار قہقہا کی

گر قتل مجھ کو ظالم ہے اس میں کیا برائی
ہوتی ہے مشکل آساں ایک بندۂ خدا کی

ہے شرح سے زیادہ اقلیم دل کی وسعت
کتنی کھپت ہے اس میں جنس غم و بلا کی

جو بندۂ خدا ہے شاکی ہے وہ بتوں کا
شکر خدا کہ بندہ ہرگز نہیں ہے شاکی

دیکھو تو کوئی اس کے چپ چاپ بیٹھنے کو
گویا کہ سر سے پا تک ایک پوٹ ہے حیا کی

ذوق سماع مجھ کو کچھ آج سے نہیں ہے
سوزیدۂ ازل ہوں ڈھب ہے مجھے صدا کی

مرتے تو مر گئے ہم پر لے گئے یہ حسرت
نَے یار نے وفا کی نَے عمر نے وفا کی

وہ پنجۂ حنائی عالم کا خوں کرے ہے
مانے جو بات حاکم عشاق باوفا کی

بات اُس کی اہل دل میں کیونکر فروغ پائے
معروف کے جو دل میں اُلفت نہ ہو حیا کی

چاہ کی قدر کب وہ جانے ہے
آہ کی قدر کب وہ جانے ہے

چرخ ہفتم پہ ہے دماغ اُس کا
ماہ کی قدر کب وہ جانے ہے

کشش اُس میں ہے کہربا کی سی
کاہ کی قدر کب وہ جانے ہے

جو گدا کھینچ بیٹھے دستِ طمع
شاہ کی قدر کب وہ جانے ہے

ترک کلّی کرے جو دنیا سے | جاہ کی قدر کب وہ جانے ہے
گھر سے جس نے سفر کیا ہی نہو | راہ کی قدر کب وہ جانے ہے
جس کو چوری کا پڑ گیا لپکا | شاہ کی قدر کب وہ جانے ہے

جو کہے اپنا درد دل معروف
واہ کی قدر کب وہ جانے ہے

دید دنیا حباب کی سی ہے | اس کی تعبیر خواب کی سی ہے
ساقیا مے کہاں ہے شیشہ میں | روشنی آفتاب کی سی ہے
دیکھنا کس کے دل کو داغ لگا | آج یہاں بو کباب کی سی ہے
دیکھ کر اس نے جو نہ دیکھا پھر | آنکھ اب ایک عتاب کی سی ہے
خون لیا اس نے تو یہ نکھرا رنگ | سیر ایک ماہتاب کی سی ہے
ساقیا جام مے سے ہاتھ نہ کھینچ | ابھی صحبت حجاب کی سی ہے
پیرہن میں نمود تن سے تیرے | ہلکی ایک تہ شباب کی سی ہے
دیکھو اس چشم مست کا عالم | ایک کشتی شراب کی سی ہے
منہ بنایا سوال بوسہ پر | یہ تو صورت جواب کی سی ہے
خوش ہو رونے پہ میرے وہ مہ خوا | بس کہ بارش سحاب کی سی ہے
کس کا وصف دہن کیا تھا آج | منہ میں خوشبو گلاب کی سی ہے
صبح کا کیا حساب فرقت میں | شب یہ روز حساب کی سی ہے
دشت میں فیض گریہ سے میرے | چاندنی سطح آب کی سی ہے
شعلہ ساں کچھ نہ میرے دل ہی کے | شکل ایک اضطراب کی سی ہے
اے میری جان تیری خصلت بھی | اسی خانہ خراب کی سی ہے
سن کے میرا بیان غم بولا | بات ایک پیچ و تاب کی سی ہے

جس میں تھا ذکر لیلیٰ و مجنوں | یہ تو نقل اُس کتاب کی سی ہی

حالت اب دل کی ہجر میں معروف
ایک شہرِ خراب کی سی ہی

شاید کہ قصد آمدن یار گرم ہی | قاصد کی اس طرف کو جو رفتار گرم ہی
لب پر فغاں بغل میں دل آزار گرم ہی | جو ہی سو میرے درپئے آزار گرم ہی
اُٹھتا ہی شعلہ ایک قد آدم زمیں سے | رشکِ پری بلا تیری رفتار گرم ہی
ڈر سے چھٹیں ہیں برق کے منہ پر ہوائیاں | یہاں تک ہوا ہی آہِ شرربار گرم ہی
آیا ہی تب سے یہ دل خود رفتہ آپ میں | جب سے کہ آمد آمدِ دلدار گرم ہی
کرتی ہی سب سے پردۂ مینا میں تاک جھانک | یہ دُخترِ رز بھی ایک ہی مردار گرم ہی
کس تفتہ دل کے سینہ سے گزرا ترا خدنگ | پیکاں سے لیکے تا لبِ سوفار گرم ہی
گریاں ہوں جس کی چاہ میں یعقوب کی طرح | ایسا کچھ اُس کے حسن کا بازار گرم ہی
حالت ہی شب سے یہ تیرے بیمارِ ہجر کی | گہ سرد اُس کا گاہ تنِ زار گرم ہی
دیکھ اب تو یار آکہ برنگِ چراغِ صبح | چلنے کو اس جہاں سے وہ ای یار گرم ہی

معروف آستیں میں کھنچا جب سے ہاتھ ہی
دامن سے ربط دیدۂ خونبار گرم ہی

دل ہمارا دُکھا دیا کس نے | عرشِ اعظم ہلا دیا کس نے
تجھ کو آئینہ لا دیا کس نے | تجھ کو تجھ سا دکھا دیا کس نے
ایسے بھولے کہ یہ بھی یاد نہیں | ہم کو دل سے بھلا دیا کس نے
تو جو آیا نہیں کبھی دم میں | ایسا پکّا بنا دیا کس نے
سنگ ہیں جھولیوں میں لڑکوں کی | ان کو سودا دلا دیا کس نے
بوسہ پایہ لیکے دل سے کہا | مول اتنا چڑھا دیا کس نے

میں گنہگار لیکن اے رحمت — ہم کو تقویٰ بندھا دیا کس نے

قبر میں بھی جو اُس کی یاد آئی — یہاں کا آخر پتا دیا کس نے

لام کاف اب جو تو لگا کہنے — تجھ کو ایسا پڑھا دیا کس نے

کر دیا غمزدوں کو شادیِ مرگ — مژدۂ قتل لا دیا کس نے

اب جو میرے وہ لگ نہیں لگتا — یا رب ایسا لگا دیا کس نے

سرِ عاشق ہی درد سر کے لیئے — سر میں صندل لگا دیا کس نے

دل سے اُٹھتا جو تھا دھواں معروف
یہ چراغ اب بجھا دیا کس نے

لب جو اپنا ہلا دیا تو نے — مر گئے تھے جِلا دیا تو نے

آج ہم سے جو یہ کیا پردہ — صاف پردہ اُٹھا دیا تو نے

جب سے تیرے مریضِ عشق ہوئے — خوب چنگا بنا دیا تو نے

کیا دیا بوسہ ہم کو یک لب کا — روز لپکا لگا دیا تو نے

گالیاں تیری اب لگا کھانے — کچھ تو ایسا کھلا دیا تو نے

وہ تو بدخو نہیں مگر اے دل — ہم کو بودا بنا دیا تو نے

تو بلا شوخ طبع ہے اے رحم — غمزدوں کو ہنسا دیا تو نے

ایک بوسہ تمام عمر کے بعد — گر دیا بھی تو کیا دیا تو نے

تو ہی شاعر کہ نوحہ گر معروف
شعر پڑھ کر رُلا دیا تو نے

خیر و شر کو ہم اسی پہ دھر چلے — نفع و نقصان سب برابر کر چلے

بن تصوّر کیونکہ طے ہو راہِ عشق — پہونچے کب منزل جو بے رہبر چلے

ذکر ابرو کا تیرے ہو جس جگہ — کیوں نہ پھر تلوار واں اکثر چلے

ہی جہاں ماتم کدہ یا مے کدہ
چشم تر ہو کر جہاں ساغر چلے

خاک اس بزمِ جہاں میں دل لگے
ہمنشیں سب ہو لیے ہو لے گھر چلے

خرقِ عادت اپنے دیوانہ کی دیکھ
جس طرف کو وہ چلے پتھر چلے

غنچۂ گل کی طرح معروف ہم
دل گرفتہ آئے تھے ہنس کر چلے

یادِ زلفِ دوتا لگا دی ہی
دل نے کیا ایک بلا لگا دی ہی

میں نے آہیں بھریں تو رُک کے کہا
گھر میں دھونی سی کیا لگا دی ہی

ہاتھ آئے تو پوچھے اُس کا لہو
جس نے تیرے حنا لگا دی ہی

گرچہ ہی داغِ دل چراغ ولے
مشعل اس سے سوا لگا دی ہی

حرص سے کونسا ہی یہاں آزاد
سرو کو بھی ہوا لگا دی ہی

ایک بوسہ پہ لب کے دل کو کہا
قیمت اس کی سوا لگا دی ہی

پشتِ آئینۂ فلک ہی ماہ
تیری تصویر یا لگا دی ہی

آتشِ الفتِ بتاں دل میں
کس نے میرے خدا لگا دی ہی

آگ سی جوں انارِ آتش باز
سر سے لے تا بپا لگا دی ہی

خاکِ در اُس کی چشم میں معروف
ہم نے سُرمہ کی جا لگا دی ہی

نیستی جس کے دھیان میں کچھ ہی
اُس کو راحت جہان میں کچھ ہی

ہی وہ چتون تجددِ امثال
دیکھ لو آن آن میں کچھ ہی

اُس کو یہ جان تو کہ کچھ ہی نہیں
جو کہ اپنے گمان میں کچھ ہی

آئے تنہا نہ میری قبر پہ آپ
وہم اب بھی گمان میں کچھ ہی

مجھ کو سنو یار مہرباں کہیے
عیب اگر مہرباں میں کچھ ہی

بولے وہ دودِ آہ پر میری
خامی اس خستہ جان میں کچھ ہی

کھل گیا صاف جب ہو مرکے وصال
نفع جی کے زیان میں کچھ ہی

خامہ اٹکا جو وصف میں اُس کے
اُس کے لکنت زبان میں کچھ ہی

دمِ رخصت وہ ہنس کے یوں بولے
لے لو گر پاندان میں کچھ ہی

عش ہی تیری ہر ایک بات پہ دل
سحر تیرے بیان میں کچھ ہی

عشق دُنیا سے اُٹھ گیا معروف
تو بھی ہندوستان میں کچھ ہی

حال پر میرے کب نظر ہی تجھے
کس کے احوال کی خبر ہی تجھے

تیرے قدموں پہ سر کھوں کیا خاک
ناز نیں یہ بھی دردِ سر ہی تجھے

ای قضا اس قدر لگائی دیر
بیر میرے سے کس قدر ہی تجھے

کیا دعا مینہ کی مانگے ہی دہقاں
کافی اک میری چشم تر ہی تجھے

باندھ ای چشم تو تصوّرِ یار
دیکھنی کیا ہی کس کا ڈر ہی تجھے

جیب تو چاک کرنہ دستِ جنوں
کام پھر بھی کچھ اس سے گر ہی تجھے

کوئی دم تو ٹھہر دلِ بیتاب
بے قراری تو عمر بھر ہی تجھے

دیکھ چلتی بہار دنیا کی
یہ جہاں باغ رہ گزر ہی تجھے

ہوں میں بیتاب لے کے جا قاصد
نامۂ شوق بال و پر ہی تجھے

عشق میں تیرے ہاتھ اُٹھا معروف
جب تلک سر ہی دردِ سر ہی تجھے

جوابِ بوسۂ لب تم ای جان دوگے
تو گویا مجھے آج جی دان دوگے

نہ چھوڑوں گا میں اُس کی چھٹ کا تختہ
اگر مجھ کو تختِ سلیمان دوگے

تپِ غم سے آتش کو نسبت نہ دونگا
اگر مجھ کو رشوت میں تم پان دوگے

میں اب اشک سے خون اپنا کروں گا
جو پھر غیر کو تم کبھی پان دوگے

یہ لڑکے تمھیں شہر کے مار لیں گے
اگر ہاتھ سے اپنے اوسان دوگے

جنوں آچکا تھا کہ صحرا کو قیس
جبھی ور پڑوگے جو میدان دوگے

گھمنڈ اب تو کرتے ہو دیکھوگے معروف
کسی نکتہ چیں کو جو دیوان دوگے

رہنی ہوں چشم خواب عدم میں اگر لگے
یارب کہیں یہ دل نہ کسی سے مگر لگے

ای عندلیب سوتی ہی کس نیند میں تو اب
غنچے چمن سے باندھنے رختِ سفر لگے

تاثیر اس کے تئیں لی ہی جو کی آہ نے میری
ہی یہ طلسم سرو میں بھی اب ثمر لگے

بولے کمر پکڑ کے زبس زندگی ہی ہیچ
نقاش کھینچنے تیری جس دم کمر لگے

دل بن خیالِ یار کے یوں ہی کہ جس طرح
سونا بغیر صاحبِ خانہ کے گھر لگے

یہاں تک خدنگِ عشق جگر کے ہیں وار پار
سینہ اگر کھاؤں تو رستم کو ڈر لگے

معروف اپنے اڑ گئے اوسان دیکھ کر
تیغے کو اپنے رکھنے جو وہ سان پر لگے

یوں نظر دل صفِ مژگاں کی طرف جاتا ہی
جس طرح شیر نیستاں کی طرف جاتا ہی

دل نہیں اس لبِ خنداں کی طرف جاتا ہی
تشنہ لب چشمۂ حیواں کی طرف جاتا ہی

ہیں تو میں جوش جنوں نے یہ طلسم آکے کیا
دستِ تصویر بہ گریباں کی طرف جاتا ہی

یار تجھ بن مجھے لیجاتے ہیں یوں باغ میں کھینچ
جیسے مجرم کوئی زنداں کی طرف جاتا ہی

بدگماں یہ ہو کہ ساتھ اٹھ کے چلا جاتا ہوں
وہم گر کوچۂ جاناں کی طرف جاتا ہی

مرغ جوں شام کو جاتے ہیں بسیرا لینے
یوں یہ دل طرۂ جاناں کی طرف جاتا ہی

چشم سے لختِ دل و اشک رواں ہوتے ہیں
دھیان جب اُس لبِ خنداں کی طرف جاتا ہی

نظر آتا ہی جو گلشن میں کوئی سرو تو آہ
دھیان اُس سرو خراماں کی طرف جاتا ہی

کیا کسی پردہ نشیں پر ہی تو عاشق معروف
چھپ کے جو گوشۂ پنہاں کی طرف جاتا ہی

دل بنایا ہی غمِ عشق کے کھانے کے لیئے
چشم رونے کے لیئے اشک بہانے کے لیئے

وہ کبھو عالمِ رویا میں جو آجاتے ہیں
ہی یہ تکلیف فقط میرے لانے کے لیئے

زخم پر دل کے چھڑکتے ہیں کو اک سب نمک
رات پھر آئی میرے سوز اُٹھانے کے لیئے

گرمجوشی وہ رقیبوں سے جو اب کرتے ہیں
ہی یہ تقریب میرے دل کے جلانے کے لیئے

ناتوانی سے تو جوں کاہ بنا ہوں لیکن
کوہ ہوں بارِ غمِ عشق اُٹھانے کے لیئے

تھی عدم میں بھی تجھے گھات ہماری ای عشق
یہاں ہم آئے تھے تیرے دام میں آنے کے لیئے

یہ غمِ ہجر بھلا کیوں نہیں جاتا یارب
ورنہ دُنیا میں جو آیا ہی سو جانے کے لیئے

دل ہوا تیغِ نگہ سے تیری آخر صد لخت
مجھ سے لڑتا تھا تو اک آئینہ خانے کے لیئے

دل لگانے ہی لگی جان کھٹکانے معروف
اور ارمان کرو دل کے لگانے کے لیئے

گھر اُٹھا یا سر پہ تم نے تاک جو سر میں رہا ہی
دل میرا دیکھو کہ چپ ہو ل ورجگر میں رہ رہا ہی

یہ غمِ فرقت سے آہ پُر اثر میں درد ہی
جو میرے پہلو میں ہی اُس کے جگر میں رہا ہی

شب جو پہونچا تھا تصوّر میں نزاکت دیکھنا
صبح اُٹھتے ہی وہ یہ بولے کمر میں درد ہی

ہاتھ گلچیں نے مبادا گل پہ ڈالا ہو کہیں
آج پھر کچھ نالۂ مرغِ سحر میں درد ہی

ناز سے ماری تھی ٹھوکر دستۂ گل ہیں سحر
جب سے اب تک ناخنِ رشکِ قمر میں درد ہی

اب میں جس کے پاس جاتا ہوں عجب ہوتی ہی سیر
بس کہ ای معروف میرے شعرِ تر میں درد ہی

کون اُس پاس بھلا جا کے پھٹکنے پائے
چشمِ حسرت سے جسے کوئی نہ تکنے پائے

آدمی اپنا وہاں کیونکہ پھٹکنے پائے
یہ منادی ہو جہاں کوئی نہ تکنے پائے

اپنی نظروں میں ہی سب گھبے کے اُسے رکھتے ہیں
تاکہ آنکھ اُس کی کسی سے نہ جھپکنے پائے

کیا وہاں جاؤں دلا حکم ہے یہ حاکم کا
جو وہاں جائے تو پھر وہ نہ کھسکنے پائے

اے دلِ خام طمع بھیجوں وہاں کیا پیغام
یہ سنا ہے جو جہاں بات نہ بکنے پائے

وعدۂ شام جو ہے اس میں تو اُس کو سب لوگ
کہتے ہیں زلف نہ عارض پہ لٹکنے پائے

رنگ زرد اُس کا جو ہے عشق میں میرے تو اُسے
کوئی کہتا ہے کہیں یہ نہ سرکنے پائے

اور کوئی کہتا ہے اس بات پہ کیا ہے موقوف
یہ ہی تکتے رہو رنگ اب نہ چمکنے پائے

جب ہو معروف کہ حاکم نے کیا ہے یہ حکم
کوئی اس شہر میں ہاں شعر نہ کہنے پائے

میں تو ہوں بیمارِ عشق مجھ کو دوا زہر ہے
زہر مجھے کھانے دو میری غذا زہر ہے

اس تپِ فرقت میں تو پھر نہ دلا آہِ سرد
ہوں میں بہت ناتواں مجھ کو ہوا زہر ہے

دیکھتے ہی مر گیا میں تو تیری زلف کو
کیا کہوں کالے سے بھی اس میں بلا زہر ہے

دوستو پھیکا پڑا اس کے سبب رنگِ خوں
چشم میں عاشق کی یوں رنگِ حنا زہر ہے

مانگو میرے واسطے اب یہ شفا کی دعا
زیست سے میں ہوں خفا مجھ کو شفا زہر ہے

بیٹھ نہ چپ چاپ یوں ہجر میں معروف تو
یہ تو تیرے حق میں اور سوا زہر ہے

گرچہ میں بیٹھا ہوں یہاں دھیان کہیں اور ہے
جسم ہی بس دیکھ لو جان کہیں اور ہے

لختِ جگر کو میرے لعل سے نسبت نہ دو
دوستو اس لعل کی کان کہیں اور ہے

پند نہ کر ناصحا بند کر اپنی زباں
تو نہ مجھے حاضر نہ جان جان کہیں اور ہے

دے مجھے تکلیف مت بات کی ای ہم نشیں
اب دلِ خود رفتہ یا رماں کہیں اور ہی

جان کھنچی جاے ہی جس کی ہر ایک بات میں
کیونکہ کہوں اُس کی سی آن کہیں اور ہی

حال دل اپنا کوئی خاک سنائے تجھیں
کہنے کو سنتے تو ہو کان کہیں اور ہی

دل کا تعلق بُرا ہووے ہی معروف آہ
بات میں کرتا ہوں کچھ کان کہیں اور ہی

جس کو کہ تو ہی دل سے ای یار بھول جائے
اُس کو نہ کیوں دو عالم یکبار بھول جائے

جب لہر میں نشہ کے تو خوش خرام ہووے
پھر صاف موجِ دریا رفتار بھول جائے

گر چشمِ مست ساقی کیفیتیں دکھاوے
ساغر کشی کی لذت مے خوار بھول جائے

وعدا ہی آن پہوچے اُس پیچاں کا یارب
جس سے کہ یار کر کے اقرار بھول جائے

ہم وصل میں گئے ہیں یوں بھول دردِ فرقت
صحت میں جیسے دُکھ کو بیمار بھول جائے

جو راس کے یوں ہوں گنتا پھر پھر کے انگلیوں پر
گننی کو جیسے وہمی ہر بار بھول جائے

اُس چشم پر نمایاں ہے وہ جبہ سے ہی ابرو
جوں مے کدہ میں کیفی تلوار بھول جائے

معروف دل لگانا ایسے سے کچھ نہیں ہی
جو رسمِ مہر الفت یکبار بھول جائے

سہل ہی کیسی ہی گو کیسی ہی مشکل آئے
یہ بہ آفت تو نہ ہووے جو کہیں دل آئے

آہ کے ساتھ اب آتا ہی مجھے یوں رونا
بادو باراں کہیں جس طور سے شامل آئے

تجھ سے آئینہ دل ہووے تو ہووے روشن
ورنہ کس کا ہی یہ منہ تیرے مقابل آئے

سلسلہ زلف سے رکھتا ہی دلِ دیوانہ
پاؤں پڑنے کو میرے کیوں نہ سلاسل آئے

یادِ رفتار میں میں اُس کی چلا جاتا ہوں — مجھ کو یہ غم نہیں جلدی کہیں منزل آئے
شمع کو رشک سے سولی پہ کٹی ساری رات — شب کو محفل میں اگر شاہدِ محفل آئے

ایسے ظالم کو لکھوں حال کتابت معروف
قاصدِ وہم بھی جائے تو وہ گھائل آئے

یہی صیاد اگر پیشۂ صیادی ہے — ہم کو تو کنجِ قفس بیضۂ فولادی ہے
مفت لے جائے ہے گلشن سے زرِ گل کو صبا — باغباں باندھ اسے چور یہ اک بادی ہے
کشورِ دل میں جو روشن ہوئے داغوں کے چراغ — حضرتِ دل ہی سے اس ملک میں آبادی ہے
سر و ساماں ہے یہی بے سر و سامانی کا — سرو کے بر میں جو اب خلعتِ آزادی ہے
تیری تصویر کو کیا منہ ہے جو کھینچے نقاش — دستِ قدرت ہی میں یہ صنعتِ اُستادی ہے

پیشوا عشق کو اپنا تو سمجھیو معروف
رہنما ہے یہی اور یہی تیرا ہادی ہے

علاوہ اس غمِ ہجراں کے مجھکو اور یہ غم ہے — کہ یعنی جس پہ میں مرتا ہوں وہ بھی مجھ پہ برہم ہے
کہا میں نے جو اُن سے کیجیے کچھ عشق کی باتیں — تو بولے ہم کو ان باتوں سے میاں شوق کچھ کم ہے
نہ رکھتا ہے دلِ مضطر تجھے میں اپنے سینے میں — یہ ڈرتا ہوں کہ رازِ عشق سے تو میرے محرم ہے
نہ پوچھو اُس لبِ شیریں کی خوبی مجھ سے ہی ظالم — ملائم ہے کچھ اس ڈھب قرمزی بس جیسے ریشم ہے
چلا ہے کون ایسا رشکِ مہ اس شہر سے یارب — کہ جس بن آج سارے شہر میں شہرِ محرم ہے
خبر میری کل اُن کے آدمی نے آ کے جو پوچھی — کہا میں نے کہ شاید عقل سے بہرا تجھے کم ہے
عیاں کا کیا بیاں ہے دیکھ جا جو حال ہے میرا — کہ چہرہ زرد ہے لب خشک ہے اور چشم پرنم ہے
تو سنکر یوں کہا اُس نے قسم ہے اپنی آنکھوں کی — جو عالم آپ کا ہے یہاں یہی وہاں اُن کا عالم ہے

جیوں میں یار بن معروف اب جو ہو سو ہو ہاں میں
ارادہ اُس کے ملنے کا ولے جی میں مصمم ہے

پاس ہی پر نہیں موقوف جدھر پھرتا ہے
تو ہی آنکھوں میں میری شام و سحر پھرتا ہے

مے پرستی کی ہوا سر میں بھری ہے میرے
ساغرِ مے کی طرح کاسۂ سر پھرتا ہے

شادیوں اہلِ نظر سوئے عدم جاتے ہیں
کوئی جوں گھر کی طرف کر کے سفر پھرتا ہے

خواب میں اور طرح اس نے ہی شاید دیکھا
اب چراتے ہوئے ہم سے جو نظر پھرتا ہے

اشک و لختِ جگر آنکھوں میں مری دیکھ کے لوگ
بولے معروف تو اس طرح نڈر پھرتا ہے

یاد رہ مروں جو یاد میں ہیں زلفِ یار کے
سنبل سرہانے تم میرے بونا مزار کے

دندانِ پان خوردہ وہ آتے ہیں جبکہ یاد
اخگر نظر میں لگتے ہیں دانے انار کے

ہم اُس کی یاد میں گئے اپنے کو آپ بھول
ازبس کہ محو ہیں کسی غفلت شعار کے

دُنیا میں وصلِ یار سے ہیں ہم بھی کم نصیب
تقصیر وار ہو گئے ایک آدھ بار کے

بخشے نہ کیونکہ گوہرِ مقصد وہ زیرِ فیض
بیٹھی ہے دونوں ہاتھ صدف ابرِ بہار کے

نکلے جو وقتِ شام پری رو تو آفتاب
دستار اُس کے پاؤں پہ رکھے اُتار کے

اے نامہ بر قسم ہے تجھے بھولیو نہیں
نامہ کو میرے پھینک کے قدموں میں یار کے

کہیو پیام یہ کہ جو آتے نہیں ہو آپ
پھر کیوں گئے ہو ہاتھ پہ تم ہاتھ مار کے

معروف حق کی یاد میں دم کا شمار رکھ
بس جب ہو وہ حساب سے روزِ شمار کے

کہیں وہ خاکِ پا گر دیکھ پاتے اپنی آنکھوں سے
تو ہم سرمہ کی جا اس کو لگاتے اپنی آنکھوں سے

تمہارے چشم کے بیمار کا آنکھوں میں دم آیا
مناسب تھا گر اس کو دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے

اگر آئینہ میں تم چشم کا فر دیکھتے اپنی
تو پھر کیا کیا نہ تم آنکھیں لڑاتے اپنی آنکھوں سے

بلاتا تو اگر ہم کو قسم ہے تیرے قدموں کی
کوئی آتا ہے پیروں سے ہم آتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں نرگس کا دستہ غیر کے ہاتھوں سے کیوں بھیجا
اگر آنکھیں دکھانی تھیں دکھاتے اپنی آنکھوں سے

ہمیں رونے نہیں دیتا تصوّر اس کی آنکھوں کا
دو عالم کو ہم ایک پل میں ڈبا تے اپنی آنکھوں سے

تنک ظرفی نہ کرتا گو ہرِ معروف گر آنسو
اُسے ہم عین دریا کر دکھاتے اپنی آنکھوں سے

کوئی تو گم کردہ اے ہمرہاں چلّائے ہے
ہر قدم پہ جو درائے کارواں چلّائے ہے

نَے صدا یارو بہ یادِ نیستاں چلّائے ہے
درد و دوری کیا غضب ہے بے زباں چلّائے ہے

رات بھر نالاں رہے ہم اُس نے پوچھا بھی نہ آہ
کون میرے در پہ یہ بے خانماں چلّائے ہے

سُننے والوں کا کلیجہ ٹکڑے ہو جاتا ہے آہ
کھینچ کر عاشق جو تیروں کی سناں چلّائے ہے

ہو گیا پیری میں مجھ کو یہاں تلک ضعفِ دماغ
سر پکڑ لیتا ہوں میں بچہ جہاں چلّائے ہے

ہے دلِ پُر داغ نالاں اُس کے تابِ رخ سے یوں
دیکھ کر طاؤس جوں برقِ جہاں چلّائے ہے

پیٹ میں کب پیٹ ہمدم کے بھلا پچتی ہے بات
جب کوئیں سے کچھ کہے کوئی کنواں چلّائے ہے

آنکھ ابھی جھپکی ہے بعد اک عمر کے جانِ عزیز
کیوں مرے مرقد پہ تو دے کر اذاں چلّائے ہے

بن ترے معروف کے ہوتا ہے جس دم ہلدل
بیٹھے بیٹھے پیٹ کر سر ناگہاں چلّائے ہے

ہر چند حسنِ ماہ فلک بے نمک تو ہے
پر روئے یار کی سی اک اُس میں چمک تو ہے

پکڑی لٹ اُس کے زلف کی میں نے تو یہ کہا
دیوانے کی سی آپ میں بھی اک لٹک تو ہے

آنکھوں میں دم کو روک رکھا ہے دمِ اخیر
یہ دیکھ انتظار ترا یہاں تلک تو ہے

ہے قیس اس نواح میں لیلیٰ نے سچ کہا
زنجیر کی سی کان میں آتی جھنک تو ہے

مُدّت ہوئی لگی تھی محبت کی دل پہ چوٹ
گو درد وہ نہیں ہے پر اب بھی کسک تو ہے

گو شاخِ بید بہ قدِ نازک نہیں ترا
اے سروِ ناز چلتے ہوئے پر لچک تو ہے

پیری میں گرچہ آتشِ دل وہ نہیں رہی
تو بھی تنورِ سینہ سے آتی بھبک تو ہے

شرمندہ بحر سے نہیں قطرہ کی جوں حباب
معروف یوں مزاج ہمارا تنک تو ہے

جواب خط نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے
کہ قاصد آکے جو کچھ دے خبر شتاب تو دے

دیت نہ دے تو دباؤ نہ میرے قاتل کو
یہی کہو کہ بھلا اپنے ہاتھوں وہ اب تو دے

جو کھلے بات نہ کی تو ڑمت دلا اُس سے
وہ شرمگیں ہے ابھی ٹوٹنے حجاب تو دے

کہا جو قتل سے اس شہسوار کے باز آ
کہا لہو میں ابھی ڈوبنے رکاب تو دے

یہ آئینہ ہی کی چھاتی ہے ورنہ کیا منہ ہے
کسی کے منہ پہ کوئی صاف یوں جواب تو دے

ہزار بوسے میرے تجھ پہ ہیں حساب کی رو
جو سب کے سب نہیں دیتا علی الحساب تو دے

الٰہی اور ہمیں دے نہ دے خوشی تیری
پر ایک سوز دل و دیدۂ پر آب تو دے

شراب تیرے تو پی کے اہل بزم کو دیکھ
جو قصد قتل ہے تیغ نگہ کو آب تو دے

خراب ہیں دل گم گشتہ کی تلاش میں ہم
جو تیرے پاس ہے اے خانماخراب تو دے

امان دے کوئی دم اے اجل نہ کر جلدی
اٹھانے یار کو منہ سے ذرا نقاب تو دے

تیرے کلام کے مشتاق ہیں بہت معروف
جو کلیات نہیں اپنا انتخاب تو دے

ذکر اُس آتش کے پرکالے کا جب آجائے ہے
برق گھبرا جائے ہے اور شعلہ تھرّا جائے ہے

کیوں نہ ہو ممنون سیل اشک میرا چشم زار
اس کے کوچہ کی طرف تنکا سا بہتا جائے ہے

دل تڑپنے سے بھرا جاتا ہے اے وعدہ خلاف
رات کے آنے کی تو جس روز ٹھہرا جائے ہے

دم بدم ہمدم نہ دم دے دم تو لے آتا ہے وہ
خاک لوں میں دم کہ اُس بن دم بھی اکلا جائے ہے

یہ ہوئی حالت میری اُفتادگی کی ہاتھ سے
راہ میں نقش قدم جیسے کہ روندا جائے ہے

بوسہ کیوں لیتا نہیں اس کے زنخداں کا دلا
کوئی بھی آکر کوئیں پر سے پیاسا جائے ہے

ذکر یہ میرا جو اُس کے ہمنشینوں نے کیا
دم بدم تیرے مریض غم کو غش آجائے ہے

دوست دشمن سب چلے آتے ہیں لینے کو خبر
تو بھی گھر تک واں چلے کیا اس میں تیرا جائے ہے

دیکھنا شوخی کہا سن کر کہ جاؤں کس طرح
جو ہے اُس کا حال اب وہ کس سے دیکھا جائے ہے

ہے زمیں میں اک غزل معروف لکھ تو اور بھی
قافیے لاکھوں ہیں اس میں فکر کیا جائے ہے

اس کا وہ چھاتی سے لگنا جبکہ یاد آجائے ہے
پھٹنے لگتا ہے کلیجہ سینہ ترفا جائے ہے

میرے ہمسائہ سے جبکہ جب لے ہے وہ اُٹھنے کا نام
جان ہی جائے ہے دل ہے کہ بیٹھا جائے ہے

دیکھ تو آنکھیں چرا کر میری دُزدیدہ نگاہ
یہ مثل ہے چور تو چوری سے پکڑا جائے ہے

اے دل اِتنا کیوں ہے مضطر مایہ گھبراتا اگر
جائے ہے آجائے گا کیا یہاں سے بھاگا جائے ہے

غیر اور تم آینہ دیکھا کرو لو ہم چلے
تم ہی اب دیکھا کرو یہ کس سے دیکھا جائے ہے

اس خیالِ زلف کو بھی یاد ہے کیسی لپٹ
جوں جوں اُس سے بھاگتا ہوں وہ لپٹا جائے ہے

صدقہ اس تاثیر کے اے جذبِ الفت آہ واہ
اس کا دل اب اور اُلٹا ہم سے کھنچتا جائے ہے

چپ ہوں تو کہوے بیٹھا ہے تو کس کے دھیان میں
کچھ کہوں تو کہوے تو تو مغز بھی کھا جائے ہے

ایک خرابی سی خرابی ہے کوئی جی کو میرے
اب نہ رہ سکتا ہوں چپ ہی اور نہ بولا جائے ہے

پڑھ غزل معروف ایسی کہ رہیں تا لوگ وجد
جب پڑھے ہے شعر تو محفل میں ذوق آجائے ہے

چشم میں آ کہ جائے طرفہ تر یہ بھی تو ہے
رشکِ صد آئینہ خانہ صاف گھر یہ بھی تو ہے

دل میں رہ میرے مکان طرفہ تر یہ بھی تو ہے
گر ہے تو پردہ نشیں پردے کا گھر یہ بھی تو ہے

رفتہ رفتہ عشق کی منزل کو پہونچاوے گا شوق
خضر ہی پر کیا ہے اے دل راہبر یہ بھی تو ہے

کہدے اُس عشاق کش کو میری جانب سے کوئی
عاشقوں میں تیرے اے بیدادگر یہ بھی تو ہے

کیونکہ وؤں گرچہ رونا سوزِ دل کو ہے مفید
رازِ دل افشا نہ ہو مدِ نظر یہ بھی تو ہے

قتلِ اہلِ دید گر ٹھیرا تو آئینہ بھی توڑ
دیکھنے والوں میں تیرے سیمبر یہ بھی تو ہے

رکھ شرر کو ساتھ تو اے جان سرگرمِ فنا
چھوڑ مت پیچھے کہ آخر ہم سفر یہ بھی تو ہے

کہتے ہیں وقتِ اجابت لوگ وقتِ صبح کو
مانگ پیری میں دعا اے دل سحر یہ بھی تو ہے

آج قاصد اور کیا بھیجوں کہ اگلا نامہ بر
جا کے واں مارا گیا کل سے خبر یہ بھی تو ہے

اس کمر کو بال سے نسبت تو ہے معروف پر
تو رگِ جاں باندھ مضمونِ کمر یہ بھی تو ہے

یہی رنجش ہے گر ہر دم ابھی سے
تو ہوتے ہیں مُرخص ہم ابھی سے

جوانی میں قیامت ہوئے گا تو
جو غش ہے تجھ پہ اک عالم ابھی سے

بُری ہے عشق نے آنکھیں دکھائیں
رواں ہیں اشک جو ہیہم ابھی سے

ولا کھا جائے گا تجھ کو غمِ عشق
جو ایسا کھائے گا تو غم ابھی سے

بتائی دل کی بات ان کی تو بولے
ہوا محرم یہ نا محرم ابھی سے

ابھی تو زلف بھی چھیڑی نہیں ہے
ہوئے ہیں آپ کیوں برہم ابھی سے

ابھی قاتل ہے وہاں یہاں دیکھیے شوق
ہوئی جاتی ہے گردن خم ابھی سے

نہ جب تک پیٹ بھر کر دیکھ لیں گے
کوئی دیتے ہیں جانے ہم ابھی سے

اُٹھا معروف چندے لذتِ درد
نہ رکھ زخموں پہ تو مرہم ابھی سے

قاتل گراں ہے یہ مجھے سوا من کے بوجھ سے
گردے سُبک بدن سروِ گردن کے بوجھ سے

تولا جو ہم نے پھول سے اُس کو گلاب کے
بھاری تھا پھول اُس بتِ پُرفن کے بوجھ سے

اسبابِ دنیوی نہ اُٹھاتے اگر مسیح
چوتھے فلک پہ رہتے نہ سوزن کے بوجھ سے

دیوانہ اس قدر ہے تیرا ناتواں کہ پاؤں
اُٹھتا نہیں سلاسلِ آہن کے بوجھ سے

اُس نازنیں کی چولی ہوئی تر دمِ اخیر
آیا عرق یہ باغ میں دامن کے بوجھ سے

نیمہ کا بوجھ اُٹھ سکے اس نازنیں سے کب
گن گن کے پاؤں جو رکھے چکن کے بوجھ سے

سوسن کا پھول اُس نے وہیں پر جو رکھ دیا
لب نیلگوں ہوئے گُلِ سوسن کے بوجھ سے

سمرن جو اس نے پہنی تو دانوں سے جا بجا
ساعد پہ نقش ہو گئے سمرن کے بوجھ سے

آ گئے ہی ہم تو کہتے تھے چلون نہ باندھو تم
دیکھا نہ ہانپنے لگے چلون کے بوجھ سے

معروف جو ہیں ہد ریائی سے سرگراں
تسبیح کم نہیں انھیں سنو من کے بوجھ سے

تجھے منظور ای بے درد ہم سے منہ چھپانا ہی
جو سونے کے بہانے سے دوپٹہ منہ پہ تانا ہی

دکھاوے گر برنگ برق چمکا کر دکھانا ہی
سمند ناز کو موج تبسم تازیانا ہی

گریزاں جو ہو غفلت سے سمجھ مت اس کو دیوانہ
نہیں ناداں وہ اپنے وقت کا بہلول دانا ہی

دم آخر نہ ہم سے منہ چھپانا ای بت کافر
تجھے بھی ایک دن آخر خدا کو منہ دکھانا ہی

کہا اس سنگ دل نے سن کے مرنا اپنے عاشق کا
اچنبھا کیا ہوا یہ بھی جہاں کا کارخانا ہی

جہاں میں یہ نئی صورت سے کیا کیا رنگ لاتا ہی
عجب بہروپیوں کے سوانگ دکھلاتا زمانا ہی

مجھے جو دیکھتے ہی آپ نے چھڑوا دیئے پردے
رہا کیا خاک پردہ صاف اب پردہ اٹھانا ہی

کوئی کہدے یہ ہمسایوں سے دن کو خوب سو جائیں
کہ ہم کو آج کی شب بخت خفتہ کو جگانا ہی

پھرالوسات بار اس گھر کے تم میرے جنازے کو
عدم میں جا کے یارو کس کو پھر دنیا میں آنا ہی

غش آتا ہی مریض غم کو تیرے ناتوانی سے
اگر ہووے تو دو لوا عطر خس اس کو سنگھانا ہی

مریض غم کو اپنے بوسۂ لب کیا دیا تم نے
یہ گویا شہد اب اس کو دم آخر چٹانا ہی

وہ مضموں کہہ جو ہو جائے غزل منسوخ ناسخ کی
جو زور طبع ای معروف تجھ کو آزمانا ہی

تجھے ای منعم ایک دن چار کے کاندھے پہ جانا ہی
مناسب پالکی کے بدلے گہوارہ بنانا ہی

لب نازک سے لینا اس کے بوسہ کا بہانا ہی
ہمارا اس میں مطلب لعل کو نیلم بنانا ہی

شب غم میں سواری استراحت کی روانا ہی
سمند خواب کو جنبش مژہ پر تازیانا ہی

کہاں ابروئے یار اور مرغ دل کچھ بھی ٹھکانا ہی
بناتا شاخ آہو پر یہ وحشی آشیانا ہی

نہ سی میرا لب زخم جگر سوزن سے ای عیسے
خیال موئے خط یار سے ٹانکا لگانا ہی

شب آخر ہو چکی اب اٹھ خدا کا نام لے غافل
جو صابونِ سحر سے داغ عصیاں کا چھڑاتا ہے

جنوں کے ہاتھ سے یہ آخرش ہم کو ملا ثمرہ
کہ اپنا نخلِ قامت سنگِ طفلاں کا نشانا ہے

فلک کو کیونکہ نسبت ہووے فانوسِ خیالی سے
کہ اس کے درمیاں ہر اک گردش میں زمانا ہے

کسی ڈھب سے برابر سیکڑوں خنجر کھڑے کردو
کہ ہم کو یادِ مژگاں میں کسی کے تلملانا ہے

جواب کرتے ہو وعدہ پان کھا کر بوسۂ لب کا
میرا منہ آتشِ یاقوت سے شاید جلانا ہے

نہیں جاتے ملامت قیس نے زنجیر گر پہنی
کہ جو ہے فرقۂ عشاق میں یہ اس کا بانا ہے

شفق کی سیر دیکھو شام کو گورِ غریباں پر
گلابی بافتہ کا کیا تماشا شامیانا ہے

بناوے نقشِ پا کا تیرے خاکہ کہہ کے پانی سے
میری افتادگی کا گر تجھے نقشا کھنچانا ہے

مرے موئے تنِ لاغر کی کچھ پوچھو نہ آرائش
اسی کا پنجۂ مژگانِ چشمِ مور شانا ہے

فلک سے بھی دماغ اونچا ہے یہاں جبہ سایوں کا
خدایا کس بتِ مغرور کا یہ آستانا ہے

پڑھو بس فاتحہ اے حضرتِ دل آ چکا قاصد
ادھر پھرنا اب اس کا عمرِ رفتہ کا پھر آنا ہے

مرا منہ کیوں نہ وقتِ دفن وہ آئینہ رو دیکھے
عزیزو اس میں یہ نکتہ ہے کہ اس کو شکل ملانا ہے

تماشہ سے گل بازی کے یہ عقدہ کھلا ہم پر
کہ اس باغِ جہاں میں ساتھ ہی آ کے جانا ہے

سرورِ قلقلِ مینا سے اہلِ درد کیا خوش ہوں
کہ آوازِ شکستِ شیشۂ دل یہاں ترانا ہے

جوانی کی طرح ضائع نہ کر اس صبحِ پیری کو
کہ بعد از مرگ تا کافور تیرے کام آنا ہے

ہمیں تصویر بھی بھیجی تو چھپا کر ورق اس نے
یہاں اب عقل حیراں ہے یہ کیسا منہ چھپانا ہے

سراغ اس کی کمر کا ڈھونڈھتے معروف جانے دو
کہ وہ عنقا ہے اس کا لامکاں میں آشیانا ہے

مرے پر کون تیرے عاشقِ بیتاب کو روئے
نہیں یہ رسم کوئی کشتۂ سیماب کو روئے

برنگِ شیشۂ گل اک عجب رنگین صحبت تھی
نہ کیوں دل یاد کر کے محفلِ احباب کو روئے

خیال اس چشم کی گردش کا جس کو رات دن ہووے
عجب کیا سن کے وہ آوازۂ دولاب کو روئے

ہنسے اس دور میں کیا کوئی اتنی ہی نہیں فرصت
کہ بزمِ یار میں پی کر شرابِ ناب کو روئے

دکھے گر یار میری طرح اس بت کا خمِ ابرو
تو پھر مسجد میں نہ آ ہر دیکھکر محراب کو روئے

فقط اتنے لیئے آیا وہ میری خواب میں شب کو
کہ چونکے خواب سے تو یاد کرکے خواب کو روئے

تصوّر میں لبِ دلدار کے معروف آنکھوں سے
عجب کیا ہی لہو گر دیکھ کر عناب کو روئے

وہ بدخو جب بگڑتا ہی تو پھر ایسا بگڑتا ہی
کہ نقشہ اس کا گر کھینچو تو پھر نقشا بگڑتا ہی

کسے دوں دل کو میں باہم الجھتی ہی تری زلفیں
کہو گاہک ہوں جب اک چیز کے سودا بگڑتا ہی

ابھر مت اس حیاتِ مستعار ہی پہ ای غافل
حبابِ بحر دم میں دیکھ لے بنتا بگڑتا ہی

ملی ہی قسمتِ برگشتہ بھی کوئی نصیبوں سے
کروں گر بات سیدھی بھی تو وہ الٹا بگڑتا ہی

بنایا ہی نہ منہ شکوہ پر اس نے ہم نہ کہتے تھے
کہ باتوں سے تری ای دل مزاج اسکا بگڑتا ہی

بناتا کیا ہی سج بیٹھا خبر لے اٹھ شتابی سے
تیرے بیمارِ غم کا دم بدم نقشا بگڑتا ہی

الگ تم تو دکھا کر اس کو ہو جاتی ہوا ای آنکھوں
خرابی دل پہ آتی ہی تمھارا کیا بگڑتا ہی

حواسِ خمسہ میں اپنے خلل آتا چلا بے ڈھب
برا ہو اس بڑھاپے کا عجب حلیہ بگڑتا ہی

بنے اس جنگجو سے اپنی ای معروف کس عنواں
کہ حرفِ صلح بھی گر خط میں لکھا تو تھا بگڑتا ہی

کیونکر ایسے کی ملاقات کی تدبیر بنے
جیسے بدخوئی کے مانی سے نہ تصویر بنے

بحرِ ہستی میں غنیمت ہے کہ مانندِ حباب
ہم بھی ایک دم کے لیئے صاحبِ تعمیر بنے

گرہِ تارِ نفس کھلتی نہیں ای قاتل
کاش اب عقدہ کشا ناخنِ شمشیر بنے

میرے حق میں بخدا کر نہ کمی تا مقدور
جو ترے ہاتھ سے اب ای بتِ بے پیر بنے

بس یہی دیکھ لو اس شکل کا ہی وہ نقشہ
اہلِ نظارہ جسے دیکھ کے تصویر بنے

موت آجائے الٰہی دلِ بیتاب کو کاش
کہ یہ سیماب ہی مر جائے تو اکسیر بنے

ہوں میں وہ زخم نصیب آہ کہ یارو پسِ مرگ
استخوانوں سے میرے سیکڑوں قط گیر بنے

اپنے دیوانۂ لاغر کی تو اے رشکِ بہار
چاہتا تو ہی مصوّر سے کہ تصویر بنے

صفحۂ خاک پہ نقشہ کو تو اُس کے کھنچوا
تا نشانِ قدمِ مور سے زنجیر بنے

مرغِ دل کیوں نہ پھنسے رخ پہ جو اُس کے معروف
حلقۂ دامِ بلا زلف گرہ گیر بنے

جو قصدِ شام ہی تکرار مت لا یوں نہیں یوں ہی
دِلا جا زلف میں اس رُخ سے رستا یوں نہیں یوں ہی

خرامِ یار سے تو سیکھ اٹھکیلی کے چلنے کو
جو بتلا دے تجھے ای موج دریا یوں نہیں یوں ہی

کیا بوسہ طلب اُن سے تو گالی دے کے وہ بولے
بُرا مت ماننا دستور اپنا یوں نہیں یوں ہی

نصیبوں کا گلا کرتا تھا میں غیر آپ کا سمجھا
یقیں کرنا خدا شاہد ہی اس کا یوں نہیں یوں ہی

دہن سے اس کے پوچھی بات جب غنچہ کے کھلنے کی
تو بولا ہنس کے وہ عقدہ کا کھلنا یوں نہیں یوں ہی

شرر ہی سنگ میں اور گل میں رنگ اور شمع میں شعلہ
غلط فہمی ہی پھر اس کو یہ کہنا یوں نہیں یوں ہی

کھے ہی دشت میں ہر نقشِ پائے ناقۂ مجنوں
بھٹکنا مت کہ جانے آج لیلی یوں نہیں یوں ہی

حبابِ موج دریا ایک نہیں تم فرق بتلاؤ
سمجھ ہم ان فقیروں کی تو بابا یوں نہیں یوں ہی

سنگِ دیوانہ کو مارا تھا پتھر لگ گیا اس کے
سُنو فریاد مت درباں کی قصّا یوں نہیں یوں ہے

دیا نقشہ جو اس نے کھینچ کر بہزاد نے اس کو
تو آگے دھر کے آئینہ وہ بولا یوں نہیں یوں ہے

کسی نے دی جواب بحر سے انساں کو جو نسبت
تو لکھ کر ہم نے پانی پر بتایا یوں نہیں یوں ہے

کلام اس کا جو ہے معروف سلّمنا و صدّقنا
پلٹ کر کہہ سکے مقدور کس کا یوں نہیں یوں ہے

اپنی بے تابیِ دل گر متعدی ہو جائے
جو کہ حالت ہے ہماری وہی تیری ہو جائے

چشم وحشی کے تصوّر میں ترے ہوں یہاں تک
میری صحبت میں جو بیٹھے کوئی وحشی ہو جائے

عکسِ رخ پانی میں دیکھے ہے تو وہ یار ملیح
منہ کو دھوتا ہے کہ صورت میری گوری ہو جائے

جس نے دل شب کو چرایا میرے برتے یارب
اس کے بھی گھر میں اسی طرح سے چوری ہو جائے

یوں لیا چشمِ پُر افسوں نے تری کشورِ دل
جس طرح راج کا مالک کوئی جوگی ہو جائے

موجزن دل میں ہو گر بحرِ محبت یارو
پھر تو جوں قطرہ گرے آنکھ سے موتی ہو جائے

کب تلک ہجر میں اس کے رہوں مضطر یارب
یا وہ آ جائے نہیں دل کو تسلی ہو جائے

چشم بد دور عجب آج ہی عالم تم پر
مجھ کو ڈر ہے کہ نظر اب نہ کسی کی ہو جائے

کسی محفل میں قریب اس کے ملے ہم کو جا
اپنی تقریب الٰہی کوئی ایسی ہو جائے

سمجھوں آئنہ کو کیوں سد سکندر نہ دلا
درمیاں میرے اور اس کے جو یہ ٹٹی ہو جائے

عاقبت خاک ہے سب ہوں گے پر انساں تو یہی
خاک ہونے سے جو پہلے کوئی مٹی ہو جائے

آپ کو مار مرے سنکے ہر ایک لذتِ مرگ
منہ پہ مُردے کے نہ گر مہر خموشی ہو جائے

دیکھ کر اس کو نہ بھر لایو اشک ای آنکھوں
کہیں ایسا نہ ہو کچھ اور خرابی ہو جائے

چھٹ کے ایک جا سے پھنسا دوسری جا یوں دلِ زار
چھوٹ کر قید سے جوں پھر کوئی قیدی ہو جائے

مجھ کو یہ ڈر ہے کہ ہو خون خرابہ نہ کہیں
قاتلِ خلق جو وہ دستِ حنائی ہو جائے

مشت نے ردّ کیجیے تو یارب نہ ملے مٹھی بھر
مہندی اس عید کے عرفہ کی جو مہنگی ہو جائے

واہ معروف کے مرتے ہی ملے غیر سے تم
نہ کیا اتنا توقف بھی کہ برسی ہو جائے

چشم سے ٹپکے ہے خوں کیوں نہ اچنبا ہووے
لعل جب جائے گہر سیپ سے پیدا ہووے

جبکہ اعجاز نما عکسِ رخ اس کا ہووے
کفِ آئینہ نہ کیوں پھر ید بیضا ہووے

دہنِ یار پہ تل گر کبھی پیدا ہووے
پھر تو وہ مردمکِ دیدۂ عنقا ہووے

خطِ پشتِ لبِ میگوں کا جو ہووے کشتہ
اس کی تربت پہ سدا سبزۂ مینا ہووے

خط جو نکلا ترے رخ پر تو مکدر مت ہو
اور ایک حسن ہے مصحف جو محشّا ہووے

قابلِ سیر زمانے کی دو رنگی ہو نہ کیوں
باغِ دنیا میں جو پیدا گلِ رعنا ہووے

دشت میں کیوں نہ ہو تسکین دلِ مجنوں کو
چشم آہو جو سبہ خیمۂ لیلا ہووے

حق نے اعجاز دیا ہے وہ سخن میں میرے
نکتہ چیں شعر سنے میرا تو گونگا ہووے

پاکبازوں کی مجھے تمکنت آئی ہے پسند
کبھی دامانِ نگہ ان کا نہ میلا ہووے

منہ جو دیکھے کبھی وہ مہروش آئینے میں
صفحۂ آئینہ بھی لوحِ مطلا ہووے

یہ تو ناسخ کی غزل کا تھا جواب اے معروف
اب وہ کہہ شعر کہ دل خوش شعرا کا ہووے

کوئی سودا زدۂ زلف نہ مجھسا ہووے
کہ معالج جو ہو میرا اسے سودا ہووے

ہمہ مو یار کا غیروں سے بگڑنا معلوم
کہیں دریافت کرو نیل نہ بگڑا ہووے

ناتوانی کا میری کھینچ نہ مانی نقشا
نظرِ خلق میں ایسا نہ ہو ہلکا ہووے

وہ دمِ قتل تماشے کو میرے آئے مگر
ہو نہ جلاد کے سر خون یہ تماشا ہووے

غم میں اُس پردہ نشیں کے نہ بھری آہ کبھی
اس لیئے دردِ نہاں تا نہ ہویدا ہووے

گھر کیا دل میں تو محروم نہ رکھ چشم کو بھی
چشم اور دل میں نہ باہم کہیں قضیا ہووے

عہد نامہ ہی ترا خطِ شکستہ سے رقم
اعتبار ایسے نوشتہ کا بھلا کیا ہووے

ابھی عالم کی نہیں اپنے خبر تجھ کو جو ہو
اب جو عالم ہی ہمارا وہی تیرا ہووے

دوسرا ایسا نہ ہوگا کوئی سوائے جہاں
جس کا ہم نام ہر ایک شہر میں سوا ہووے

مجھسے شب خواب میں آنے کا نہ کیجے وعدہ
اس سے کیجے جو شبِ ہجر میں سوتا ہووے

ق

شبِ فرقت نے یہ کی عقل میری بالکل سلب
اس قدر بھی کوئی انسان نہ شیدا ہووے

جن سے ملتا ہوں سوال اُن سے یہی ہی میرا
وصل دلواو مجھے گر کہیں بکتا ہووے

کل سے تھی اس کو غشی ہی جو اُس آج کا دن
کہیں معروفؔ دنیا سے سدھارا ہووے

کب شبِ فرقت کی بھولی ہی مصیبت یاد ہی
تیری بے مہری مجھے ای ماہِ طلعت یاد ہی

جب سے پہچانا الف تب سے وہ قامت یاد ہی
راستی ہی یہ کہ رہتی بھی قیامت یاد ہی

ہم سیہ بختوں سے گو اپنا وطن چھوٹا ہی لیک
جلوۂ صبحِ وطن ای شامِ غربت یاد ہی

ایک گلستاں ہی پڑھی تھی سو وہ بھولے عشق میں
بابِ پنجم کی مگر کوئی حکایت یاد ہی

سُن کے بیماری میری آئے تو یہ کہنے لگے
گھر بلانے کی تجھے بھی روزِ حکمت یاد ہی

کھینچتا ہی مار کی کلکِ تصوّر سے شبیہ

دیدۂ مشتاق کو کیا میری صنعت یاد ہی

گو مجھے اُس یار کو دیکھے ہوئے مدّت ہوئی (قطعہ)

لیکن اب تک عالم ای یارانِ صحبت یاد ہی

واقعی معروف وہ مر کر گئے ہیں زندگی

بعد مرنے کے بھی کرتی جس کو خلقت یاد ہی

رواں ہیں چشم سے کیوں اشک تر خدا جانے

چلا ہی قافلہ اب یہ کدھر خدا جانے

کہیں ہیں دیکھ کے اُس کو ملائک آپس میں

پری ہی حور ہی یا یہ بشر خدا جانے

کیا ہی دل تو مشبک تمام اور آگے

کرے گی کیا مژۂ رخنہ گر خدا جانے

رہے ہی سینہ میں سرگرم اضطراب سدا

یہ دل ہی شعلہ کوئی یا شرر خدا جانے

مریضِ عشق ترا آج تک تو جیتا ہی

بچے گا یا نہیں کل کی خبر خدا جانے

نگاہ دیدۂ باریک بیں بھی قاصر ہی

تری کمر ہی کہ تارِ نظر خدا جانے

یہ دل میں اُس بتِ کافر کے اب سمایا ہی

کہ بت نہ سمجھے مجھے ہر بشر خدا جانے

یہی ہی گر شبِ ہجراں میں دل کی بیتابی

تو حال کیا ہو مرا تا سحر خدا جانے

ہوا ہی کیا مری آہِ جگر کو حیراں ہوں

کہا گیا ہی اب اس کا اثر خدا جانے

پڑا ہی اس پہ بھی کیا سرو باغ کا سایا

یہ نخل کیوں نہیں لاتا ثمر خدا جانے

کہیں ہیں دل کو تو شب خانۂ خدا معروف

بتوں نے اس میں کیا کیونکہ گھر خدا جانے

دل ہوا عشق کا بیمار خدا خیر کرے

سخت مہلک ہی یہ آزار خدا خیر کرے

آج کیا جانیے کس کس کی اجل آئی ہی

لیکے نکلا ہی وہ تلوار خدا خیر کرے

جس نے آگے ہمیں اِس گھر سے نکلوایا تھا

پھر ہوا ہی وہی مختار خدا خیر کرے

یہی رونا ہی تو طوفانِ خطر کیونکہ نہ ہو

اس کے بھی ہیں وہی آثار خدا خیر کرے

اب اُٹھایا تو سہی ہم نے ولے عقل ہے گم — ہے بہت عشق کا انبار خدا خیر کرے
ہے زمیں پر یہ میرے شدتِ بارانِ سرشک — ڈر کے کہتے ہیں نہ بہندار خدا خیر کرے
نامہ بر لیکے میرا نامہ گیا تو ہے ولے — ہمدمو ہے وہ ستمگار خدا خیر کرے

فکر وہاں غیر کے جانے کی نہ کیوں ہو معروف
ہم قلندر ہیں وہ زردار خدا خیر کرے

تڑپ کر اتفاقاً جب کوئی بسمل اچھلتا ہے — تو کیا کیا شاد ہو کر دل میں وہ قاتل اچھلتا ہے
شبِ اُس در پر جو سنتے ہیں کسی کے پاؤں کی آہٹ — تو مارے ڈر کے دو دو ہاتھ اپنا دل اچھلتا ہے
تری محفل جو اپنے گھر میں آکر یاد آتی ہے — تو مجھ کو ہولِ دل اتنا ہے محفل اچھلتا ہے
غمِ پردہ نشیں میں کب کے اب تک ڈوب مرتے ہم — غریقِ آب بھی لیکن یہ ہے مشکل اچھلتا ہے
کبھی ٹھوکر لگا کر دیکھ لینا قبر پر میری — کہو مت دب گئے پر کون زیرِ گل اچھلتا ہے
عجب ہے کیونکہ ٹھیرا خال اُس کے آتشیں رخ پر — سپندِ آتش میں وہ نہ ہوتے ہی داخل اچھلتا ہے

قیامت ہے کوئی معروف کو جو ذوق بخش اُس کا
کہ آکر وجد میں ہشیار و لا یعقل اچھلتا ہے

ہے جو شے دنیا میں سو انسان کو درکار ہے — موت بھی اک روز جیتی جان کو درکار ہے
یہ تو گھر ہے آپ کا گر آئیے ہو بولو سنو — شرم کیا تھی شرم تو مہمان کو درکار ہے
قدر قیمت لعل و گوہر کی ہے نیلم سے سوا — کیا مسی تیرے لب و دندان کو درکار ہے
خون سے مقتولوں کے خود رنگیں ہے اُس قاتل کا ہاتھ — کب حنا اُس پنجۂ مرجان کو درکار ہے
گر نہیں لکھنے کے پھر خط غیر کو لکھ دو ہمیں — ایک نوشتہ دل کے اطمینان کو درکار ہے
ترش روئی کا کیا دربان کے جو اُس سے گلا — ہنس کے بولے وہ کہ یہ دربان کو درکار ہے
جب ہوا اُس در پہ میں نالاں کہا دربان تو ہے — اور کیا اُس خانمان ویران کو درکار ہے

ہر گلِ مضموں سے رنگیں ہی ترا باغِ سخن
سُرخی اے معروف کیا دیوان کو درکار ہی

رگِ گل تیری کمر سے تو کہاں ملتی ہی
کچھ جو ملتی ہی تو میری رگِ جاں ملتی ہی

یوں تو جو چیز ہی ارزان و گراں ملتی ہی
پر نہیں جس کی طلب ہی وہ کہاں ملتی ہی

سُن کے نالے کو میرے کہتے ہیں سب ہمسایے
اس طرف کیسے یہ بے وقت اذاں ملتی ہی

اُس کی تصویر جو یوسف کو دکھائی تو کہا
اس میں کچھ کچھ تو شباہت میری ہاں ملتی ہی

کس کی قسمت ہی کہ ہو تیغِ بتاں سے جو شہید
ہر مسلمان کو یہ موت کہاں ملتی ہی

اُس سے ہم پوچھتے ہیں دارُوے بیماریِ دل
کسی عطار کی جس جا کہ دُکاں ملتی ہی

خواہشِ دولتِ کونین نہیں رہتی پھر
آنکھ سے اُس کے میری آنکھ جہاں ملتی ہی

کوئی کہدے اُسے تو آئینہ مت دیکھا کر
اس سے عشاق کی چشمِ نگراں ملتی ہی

فکر کر اُس کے نہ مضمونِ کمر کی معروف
کیا نئی بات سدا مفت یہاں ملتی ہی

ان دنوں تیرے مریضِ عشق کا یہ حال ہی
آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی اُس کا اب اشکال ہی

کیا کہوں نازک میاں تک وہ پری تمثال ہی
گردشِ رنگِ گل اُس کا حلقۂ خلخال ہی

جس جگہہ ہی عاشقِ بیتاب کا تیرے مزار
اُس زمیں کے گرد سو سو کوس تک بھونچال ہی

ابرِ غم دل پر جو برسا چشم سے جاری ہیں اشک
دیکھنا شاید کہ پانی کا ادھر کو ڈھال ہی

دیکھیے اُس کی مژہ کس کس کی خونریزی کرے
ہاتھ میں خنجر لیئے نوروز اب کے سال ہی

سُنتے ہی معشوق کی آمد جو عاشق جی سے جائے
واقعی یوں ہی کہ اس کا نام استقبال ہی

طوق کا قمری کے باعث ہم نے پوچھا تو کہا
یہ کسی سروِ رواں کے پاؤں کی خلخال ہی

پائے آسایش کا پھیلانا تو کچھ مشکل نہیں
کھینچنا دستِ طمع کا پر بہت اشکال ہی

وقتِ گریہ اضطرابِ دل سے آئے کیوں نہ خوف
سبزۂ ریحاں عزیزو کیوں سنگھاتے ہو مجھے
گر سلانا ہی مجھے تو منہ پہ میرے ڈال دو

ایک تو برسے ہی مینہ اور دوسرے بھونچال ہی
ہجر کی شب نیند کا آنا بہت اشکال ہی
وہ جو منہ کے پوچھنے کا یار کے رومال ہی

اس دل پژمردہ کو معرفت کو رہنے دیجئے گاں
کیا بگڑتا ہی ترا رہنے دے مُردہ مال ہی

مخمسات ولہ

مخمس بر غزل حضرت امیر رحمۃ اللہ علیہ

عشوہ سے ظاہر سراسر ہی جلوۂ حور و پری
غمزہ میں تیرے ہو بہو پنہاں فنِ جادوگری
جتنی کہ گرمی چاہیئے ہی تیری صورت میں بھری
ای چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آذری
ہرچند وصفت میکنم در حسن زان زیباتری

نقاشِ قدرت نے تجھے جس دم بنایا سر بسر
جتنے کہ اگلے نقش تھے بے روپ سے آئے نظر
سارا مرقع دہر کا ہرچند دیکھا غور کر
ہرگز نیامد در نظر نقشے ز رویت خوب تر
شمسے ندانم یا قمر حوری ندانم یا پری

مشتاق خرامِ ناز سے تو جلوہ کرتا ہی جہاں
جوں سایہ رہتے ہیں پڑے عشاق بیتابی تہاں
چاہیں جو اٹھیں خاک سے سو ہم میں طاقت ہی کہاں
ای راحتِ آرامِ جاں با قد چوں سرو رواں
زانسو مرو دامن کشاں آرامِ جانِ ما بری

رہتی تھی عاشق سے تجھکو کس قدر بیگانگی
مانند نور و سایہ کے ہرگز کچھ آمیزش نہ تھی
پر انتہائے عشق میں دیکھا تو کیا صورت ہوئی
من تن شدم تو جاں شدی من تو شدم تو من شدی

تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ماناکہ ثانی آج ہی تیرا قلم سحر آفریں | کھینچے ہیں تو نے عمر بھر نقشِ بتانِ آذری
گو رنگ لاوے لاکھ تو ہر دم تیرے قائل نہیں | صورت گری بیاب چین صورت آں مہ مبیں
یا صورت کش ای چنین یا ترک کن صورت گری

در پر جو اپنے دیکھ کر مجھ کو وہ شوخ بے وفا | ہو کر خفا کہنے لگا تو کون ہی اٹھ یاں سے جا
معروف اس جا رو دیا اور رو کے یہ مقطع کہا | خسرو غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

مخمس بر غزل خواجہ حافظ شیرازی رح

نہ پوچھ مجھ سے غمِ درد و صدمہ ہائے فراق | ازل سے مجھ کو بنایا ہی آشنائے فراق
لکھا نہیں میری تقدیر میں سوائے فراق | مباد کس چو منِ خستہ مبتلائے فراق
کہ عمر من ہمہ بگذشت در بلائے فراق

نکل گئی جو تیرے غم میں تن سے میری جاں | تو رو رہے ہیں میرے یار کر کے میرا بیاں
اٹھا جہاں سے ہی ہی وہ نامرادِ جہاں | فقیر و عاشق و بیدل غریب و سرگرداں
کشیدہ محنت ایام و دردہائے فراق

غمِ فراق سے از بس کہ ہوں سدا بیدم | ہر ایک دم میرا ہی میرے حق میں تیغِ دو دم
طرف فلک کے یہ کہتا ہوں دیکھ کر ہر دم | کجا روم چہ کنم حال دل کرا گویم
کہ داد من بستاند دہد سزائے فراق

بھرا ہی بس کہ دل و جان میں تیرے ہجر کا غم | بنا ہی چشمۂ خونِ جگر یہ دیدۂ نم
جو بس چلے تو بہ تقریبِ انتقامِ الم | فراق را بفراقِ تو مبتلا سازم
چناں کہ خون بچکانم ز دیدہ ہائے فراق

کیے ہیں ہجر نے ازبس کہ مجھ پہ جور و ستم　　تو بن رہا ہے بہ غصّے سے اب میرا عالم
کہ دل ہی دل میں یہ سوچا کروں ہوں میں ہر دم　　اگر بدست من افتد فراق را بکشم
بہ آب دیدہ و ہم باز خونبہائے فراق

تمام عمر رہا دوستو میں اس سے جدا　　اور اس پہ کہتے ہو قسمت کا تو نہ کر شکوا
ذرا سمجھ کے کہو یارب از برائے خدا　　من از کجا و فراق از کجا و غم ز کجا
مگر بزاد مرا ما در از برائے فراق

اسیر بندِ بلا ہے یہ ناتواں شب و روز　　سبب یہ ہے کہ وہ آنکھوں سے ہے نہاں شب و روز
سنا گئی ہیں جو معروف کی فغاں شب و روز　　ازیں سبب من و حافظ جو بے دلاں شب و روز
چو بلبل سحرے میزنم نوائے فراق

مخمس بر غزل شاہزادہ والا گہر مرزا معزالدین بہادر المتخلص بہ ثابت

مار پہلو میں میرے دشنہ و خنجر لاکھوں　　توڑ دے ہر رگِ تن میں میرے نشتر لاکھوں
سنگِ غم پھینک میرے شیشۂ دل پر لاکھوں　　کوئی ڈرتا ہوں فلک اور ستم کر لاکھوں
چرخ دے تو مجھے اے چرخ ستمگر لاکھوں

کب میسر لایق گل گشت گلستاں ہے نصیب　　کب تماشائے گل و لالہ و ریحاں ہے نصیب
تنگ و تاریک سا اک گوشۂ زنداں ہے نصیب　　ان کی دولت سے مجھے سیرِ چراغاں ہے نصیب
شمع رو داغ جو ہیں اپنے جگر پر لاکھوں

ایک عالم تجھے کوٹھے پہ کھڑا دیکھے ہے　　مر گیا شب تیرے عارض کی صفا دیکھے ہے
ہم تو ہم ماہ بھی حیران رہا دیکھے ہے　　مہ جبیں روئے عرقناک تیرا دیکھے ہے

غرق دریائے خجالت ہوئے اختر لاکھوں

بس کہ الفت نے کیا مجھ کو جہاں میں رسوا
دوستوں نے بھی کچھ اب سوچ کے ملنا چھوڑا
ہر طرف سے ہوئے سو طرح کے دشمن پیدا
دوستی اُس کی میں کچھ اور تو حاصل نہ ہوا

ہاں مگر مجھ سے ہوئے معنت میں بدتر لاکھوں

چرخ بے مہر میرے سر پہ جو آفت لایا
دام گرداب محبت میں مجھے پھنسوایا
میں رہا تھو رپر اس کا نہ ٹھکانا پایا
اب تلک ساحل امید نہیں ہاتھ آیا

بحر مواج الم نے دیئے چکر لاکھوں

سب پہ معروف ہی عزت جو میری تھی ثابت
میری خوباں سے برابر کی ہنسی تھی ثابت
مدعا چاہ نہ جب تک کہیں کی تھی ثابت
گرم ایک بات کسو کی نہ سہی تھی ثابت

اب سناتے ہیں مجھے میرے مقدر لاکھوں

مخمس بر غزل مبارز الدولہ حسام الدین حیدر خان بہادر المتخلص بہ نامی

نہ ربط ہی مجھ کو قد دلجوئے کسی کے
کچھ واسطہ ہم کو نہیں گلروئے کسی کے
واقف نہیں چشم ولب ابروئے کسی کے
کام اُس کو نہیں کچھ رخ نیکوئے کسی کے

وابستہ ہی جو حلقۂ گیسوئے کسی کے

ہم عشق بتاں ترک ہی کر بیٹھے تھے کب کے
گو چلتے نہ تھے اور کھچے رہتے تھے سب سے
آزار ہی ڈھلکے کا لگا چشم کو تب سے
تسخیر ہوا دل ہی نظر آئے ہیں جب سے

تعویذ وہ ڈھلکے ہوئے بازوئے کسی کے

ناصح مجھے یاد آتے ہیں اب وصل کے اوقات
ہر وقت غرض نہ ہی گتی ہی تیری بات
سر پھوڑ کے مرجاؤں تیرے ہاتھ سے ہیہات
کس طرح مجھے کل پڑے بستر پہ کہ کل رات

ہم پہلو تھا پہلو میرا پہلوئے کسی کے

آفت ہے طبیعت کے تعلق کا بھی افسوں — از بسکہ سراپا یہ ہوں ایک شخص کے مفتوں
ہر رنگ میں سوجھے ہے مجھے شوق جنوں — کس طرح مہ عید کو رو رو کے نہ دیکھوں
ملتا ہے ہلال خم ابرو سے کسی کے

چندے عمل حُب کے لیئے از رہِ خامی — تھی جن سے ہمیں عار رہی اُن کی سلامی
سب دیکھے تھے معروف جو سوداگر نامی — کیا تھا کہ نہ ہم کر چکے اُس کے لیئے نامی
پر کچھ ہوا افسوں سے نہ جادو سے کسی کے

مخمس بر غزل حافظ عبد الرحمٰن خاں صاحب المتخلص بہ احسان

بنی ہے چشمۂ خون چشم اشکبار دریغ — بچا نہ قطرۂ خونِ دل فگار دریغ
ہزار حسرت و صد حیف صد ہزار دریغ — ہوا ہے زرد میرا غم سے جسم زار دریغ
بسنت پھولی ہے لیکن نہیں ہے یار دریغ

ملا جو تجھ سے سر راہ میں بیاباں گرد — تو دیکھ دیکھ میرا جسم زار و چہرۂ زرد
ہنسا بزیر لب ایک ہی کے نار سے دم سرد — کڑھا ہے دیکھ کے مجھ کو تو اس طرح بیدرد
نہاں زباں پہ الحمد و آشکار دریغ

تجھے ہے پھول گلستاں کے ہر نشیمن میں — ہر ایک جا یہ ہیں مرغان باغ شیون میں
بھرے ہیں لختِ دل غنچہ گل کے دامن میں — گذر ہوا تھا یہ کس رشک گل کا گلشن میں
کہ بلبلاتی ہیں یوں بلبلیں ہزار دریغ

نہیں ہے کوئی میرا یار و آشنائی الحال — پر ایک تیرا جو چھلا ہے یادگار وصال
اسی کو سینہ پہ دھرتا ہوں خوب کے کرلال — جو گل ہیں کھائے لکھوں کس طرح تجھے احوال
نہیں ہے پاس کبوتر بھی اے نگار دریغ

کرم سے تونے جو مقتل میں جلوہ فرمایا — زبس کہ مجھ کو تمنائے مرگ میں پایا

توسب کو قتل کیا اور مجھی کو ترسایا
گلے پہ تشنہ کے میرے تجھے نہ رحم آیا
دریغ تونے رکھی تیغِ آبدار دریغ

نہ آپ میں ہے نہ معروف پیشِ وساماں
نہ پاسِ شرم وحیا ہے نہ ضبطِ آہ و فغاں
نہ باز رہوے ہے رونے سے دیدۂ گریاں
نہ دل کو تاب ہے فرقت میں کیا کروں احساں
نہ چین دیتی ہے جانِ پُر اضطرار دریغ

مخمس بر غزل فارسی حافظ عبدالرحمٰن خاں صاحب احساں بہ حسب فرمائش و شان

نالہ ہائے بے اثر بے فائدہ
زاریِ شام و سحر بے فائدہ
کیجے کیوں جی کا ضرر بے فائدہ
یہ گرام سب بے ثمر بے فائدہ
رنگ زر دم ہم چو زر بے فائدہ

نے تو نقشِ مُدعا کی ہے نشست
نے صفِ غم کو ہی ملتی ہے شکست
خوب دیکھا اے دلِ الفت پرست
نالۂ من سر بسر بے حاصل است
گریۂ من سر بسر بے فائدہ

رد کرے جو ایک بوسہ کا سوال
وہ کرے کیا خاک عاشق کو نہال
کب بر آتی ہے تمنائے وصال
اے صنم اے سروِ بستانِ جمال
از تو اُمیدِ ثمر بے فائدہ

نزع کی حالت میں کیا ہوتا اگر
دیکھ جاتا آکے مجھکو اک نظر
وائے حسرت اے بتِ بیداد گر
جاں بلب آرسے نمیداری خبر
بے تو مردن بے خبر بے فائدہ

ہر گھڑی تو یہ جو کرتا ہے بیاں
دل لگا مت اس میں ہے جی کا زیاں
تو کوئی قاضی ہے تجھ کو کیا میاں
ناصحا من دانم و عشقِ بتاں

فائدہ گرہست وورہے فائدہ

کہتے ہیں معروف کو ہی کیا زبوں　　　میر کو بھی کہتے ہیں مرد فنوں
کرتے ہیں سودا تلک ثابت جنوں　　　قدرِ شعر احسان کہ میدانند کنوں
می خورم خونِ جگر بے فائدہ

مخمس بر غزل سید نظام الدین صاحب المتخلص ممنون

ہی وا دخواہ تجھ سے وفا اور وفا سے ہم　　　راضی ہی تیری خو سے خفا اور خفا سے ہم
کیا لگ چلی ہی تجھ سے ہوا اور ہوا سے ہم　　　نکہت کو تجھ سے لے ہی صبا اور صبا سے ہم
لے عطر تیرے تن سے قبا اور قبا سے ہم

کرنی ہی ہم کو عمر بسر راہِ عشق میں　　　ہی کس کو جان و تن کی خبر راہِ عشق میں
یعنی گئے ہیں سر سے گذر راہِ عشق میں　　　دُنیا ہر ایک گام پہ سر راہِ عشق میں
اُلفت سے سیکھتی ہی وفا اور وفا سے ہم

رہتے تھے روز رات کو روتے سحر تلک　　　ہچکی سی ایک لگتی ہی دو دو پہر تلک
پائی نہ پر دُعا کی رسائی اثر تلک　　　پہونچی نہ ایک بار اجابت کے در تلک
تنگ آ گئی ہی اثر سے دعا اور دعا سے ہم

لازم ہی دوستوں کو رہیں دل سے عمر بھر　　　احسان مند خوبیِ اخلاق یک دگر
ہیں ہم بھی فیضِ گلشنِ ہستی سے بہرہ ور　　　داماں بھر کے لیتی ہی نکہت سے ہر سحر
گل سے چمن چمن سے ہوا اور ہوا سے ہم

دل میں بھری ہیں بس کہ محبت کی شوخیاں　　　ہر غنچہ گل کا اپنے گماں میں ہی گلستاں
نیرنگِ کار خانۂ دل کیا کروں بیاں　　　ہر ایک تازہ رنگ سے ہی خون میں نہاں
خون تیرے ہاتھ سے ہی حنا اور حنا سے ہم

راہ طلب میں کس کو میسر ہی بازگشت | یہاں ہر قدم ہی صورتِ خورشید تیغ و طشت
دیوانگان شوق کی مت پوچھ سرگزشت | سرگرم جستجو ہیں ترے بس کہ دشت دشت

منت پذیر ہم سے ہیں بالا و پا سے ہم

یوں اب کوئی بڑھا لے کسو سے ہزار ربط | پر بے مناسبت کے نہ ہو استوار ربط
ہونا ہی اپنے جنس سے بے اختیار ربط | آشفتہ سے رکھے ہی سیہ روزگار ربط

شانے سے مو و مو سے بلا اور بلا سے ہم

احیا کا گرچہ معجزہ آرائی ہی مسیح | لیکن مریض عشق سے شرمائے ہی مسیح
معروف دردِ عشق کو کب پائے ہی مسیح | ممنون کا درد دیکھ کے فرمائے ہی مسیح

عاجز ہی اس مرض سے دوا اور دوا سے ہم

تخمیس بر غزل شیخ محمد ابراہیم المتخلص بہ ذوق

جو کوئی عاشق بتِ سفاک پر ہو جائے ہی | خنجرِ بیداد سے آخر شہادت پائے ہی
لیکن ایسی موت بھی ہر ایک کو کب ہاتھ آئے ہی | سر بوقتِ ذبح اپنا اُس کے زیر پائے ہی

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہی

میں پڑا ہوں قید میں اور موسمِ گل آئے ہی | شوق کی موج صبا بیتابیاں کھلائے ہی
سخت تنگ آیا ہوں بیٹھے بیٹھے جی گھبرائے ہی | رخصت اے زنداں جنوں زنجیرِ در کھڑکائے ہی

مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہی

ضعف سے مشکل ہی اب مژگاں کا بھی ہلنا بہم | ذرا اگر چلتا تو مر جاتے کہیں جلدی سے ہم
ناتواں ہیں کس طرح طے کر سکے راہِ عدم | ہاں مدد طاقت کہے ہی ضعف سے سینہ میں دم

دیکھیئے لب تک خدا کیونکر مجھے پہنچائے ہی

مرتے مرتے بھر چکا تھا زخم میں کتنا نمک | کیا عجب گر خاک سے بھی میری پیدا ہو نمک
لذتِ بیداد قاتل میں بھی ہی کتنا نمک | وائے وا سوزِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک

استخواں میرے ہما کس کس مزے سے کھائے ہے

ہر نفس جھڑتے ہیں آہِ گرم سے میرے شرر
خونِ دل ہر دم بہاتی ہے رگِ مژگانِ تر

کون ہے اس وقت میں میرا جو لے میری خبر
بس کرم سوزِ دروں پہنچائے گی دل او جگر

جوشِ گریہ زخمِ چھاتی پھر ابھر آئے ہے

بس کہ دردِ حسرتِ دیدار سے تھا بے قرار
کھو دیا بے چارہ نے ہستی سے تمکِ اعتبار

کش مکش میں مرگ کی بیچوں پڑا معروف وائے
نزع میں بھی فی وق کو تیرا ہی بس ہے انتظار

جانبِ در دیکھ لے جب کہ مجھے ہوش آئے ہے

مخمس بر غزل اسد اللہ خاں المتخلص بہ اسد

شرحِ سوزِ دلِ افگار کہوں یا نہ کہوں
ہے مجھے رخصتِ گفتار کہوں یا نہ کہوں

کچھ تو کہہ اے بتِ اغیار کہوں یا نہ کہوں
اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں

ہے حیا مانعِ اظہار کہوں یا نہ کہوں

آپ سے ہے دلِ وحشت زدہ کب سے باہر
تس پہ بھی میں نہیں انداز کے ڈھب سے باہر

حرف بیجا نہیں آتا مرے لب سے باہر
نہیں کرنے کا میں تقریر ادب سے باہر

میں بھی ہوں محرمِ اسرار کہوں یا نہ کہوں

بابتِ بزم کے گلستاں کی حکایت سمجھو
مرثیہ کی اسے یا کوئی روایت سمجھو

خیر جو سمجھو سو سمجھو یہ نہایت سمجھو
شکر سمجھو اسے یا کوئی شکایت سمجھو

اپنی ہستی سے ہوں بیزار کہوں یا نہ کہوں

دیکھ کر بیکسیِ عاشق و بے یاریِ دل
ہے سویدا بھی سیہ پوشِ عزاداریِ دل

ٹکڑے ہوتا ہے جگر دیکھ کے لاچاریِ دل
اپنے دل ہی سے میں احوالِ گرفتاریِ دل

جب نہ پاؤں کوئی غمخوار کہوں یا نہ کہوں

کوئی کرتا ہی گلا بھی جو کسو اپنے سکا لوگ باور نہیں کرتے ہیں پھر اُس کو بھلا
ہی یہ مشکل کہ نہیں اور سے مجھ کو شکوا دل کے ہاتھوں سے کہ ہی دشمنِ جانی میرا
ہوں اک آفت میں گرفتار کہوں یا نہ کہوں

پہلے تو عاشقِ غم کش کی زبان ہی غماز اشک و بے تابی و فریاد و فغاں ہی غماز
یعنی ہر پردہ میں ایک عیب کا بیاں ہی غماز میں تو دیوانہ ہوں اور ایک جہاں ہی غماز
گوش ہی در پسِ دیوار کہوں یا نہ کہوں

ہی سخن واشد دل کی مجھے معروف مدد ہوں بزندانِ سخن صورت قفلِ ابجد
دل میں باتیں ہوں بھری جب کے زیادہ از حد آپ سے وہ میرا احوال نہ پوچھے تو اسد
حسب حال اپنے پھر اشعار کہوں یا نہ کہوں

مخمس بر غزل اسد خاں ممدوح

جی سے گزریں گے تیرے در پہ گزر ہونے تک مر ہی جاویں گے تیرے کوچہ میں گھر ہونے تک
ہی یہ جنجال ہمیں عمر بسر ہونے تک آہ کو چاہیئے ایک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہی تیری زلف کے سر ہونے تک

پوچھ دریائے محبت کے نہ مجھ سے نیرنگ ہی حباب اور ہوا صورت ربط سر و سنگ
کیا کرے اس میں شنا کوئی غوص آہنگ دام ہر موج میں ہی حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہی قطرہ پہ گہر ہونے تک

ایک مدت سے جو حیران و پریشان تم بن کاٹتا ہوں شبِ ہجراں کو میں تارے گن گن
جذبۂ عشق تمہیں لائے گا یہاں تک اک دن ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

غور سے دیکھ بلندی ہو نہ پستی غافل صاف ڈھٹہ بندی ہو دنیا کی یہ پستی غافل

کس بھروسہ پہ ہے اتنی تجھے مستی غافل　　یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے ایک رقص شرر ہونے تک

دل کو ڈھانے کا تو معروف نہیں اپنا مزاج　　پر اُسے اپنی نصیحت کا جو دیکھا محتاج
جی میں آتا ہے کہ ایک ڈھنگ سے سمجھایئے آج　　غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہے جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

رُباعیات

محبوب کے نام کے تصدّق جاؤں　　اس ماہِ تمام کے تصدق جاؤں
معروف اگر پاؤں تو سو جان سے آہ　　سلطان نظامؒ کے تصدق جاؤں

الفت ہے گدائی سے نہ شاہی سے حب　　دنیا کی خواہش کی نہ ماہی سے حب
رغبت نہیں مطلق مجھے ان چیزوں سے　　بس ہے مجھے محبوب الٰہیؒ سے حب

ہے عرض یہ معروف کہ یا فخر الدینؒ　　کب تک ہوں دنیا کی طلب میں غمگیں
اب واسطے حضرت معینؒ الدین کے　　وہ شے مجھے دو کہ تا کروں پیدا دیں

اے دل چشم تو گر حقیقت بیں است　　چشمے بکشا بہ بیں حقیقت بیں است
ور دیدہ ماہ و خور ز خود نورے نیست　　ایں پرتوِ حضرت ضیاء الدینؒ است

جاں گرچہ فدائے حضرتِ غیور است　　ہر چند نگہ غریق بحر نور است

تا طالب و مطلوب نہ واحد دانی
میر و میر و ہنوز دلی دور است

شاہین نگہ کا اُس کے دل صید ہو اب
ثانی جس کا جہاں میں ناپید ہو اب
میں ایک تو قید تھا ہی دل تو بھی پھنسا
چھٹنا معلوم قید در قید ہو اب

فرقت میں تیری جو ہم پہ دلبر گذری
کیا تجھ سے کہوں کہ آہ کیونکر گزری
دل کو تو کبھو آہ کی تکلیف نہ دی
جو کچھ گذری ہو اپنے جی پر گزری

تا چند بہ گویم سحر و شام ترا
معروف خبر نیست ز انجام ترا
بگریز بحق کہ مو سفیدے آورد
از مرگ رسیدہ است پیغام ترا

جس شخص کو چاہتا ہو اپنا دل
وہ چاہ کا مطلقاً نہیں ہو مائل
اس عشق نے سخت مخمصے میں ڈالا
گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

کرتا ہوں جو دل میں غور سبحان اللہ
کیا نام خدا ہو نام صاحب واللہ
جو شخص کہے ہو میں کروں گا یہ کام
پہلے کہتا ہو منہ سے انشاء اللہ

صدقے نہ ہوں میں کیونکہ بھلا اب جاں سے
چنگے نہ ہوئے تھے جو کبھی لقماں سے
پاتے ہیں شفا اُن کے اب وہ بیمار
واللہ باللہ محمد اشرف خاں سے

معروف یہ ہو شبِ جُدائی سو رہ
جا نے دے طبع آزمائی سو رہ

خاموش ایک ہی رباعی کہکر
ناچار بچھا کے چارپائی سو رہ

جو کہ واقف ہی نہ ہو چاہ کسے کہتے ہیں
کیا خبر اُس کو بھلا آہ کسے کہتے ہیں
کوئی بہ واسطے اللہ کے پوچھو ان سے
بندے اللہ کے اللہ کسے کہتے ہیں

تو نے جواب اُڑائی ہی کبک دری کی چال
چلنا پیارے خوب نہیں ہر کسی کی چال
گر چال چلنی اور ہی منظور ہی تو خیر
یہ چھوڑ ہم سے سیکھ سلامت روی کی چال

ہر گل میں بو ہی بو میں ہی گل دیکھ لے بہار
کیا گل میں جڑ ہی جڑ میں ہی گل دیکھ لے بہار
ساقی یہ اشک چشم میں ہی چشم اشک میں
ہی مل میں جام جام میں مل دیکھ لے بہار

اگر تصویر بھی اُس کی گلے اپنے لگا لیتے
جہنم پتری کی بدھ اپنی غرض ہم بھی جلا لیتے
میرے سر پہ جو رکھ کر پانوں مجھکو ذبح کرتے ہیں
مناسب تھا اگر اس پاؤں میں موزا چڑھا لیتے

وقت کھانے کے اُن کے میں جو گیا
شرم دنیا سے یوں کہا آ کھا
میں جو بولا کہ مجھ کو ہی پرہیز
تو کہا چل یہاں سے خشکا کھا

کیا اے عزیزو آئے تھے تم عدم سے
اس گلشن جہاں کو جائے فضا سمجھ کر
سو اب چلو اُدھر ہی آخر برنگ شبنم
اپنے کو آپ روتے ماتم سرا سمجھ کر

دو حرف بھی نہ لکھے تم نے کبھو جو مجھ کو
یارو گراں تھے شاید ای یار حرف تم پر

اس کے عوض تمھیں اب کچھ اور تو کہوں کیا
پر بھیجتا رہوں گا یک چار حرف تم پر

کہا میں قرض دے بوسہ تو مجھ کو
اگر ہے تجھکو مجھ سے کچھ بھی اُلفت
تو بولا ہے مثل معروف مشہور
کہ ان القرض مقراض المحبت

ہم تو مر جاتے کبھو کے زیست کی ہے یہ وجہ
ہم تم آپس میں ہیں جو اب ہے دوستو باہم نہیں
کیا کریں ناچار ہیں اہ عدم ہے بس کہ تنگ
سیکڑوں جاتے ہیں پر دیکھا تو وہ باہم نہیں

اُن کو نرگس نے جو گلشن میں اشارے سے کہا
سحر ہے اے بُتِ بے باک تیری آنکھوں میں
گھور کر بولے یہ قدرت تیری سیتل باندھے
ہم کو تو ٹوکتی ہے خاک تیری آنکھوں میں

شکوہ نہیں ہے آپ سے کچھ مجھ کو یا نصیر
آئے جو تم نہ میری عیادت کے واسطے
مسلم ہو کچھ تو پاسِ شریعت رکھا کرو
مانو یہ عرض شاہ ولایت کے واسطے

کس لیے اینٹھتی ہے یہ دل تو اب میرا چلا
رُخ سے تیرے مہ جبیں زلف سیہ فام کو
ہے مثل اے جانِ من کہئے نہ بھولا اُسے
صبح کا بھولا جو گھر آوے کوئی شام کو

میں کہا اُن سے مجھے چاہتے ہیں شاہ آپ
آہ کے دل سے جو نکلے ہے صدا آہوں کی
سُن کے یہ کہنے لگے میں تجھے چاہوں معروف
ایسی شامت ہے بھلا کیا میرے بدخواہوں کی

وہ مہروش لبہنی زلف کھولے
کوٹھے پہ چڑھا ہوا کھڑا ہے

ساقی یہ دن ہے مے کشی کا
کیا ابر گھرا ہوا اٹھا ہے

کس طرح میری تمہاری اب بنے اے دوستو
تم کو تو خلوت میں یارانے کی صحبت چاہیے
اور میں غم میں ہوں ایک گوشہ نشیں کے ان دنوں
اس میں کچھ پردا نہیں ہے مجھکو خلوت چاہیے

وصالِ یار کا مذکور میں نے ہجر کی شب
کہا جو بزم میں اس دل کے داغ کے آگے
تو یہ سمجھ کے لگے دینے سب مجھے تعبیر
کہے ہے خواب یہ شاید چراغ کے آگے

معلوم ہو گیا ہمیں احوال آپ کا
غافل ہے جو کوئی اُسے نکتہ کتاب ہے
اب تک ہمیں جواب جو خط کا نہیں لکھا
در پردہ یہ بھی ایک طرح کا جواب ہے

کب تک اس درد سے رہوں غم ناک
چرخ نیلی ہے مجھ سے برسرِ کیں
اب مدد میری تم کرو جلدی
واسطے رب کے یا معین الدیں

قطعات وله

رستے میں اتفاقاً وہ مل گئے جو ہم کو
بولے ضرور آنا کل تم ہمارے مکان پر
ہم آج جو گئے تو انبوہ تھا نہایت
یک بار اُٹھ کے بولے بیٹھو میری زباں پہ

مطلعات

سینے میں میرے قاتل خنجر کہ سکولتا تھا
پوچھا تو ہنس کے بولا میں دل ٹٹولتا تھا

دکھا کے دور سے کل ہم کو اُس نے جھلکا سا
کیا ہے دل کا سوال آج یوں ہی ہلکا سا

یوں جو آئے حبیب کا لکھا
یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

کیا جانے ایسا قبر میں ہی کیا دھرا ہوا
جو جا ہے پھر نہیں وہ نکلتا مرا ہوا

باہر وہ نکلیں غیر کی خلوت میں جا کے تا
جھٹ ہم نے کہدیا وہیں پر دا اٹھا کے تا

دل گر کسی ہرجائی پہ مالوف نہ ہوتا
تو نام میرا شہر میں معروف نہ ہوتا

معروف یہ جنوں بھی ہی آشنا پرانا
ہی فصل گل وہ وانی دے دے پھٹا پرانا

کیا تماشا ہی کہ جب وہ ہاتھ اکیلا لگ گیا
دل میں آئی بھی گلے لگتے تو میلا لگ گیا

ردیف با

یہ یوں ہی غفلت دنیا سر حساب میں خواب
کہ دیکھتا ہی کوئی جس طرح سے خواب میں خواب

یوں تپ غم میں جوانی گئی حیات شتاب
جیسے کٹ جائے ہی گرمی کی دلا رات شتاب

یا روز بس انھوں پہ ہی قید فرنگ اب
جو سر بھی کھیلتے ہیں تو ہے قید رنگ اب

خفا تھے کل تو نہایت میرے ملاپ سے آپ
یہ کیا سبب ہی جو آئے ہو آج آپ سے آپ

ردیف تا

کیوں یہ میکش کریں رو رو کے جہاں میں برسات
ساقیا آئی ہی اب کے رمضان میں برسات

بے قراری مجھے تجھ بن یہ ہی آج کی رات
حشر کا دن تھا کوئی رات نہ تھی آج کی رات

ردیف ثا

کیا ہی تونے قدم رنجہ آکے آج عبث
مسیح عشق کے بیمار کا علاج عبث

کتبہ چشم مغنن کو لوبا دام نہ بیچ
پختہ مغزان جنوں کو ثمر خام نہ بیچ

ای دل بیتاب شام غم کی کب جاتی ہی صبح
سر کو رکھ کر زانوے خورشید پر ہوتی ہی صبح

ہوتی ہی یوں تو چار پہر بعد روز صبح
ہی یہ شب فراق ہی ای دل ہنوز صبح

ہر چند یوں تو ہوتے ہیں سارے غزال شوخ
پر تیری چشم مست ہی کافر کمال شوخ

اگرچہ کرتے ہیں خوباں تند خو بیداد
پہ ان سبھوں میں ہو اے بد مزاج تو بیداد

دلیلِ سرد مہری ہے بتِ بے پیر کا کاغذ
وگرنہ خط کو کیا کچھ فرض تھا کشمیر کا کاغذ

ہاتھ قاتل نے رکھا جبکہ خراسانی پر
بل لیے ہیں بل بھی پڑا میری نہ پیشانی پر

نہ ہنسو کیونکہ جو مارے ہیں کسو ناکس پتھر
ضرب پتھر کی ہے دیوانہ کو پارس پتھر

ضعف آنے نہیں دیتا تھا قدم لے لیکر
گھر تک آیا ہوں بڑے زور سے قدم لے لے کر

شکارِ دل کے لیے آج پھر اُڑایا باز
ستمگری سے تو آخر کبھی نہ آیا باز

نالۂ قیس کی موجود ہے تاثیر ہنوز
غل سے خالی نہیں ہے خانۂ زنجیر ہنوز

اس کی منظورِ نظر ہے میری تسخیر ہنوز
چشمِ مشتاق ہے ہر حلقۂ زنجیر ہنوز

مے کشی کی ہم کریں کیا خاک اے ساقی ہوس
عالمِ پیری ہے بس اللہ بس باقی ہوس

ہو وہ صیاد خدایا گلِ گلزار سے خوش
جو نہ ہو نالۂ مرغانِ گرفتار سے خوش

کرتی نہیں ہے ہوا سے یہ موجِ غبار رقص
مجنوں کی روح کرتی ہے بے اختیار رقص

دیکھنا شوخی کہ مجھ کو مار کر اک تیغ قبض
مانگتا ہے خوں بہا کی وہ بتِ کیش قبض

سمجھ جلوہ گر سب میں حسنِ بسیط
کہ حق ہے علیٰ کل شیءٍ محیط

پھر آیا رقیب غلیظ الحفیظ
پڑھو دوستو الحفیظ الحفیظ

دیکھ کر محفل میں سب کو عارضِ جانانہ شمع
کر کے وہ شعلہ کی بال و پر ہوئے پروانہ شمع

جلے ہے داغ سے اب یوں میرے جگر میں داغ
کہ جیسے دشت میں لالہ ہوا اور گھر میں چراغ

مجھ کو خط میں جو لکھے شوخ نے شنجرف کے حرف
یہاں لہو سوکھ گیا دیکھ کے بس حرف کے حرف

جب باہم لڑتی ہیں آنکھیں تو ہر دو نوں طرف
دل میں ہو جاتے ہیں دل زیر و زبر دونوں طرف

ناصحا کر پیرہن کے واسطے ہو عیب چاک
باوجودِ حسنِ گل کاہے کو رکھے جیب چاک

کہا فقیر نے جو عشق ہیں تم پہ سارے لوگ
تو ہنس کے بولے کہ اکبر خدا کے پیارے لوگ

مجنوں نے ڈھونڈھا لیلیٰ کا محمل
صحرا بہ صحرا منزل بہ منزل

یوں خالِ لب سے ہی دہنِ سیمبر پہ قفل
مہتاب جیسے ہو کوئی درجِ گہر پہ قفل

کیوں لیا تھا قیس نے سودا کا نام
جو ملایا خاک میں صحرا کا نام

میرے والی تمہیں ہو اور تمہیں سرتاج فخرالدین
میری اب سب طرح کی ہے تمہیں کو لاج فخرالدین

یہ زندگی کی ہی صورت گر اشتہار کریں
کہ پاویں آئینہ کو گر تو سنگسار کریں

ڈر ہی گھبرا کے نکل جائے نہ تاخیر میں جاں
جلد تکبیر دے کر دیر نہ تکبیر میں جاں

سگانِ کوئے مولانا کے ادنیٰ یار ہم بھی ہیں
ادھر بھی پھینک دینا استخوان حقدار ہم بھی ہیں

معاذ اللہ ہم بوسہ بھی لیں اور پھر مکر جائیں
کہو تو مصحفِ رخ پر تمہارے ہاتھ دھر جائیں

عکس و آئینہ ہیں ہم وہ خلق کو باور نہیں
ہم سے وہ باہر نہیں اور ان سے ہم باہر نہیں

میں ان کو چاہتا ہوں وہ مجھ کو چاہتے ہیں
کچھ میں نباہتا ہوں کچھ وہ نباہتے ہیں

اُٹھینگے جب وہ جی کر جو موئے ہیں یادِ قامت میں
نہ پوچھو ایک قیامت ہوئے گی برپا قیامت میں

اُس در پہ ہم نے کیں جو گریباں کی دھجیاں
لیں اس نے خوب آن کے زباں کی دھجیاں

میں اُس بے دید کو نامہ تو کیا ہی نامہ بر بھیجوں
یہی بہتر ہے آنکھیں ہی فقط ملفوف کر بھیجوں

بلا سے موت ہو پر دردِ اشتیاق نہ ہو
وصال وصل میں اچھا غمِ فراق نہ ہو

ہے یہ ہی کھیل قید میں اُس خود پسند کو
کوئی چھڑا دے آن کے چڑیا کے بند کو

زاہد ایسا تو کوئی ہم کو بتا جا کلمہ
کہ پھرے وہ بتِ بے رحم ہمارا کلمہ

مطلعات یائے

نہ ہو جو چشم گریاں اُس سے تو ناسور بہتر ہے
بجے جو ٹھیس سے وہ شیشۂ دل چور بہتر ہے

کہو رقیب کو اک دم یہاں سے ہٹ جائے
کہ اب قریب ہے گھبرا کے دم الٹ جائے

اشک گلرنگ و رخ زرد بڑی دولت ہے
آہِ گرم و نفسِ سرد بڑی دولت ہے

شب کہا میں نے نہ چھوڑونگا گلے آپ بن گئے
ہنس کے فرمانے لگے اچھا تجھے بھی دن گئے

نہ کیونکہ طفل اشک پنا سیر مژگان پر کھیلے
بہادر وہ ہی ہوتا ہی جو اپنی جان پر کھیلے

تھے وہ جس گھر میں ہاں ہم اگر دو رٹے ہی
کاٹنے کو وہ مجھے آگے سے گھر دوڑے ہی

ملاپ اُن سے گر اب کسی طور ٹھہرے
میں لکھ دوں جو پھر وہاں کوئی در ٹھہرے

اُترا جو کوئی دل سے گرا وہ نظر سے بھی
جو جا چکا ادھر سے گیا وہ ادھر سے بھی

یہاں تک اس پہ دل مفتوں ہوا ہی
کہ اب ناصح ترا مجنوں ہوا ہی

ہم ہیں دُشمن رقیب ہیں پیارے
اپنے اپنے نصیب ہیں پیارے

طفل اشک کو مژگان پہ چشم تر نکالے ہی
یہ جوراب نٹنیوں کے ناچ میں ٹان سر نکالے ہی

عزیز و شب جو یہاں مستی میں اکثر دیس آتا ہی
تو ہم پردیسیوں کو یاد اپنا دیس آتا ہی

شب روشن ہی جہاں میں شمع کی ہی تاج ہی
کون کھوے خون پروانے کا مرتا راج ہی

میں کہا ان سے تمھاری زلف پر دل لوٹ ہی
سن کے بولے بات بس یہ ہی تمھاری جھوٹ ہی

کہا اُن سے جو میں نے تم سے میری زندگانی ہی
تو فرمانے لگے صاحب یہ میری منہ زبانی ہی

جو رات بام پہ اپنے وہ رشک ماہ چڑھے
چہار دہم کس کے پھر نگاہ چڑھے

مجرد ہو نہ جب تک کوئی کب نہ رہنما ہوئے
رکھے جو شاخ برگ و بر نہیں ممکن عصا ہوئے

ہمیں جو یاد قد یار اب سلاتی ہی
مثل یہ سچ ہی کہ سولی پہ نیند آتی ہی

ناتواں کی ترے جب جا کھیچے تصویر کھڑی
بیٹھ جاوے وہیں ہوئے نہ وہ تصویر کھڑی

ڈرتے رہو عزیزو کہتا ہوں آسماں سے
بے پیر ضد رکھے ہی ہر ایک نوجواں سے

آپ جو حسن پہ اپنے ابھی اتراتے تھے
ہم ہنسے اس لیے ہم بھی کبھی اتراتے تھے

اگر خشک اہل دل کا دیدہ پر آب ہو جائے
سمندر دیکھتے ہی دیکھتے پایاب ہو جائے

یہاں تک تنگ غم سے ہجراں کے آ چکے تھے
گر آج تم نہ آتے ہم جی سے جا چکے تھے

یہاں سے وہ محبوب سو کوس ہی
صد افسوس ہی دل صد افسوس ہی

گو دل میں حسرتوں کا بہاں اژدہام ہے
بس ایک نگاہِ ناز میں قصّہ تمام ہے

دوپٹا لیکے اُن کا میں نے جو پوچھا نمازی کیہو
تو بولے آپ ہنس کر کیا ندا کی بے نیازی ہے

جھنوں کو جیتے جی لعلِ سیاہ مرغوب ہوتی ہے
موے پر اُن کے اکثر عرس کی شب خوب ہوتی ہے

کچھ فقیروں کو بھی کر دیجیے اشارہ دور سے
نام سُنکر آن نکلے ہیں تمھارا دور سے

مثنوی در حقیقتِ عشق

افتخارِ طپش و جرأت و میر ۔۔۔ تاج بخشِ شعرا شاہ نصیر

بعد اظہارِ تمنائے نیاز ۔۔۔ کیا کہوں آہ اب ای بندہ نواز

ایک تو آ گئے ہی بیمار تھا میں ۔۔۔ حق سے صحبت کا طلبگار تھا میں

شرح میں اس کی کروں کیا مرقوم ۔۔۔ کیونکہ سب حال ہی تم کو معلوم

دوسرے اور یہ سُنیئے اب سیر ۔۔۔ نہیں انجام کا جس کے سر پیر

غور کیجیئے کہ تماشائے عجیب ۔۔۔ کہیں کم ہو وینگے ایسے بھی نصیب

کس سے پوچھوں دلِ مضطر کا علاج ۔۔۔ کہیں ہو جائے نہ اب کوڑہ میں کھاج

کس پریشانی و بیماری میں ۔۔۔ اور اس عالمِ بیکاری میں

لگ گیا جی کو میرے عشق کا روگ ۔۔۔ آہ کس کس کا کروں اب میں سوگ

دل کو پیٹوں کہ جگر کو رووُں ۔۔۔ یا اب اس دیدۂ تر کو رووُں

عشق کرتا ہی جو مجھ پہ بیداد ۔۔۔ کس سے اب جا کے کروں میں فریاد

عشق کے نام جو ہیں تین صرف ۔۔۔ مجھ پہ کرتے ہیں ستم ہائے شگرف

عین عزت کا عدو رہتا ہی ۔۔۔ دم بدم عربدہ جو رہتا ہی

جامہ عشاق کا آبی چاہے ۔۔۔ چشم کی خانہ خرابی چاہے

شین کرتا ہی شرارت ہر دم ۔۔۔ دل کے ہی درپئے غارت ہر دم

خون کرنے میں ہوا ازبس کہ دلیر ۔۔۔ تیر کرتا ہی مجھی پہ شمشیر

ہی یہ پیکار پئے قتل مدام ۔۔۔ آستیں اس کی ہی خنجر کا پیام

قاف ہی قہر بیاں کیا کیجے ۔۔۔ صاف ہی قہر بیاں کیا کیجے

قدرتِ عشق دکھاتا ہے مجھے | قلزمِ غم میں ڈوباتا ہے مجھے
خارجِ ہیئتِ انسانی ہوں | پردۂ قاف میں زندانی ہوں
نہ تو کھانا ہی خوش آتا ہے مجھے | اور نہ پانی ہی بھاتا ہے مجھے
چشم از بس کہ رہی ہے پُر آب | خواب بھی ہو گئی اب عالمِ خواب
جس کو فرصت ہی نہ ہو رونے سے | اس کو کیا کام رہا سونے سے
خوفِ مژگاں سے ہو سونے میں مجھے | کانٹے چبھتے ہیں بچھونے میں مجھے
خواب لاؤں میں کہاں سے پا کے | میری بالیں میں ہیں پر عنقا کے
غارتِ صبر و شکیبائی ہے | میں ہوں اور گوشۂ تنہائی ہے
کوئی ایسا نہیں میرا غمخوار | پاس میرے رہے شب کو بیدار
سایہ جو ساتھ لگا جاتا ہے | رات کو وہ بھی چلا جاتا ہے
چرخ پر ماہ جو چندے جاگا | بس مہینے ہی کے اندر بھاگا
میریِ فریاد یہ ہے کس کی مجال | بولے شب کو جو بغیر از گھڑیال
سو بھی جب ٹب میں گرے جوں جوں عد | دے ہے آواز گھڑی بھر کے بعد
کیا بیاں کیجیے اے آہ نصیب | کہتے ہیں ہوتے ہیں ہمراہ نصیب
ہیں ہمیشہ گہ و بے گاہ شریک | جاگنے میں نہ ہوئے آہ شریک
آپ سوتے ہیں بہ آرام افسوس | یہاں ہوا جائے ہے اک کام افسوس
دوستوں کا نہ رقیبوں کا گلہ | ہم کریں کس سے نصیبوں کا گلہ
بیٹھے بیٹھے یوں ہی تنہا بیکار | پاؤں سو جاتے ہیں گو رہیں بیدار
عشق رکھتا ہے یہ دل کو بے کل | کہ کسی کل نہیں اب پڑتی کل
دل کو ہر چند میں بہلاتا ہوں | سیکڑوں طرح سے سمجھاتا ہوں

کہ سخن ای دشمن فہم و ادراک ننگ و ناموں کو مت کرتہ خاک

عشق یہ وہ ہی بلا اے ناداں الاماں مانگتے ہیں پیر و جواں

یعنی جس جا پہ گزر کرتا ہے اور جس سینہ میں گھر کرتا ہے

اس کی کھودے ہی یہ بیخ و بن ہیزم خشک کو جوں کھاوے کہن

اپنے حق میں نہ بن اتنا جلّاد جان شیریں نہ کر اپنی برباد

مرگ فرہاد سے کر اندیشہ مار مت پاؤں میں اپنے تیشہ

حال مجنوں بھی سنا ہی کہ نہیں آپ منصف ہو بھلا ہی کہ نہیں

ایسے ایسے کئی آفت مارے اس نے دکھلا کے مصیبت مارے

بس مجھے جان سے مت کھو ظالم دین و ایمان سے مت کھو ظالم

مجھ کو رسوا نہ کر ای خانہ خراب کچھ خدا سے بھی ڈر ای خانہ خراب

اضطرابی سے بس اب ہاتھ اٹھا اس خرابی سے بس اب ہاتھ اٹھا

حق جو کہنے کا ہی کہتا ہوں اسے ڈانٹتا روز ہیں رہتا ہوں اسے

کیا کروں لیک نہیں سنتا دل پند اب ایک نہیں سنتا دل

سو فسوں پڑھ کے کروں گر تقریر اس کو ہرگز نہیں ہوتی تاثیر

لاکھ اپنے پہ کروں ہیں جبر دل مضطر کو نہیں آتا صبر

دل غم ہجر سے ہی بس کہ اداس نہ میرے ہوش بجا ہیں نہ حواس

نوحۂ غم میں جو بہت کرتا ہوں وحشیوں ہی میں رہا کرتا ہوں

ہی جو تنہائی سے صحبت مجھ کو اپنے سایہ سے ہی وحشت مجھ کو

کوہ و صحرا سے بھی گھبراتا ہوں گل و گلشن کی طرف جاتا ہوں

وہاں سے بھی جا کے میں ناشاد آیا غنچہ کو دیکھ کے دل یاد آیا

نکہت گل سے خطر ہے یعنی نمک زخم جگر ہے یعنی

حد پریشاں ہی بیاباں کی ہوا — ناموافق ہی گلستاں کی ہوا
آہ کیا لکھوں میں اپنا احوال — دیکھ کر لوگ یہ میرا احوال
کوئی کہتا ہی کہ سودائی ہی — یوں ہی بے فائدہ غوغائی ہی
کوئی کہتا ہی اسے ہی آسیب — کوئی کہتا ہی یہ اس کا ہی فریب
کوئی کہتا ہی جوانی کا غرور — کوئی کہتا ہی کہ کھوتا ہی شعور
کوئی کہتا ہی کہ اتنی بھی شراب — آدمی کو تو بھی کرتی ہی خراب
کوئی کہتا ہی کہ یہ خانہ خراب — اپنے اعمال کا بھگتے ہی عذاب
کوئی کہتا ہی کہ ہی اور خلل — اس نے پڑھنا کوئی سیکھا تھا عمل
بن جو آیا نہیں اس سے پرہیز — اس سبب سے ہوا رجعت انگیز
واقعی لوگ بجا کہتے ہیں — ایسے آزار کو کیا کہتے ہیں
گاہ لوگوں سے نہاں ہوتا ہوں — گاہ سرگرم فغاں ہوتا ہوں
گاہ کرتا ہوں بجاں غمناک — تنگی دل سے گریباں صد چاک
گاہ ہنسنے ہی سے ہی کام مجھے — گاہ رونے سے ہی آرام مجھے
گاہ خاموش پڑا رہتا ہوں — گاہ بے ہوش پڑا رہتا ہوں
گاہ کرتا ہوں جگر کے ٹکڑے — پارۂ سنگ سے سر کے ٹکڑے
گاہ ہاتھوں سے بجھائی آتش — گاہ بستر میں لگا لی آتش
گاہ بالیں پہ پٹکنا سر کو — پھوڑنا سر سے کبھی پتھر کو
سامنے اس کا تصور کر کے — آہ بے ساختہ دل سے بھر کے
اس کی صورت کو تکا کرتا ہوں — آپ ہی آپ بکا کرتا ہوں
کبھی کہتا ہوں ادھر تو دیکھو — مجھ کو تم رشک نظر تو دیکھو
کبھی کہتا ہوں کہ کیونکر آئے — کون ہے وہ جو تمھیں یہاں لائے

کبھی کہتا ہوں کہ آؤ بیٹھو ... مان جاؤ نہ ستاؤ بیٹھو

کبھی کہتا ہوں کدھر بھولے آپ ... آن نکلے جو ادھر آپ سے آپ

کبھی کہتا ہوں کہ سچ ہے یہ وصال ... خواب ہم دیکھتے ہیں یا کہ خیال

کبھی کہتا ہوں کہ اے رشکِ پری ... سچ بتا مجھ کو میری یاد بھی تھی

کبھی کہتا ہوں کہ ظالم تجھ بن ... مجھ کو آرام نہ تھا رات اور دن

کبھی کہتا ہوں کہ غم سے چھوٹا ... شب ہجراں کے الم سے چھوٹا

کبھی کہتا ہوں خفا مت ہونا ... پھر کبھی مجھ سے جدا مت ہونا

کبھی کہتا ہوں کہ جان کھاؤ قسم ... جیتے جی پھر نہ جدا ہونگے ہم

کبھی کہتا ہوں کہ اے رشکِ بہار ... آج کے دن کے ہیں تو جی سے نثار

کبھی کہتا ہوں عنایات کرو ... جی کے بہلانے کی کچھ بات کرو

کبھی کہتا ہوں کہ سنسان ہے کیوں ... تو خفا میرے سے اے جان ہے کیوں

کبھی کہتا ہوں کہ کچھ تو کریئے ... کوئی چوسر ہی کی بازی دھریئے

کبھی کہتا ہوں بچھاؤ شطرنج ... کہ دمِ خوش ہی جہاں میں ہے گنج

کبھی کہتا ہوں کہ کیوں ہو برہم ... گنجفہ بیٹھ کے کھیلو ایک دم

کبھی کہتا ہوں کچھ اشعار پڑھو ... جس میں مضمون جدائی کا نہ ہو

کبھی کہتا ہوں کہ سن تو کم بخت ... مجھ سے کیوں اتنا کیا ہے دل سخت

کبھی کہتا ہوں یہ جو ہم کے اداس ... آئے کیوں تھے جو نہیں آتے پاس

کہ نہ کچھ سنتے ہو نہ کچھ بولتے ہو ... دل تو دل لب بھی نہیں کھولتے ہو

نہ حکایت نہ اشارت نہ نگاہ ... سخت حیران ہوں عیاذاً باللہ

یہ بھی کچھ بات ہے اے جان بھلا ... وصل میں بھی کوئی رہتا ہے خفا

کر فراموش فراموشی کو ... میں ترستا ہوں غمِ آغوشی کو

ناتواں ہیں ہوں اُٹھا لے مجھکو
آ گلے اپنے لگا لے مجھکو

ہے تجھے اپنے خدا کی سوگند
اپنے انداز و ادا کی سوگند

تجھ کو اپنے رُخِ روشن کی قسم
اپنی بگڑی ہوئی چتون کی قسم

تجھ کو اپنے قد و قامت کی قسم
تجھ کو غوغائے قیامت کی قسم

تجھ کو اپنے دلِ بے غم کی قسم
حلقۂ دامِ تغافل کی قسم

تجھ کو سیرِ مہ و پرویں کی قسم
اپنے روئے عرق آگیں کی قسم

تجھ کو مہندی کے لگانے کی قسم
دل کے مٹھی میں چھپانے کی قسم

تجھ کو زلفوں کی سیاہی کی قسم
اپنی و زدیدہ نگاہی کی قسم

نشۂ بادۂ گلگوں کی قسم
چشمِ خمار پُر افسوں کی قسم

تجھ کو میرے دلِ سوزاں کی قسم
چشمِ غم دیدۂ گریاں کی قسم

میری بے بال و پری کی سوگند
آہ کی بے اثری کی سوگند

بجگر سوزیِ عشاق قسم
بدل و دیدۂ مشتاق قسم

قدمِ آبلہ پایاں کی قسم
مژۂ خارِ مغیلاں کی قسم

خضرِ سر منزلِ الفت کی قسم
پائے واماندۂ حسرت کی قسم

وسعتِ آباد تمنا کی قسم
حجرۂ تنگ سویدا کی قسم

وحشتِ شوق کے تمکیں کی قسم
پائے خوابیدہ کے بالیں کی قسم

رشتۂ نازِ رگِ گل کی قسم
دل وابستۂ بلبل کی قسم

باغ کے آب و ہوا کی سوگند
تجھ کو زنار صبا کی سوگند

جوہرِ آئینۂ گل کی قسم
پیچ و تابِ دلِ بلبل کی قسم

چشمۂ باغ کے پانی کی قسم
اس کے مضموں کی روانی کی قسم

تجھ کو اب سب میری قسموں کی قسم
حسن اور عشق کے رسموں کی قسم

کہ نہ کہہ مجھ سے کدورت دل میں — نہ خفا ہو کسی صورت دل میں

کھول مت بند قبا باندھ ابھی — مجھ سے پیمانِ وفا باندھ ابھی

یعنی جس شخص کے میں ہوں بس میں — اس کی تصویر کو دے کر قسمیں

چاہتا ہوں کہ مناؤں اُٹھکر — اور گلے اپنے لگاؤں اُٹھ کر

جب وہ چھٹتی ہی نظر سے تصویر — کیا کہوں پھر وہ قیامت تحریر

نہ وہ تحریر کے قابل ہی غم — نہ وہ تقریر کے قابل ہی غم

ہی وہ تقریر بیاں سے باہر — عالمِ نام ونشاں سے باہر

یہ خبر بے خبری جانے ہی — دل پہ جو گذرے ہی جی جانے ہی

کس طرح ہو یہ حقیقت معلوم — یعنی تقریر کی قدرت معلوم

بے خودی اور نہاں خانۂ دل — گفتگو سہل حقیقت مشکل

آپ کو جان کے اپنا غم خوار — حسب حال اب یہ کہے ہیں اشعار

یعنی ہوتا ہی جو سودا مجھکو — تو خوش آتا ہی یہ غوغا مجھکو

دل جو گھبرائے ہی اکثر میرا — زور چلتا ہی قلم پر میرا

دلِ وابستہ ہی مضموں میرا — نالہ ہی مصرعِ موزوں میرا

اس خطِ نظم میں ہی نیک خصال — عیبِ اشعار پہ کرنا نہ خیال

بلکہ یہاں تک ہی مرا حال پہ تنگ — دوست سر پیٹتے ہیں لیکر سنگ

اور جو تھے میرے دشمن جانی — سوچ کرتے ہیں وہ دُنیا فانی

رحم کھاتے ہیں جوانی پہ میری — خون روتے ہیں کہانی پہ میری

دل پھٹا جائے ہو بس اے معروف
کر کہیں مرثیہ خوانی موقوف

مناقب حضرت شاہ نصیر الدین علیہ الرحمۃ اُستاد حضرتِ معروف

رشکِ صد جان آرزو و حزیں
شہِ ملکِ سخن نصیر الدین

بعد آداب و عرض تسلیمات
ہوئے معلوم قبلۂ حاجات

خط جو بھیجا تھا راہِ شفقت سے
مہر سے لطف سے محبت سے

خط سے کیا مجھ کو سرفراز کیا
بخدا مجھ کو سرفراز کیا

کب ہے قدرت کہ التماس کروں
اس عنایات کا سپاس کروں

گر کسے شکرِ حق فزوں گوید
شکرِ توفیقِ شکر چوں گوید

کہوں اس خط کی کس قدر خوبی
اُس نے پائی تھی جو خوش اسلوبی

کہ جہاں اس کی خوش کلامی ہے
خطِ خوباں خطِ غلامی ہے

مہر تھی اس نمط لفافے پر
جوں ہو گل خوردہ ساعدِ دلبر

پر جو میں نے یہ مُدعا دیکھا
دستِ عاشق کھدا ہوا دیکھا

اس نگیں کا جو نقش پیدا تھا
دلِ عشاق کا سویدا تھا

بس کہ دوری کا آپ کی ہے غم
چشمِ پُرنم سے اس کے کرکے نم

مُدعا جو کچھ اس میں تھا مرقوم
یک قلم میں نے سب کیا معلوم

یہ جو تم نے لکھی تھی خط میں قسم
شاہزادی کے ہاتھ سے یکدم

اور اشعار جو منگائے تھے
میں نے سابق تو سب سنائے تھے

اور اس واسطے نہ بھجوائے
تازہ کہنے میں کچھ نہیں آئے

اب ذرا گوشِ دل سے میری بات
ٹک یہ سُنیئے گا قبلۂ حاجات

یعنی ظاہر ہیں گو لکھی نہ دُعا
لیک دل سے دعا کرو ہو سدا

پر مجھے کس طرح یہ آئے یقیں
یعنی ایسے ہوئے نصیرالدیں

جن کو برسوں یونہی گزر جائیں
شعر ہر گز نہ کہنے میں آئیں

صاف یوں ہی نہ کیوں لکھا مجھ کو
کہ نہ تھی شعر کی سمجھ مجھ کو

نہ کیئے شعر اس لیئے ارقام
کہ سمجھتا تھا اس کا مشکل کام

شعر یہ سوچکر لکھے نہ اگر
تو مناسب نہ تھا تمھیں کیونکر

کچھ یہ پُر درد آپ کا ہی کلام
لوٹ جاتے ہیں سن کے خاص و عام

جو کہ سمجھیں سو واہ واہ کریں
ہم سنیں جان و دل سے آہ کریں

تم ہو کامل کمال میں حضرت
میرے ناقص خیال میں حضرت

آپ گویا زبانِ سعدی ہیں
طوطیِ بوستانِ سعدی ہیں

ہے تمھارے سخن میں وہ افسوں
آدمی ہی نہ جن پہ ہو مفتوں

گر چمن میں کرو غزل خوانی
بلبلیں سُن کے ہوویں دیوانی

گر پڑیں ہو کے طوطیاں بے ہوش
اور سوسن کی ہو زباں خاموش

بے حجابانہ تم سے ہو یک بار
ٹکٹکی باندھے نرگسِ بیمار

مصرعِ یک آپ گر پڑھیں واللہ
سرو سر تا قدم بھرے یک آہ

وجد میں آ کے یک بیک طاؤس
ہو بصد رنگ آپ کے پابوس

گم ہو فوارہ کی یہ عقل رسا
اپنا سارا خزانہ دیوے لٹا

لالہ جب سیر آب و تاب کرے
سارے لفظوں پہ انتخاب کرے

سُن کے سنبل بصد زباں دانی
اپنی زلفوں کو دے پریشانی

کونسی بات تھی یہ ای اُستاد — میں نہ دیتا تمھارے شعر کی داد
گو برا ہوں و یا میں قابل ہوں — مدح خوانِ نصیر و مائل ہوں
گرچہ میرا کہاں ہی منہ ایسا — کہ تمھاری بیاں ہو مجھسے ثنا
لیک جو کچھ کہ ہی مجھے معلوم — سو وہ کرتا ہوں یک قلم مرقوم
کوئی ایسا نہیں اب ای حضرت — آپ سے جس کو دیجیے نسبت
خوب کہتا تھا شعر سودا اگر — تھا وہ ملکِ سخن کا سوداگر
مال مُردوں کا ڈھونڈھ لاتا تھا — نفع پر اپنے بیچ لاتا تھا
رونقِ انجمن ہو بندہ نواز — شاہِ ملکِ سخن ہو بندہ نواز
کوئی اس گفتگو کو کیا جانے — کہ ہمیشہ سے حق تعالےٰ نے
سونپ کر کشورِ سخندانی — تم کو بخشی شکوہِ خاقانی
ہی بہ فرمانِ طبع نکتہ گزیں — یہ قلمرو تمھارے زیر نگیں
صائب و شوکتِ ظہیر و کلیم — عرفی و اظہر و کمال و سلیم
پایہ پایہ بہ پیشگاہِ سریر — آپ کی سلطنت کے ہیں یہ امیر
دیکھیے اپنی سلطنت کا اوج — ہو کہ ان سب کے ساتھ کتنی فوج
بس کہ لکھتے ہیں بے نظیر انشا — میر منشی ہوئے ہیں میر انشا
دیکھ کر خوانِ نعمت الوان — مطبخی آپ کا ہی نعمت خاں
تیغ بردار آپ کا ہلالی ہی — آبدار آپ کا زلالی ہی
دیکھ اس کی سخن کی گرمی کو — میر آتش کیا تجلی کو
دے دُعا تم کو کیوں نہ آٹھ پہر — مصحفی حافظوں میں ہی نوکر
گر فغانی ہی یا کہ آہی ہی — چوبدار و نقیب شاہی ہی
ناتواں و ضعیف جو ہیں میر — ان کو سونپا ہی صوبہ کشمیر

شعرا ازبس کہ سرد کہتے ہیں آپ سے کانپتے ہی رہتے ہیں
جس جگہ تذکرہ تمھارا ہے واں غزالی بھی ایک چکارا ہی
اب جو ہیں اور فدوی درگاہ نام سے آپ کے نہیں آگاہ
لیکن اس میں میری نہیں تقصیر کیونکہ کرتا ہوں اب یہ بھی تحریر
دیکھا دُنیا میں آپنے کہ کہیں ہم سے باقی نہیں ہوئے زمیں
سوئے ملک عدم بعزت وجاہ تم نے بھیجی ہی شاعروں کی سپاہ
کار بر حسب مُدعا ہوگا واں پہ حضرت کا تذکرہ ہوگا
کی جو ملکِ سخن کی میں نے سیر کیا ہی تعریف اب لکھوں بس خیر
تم نے ملکِ سخن کیا آباد ورنہ تھی قبلہ اس کی کیا بنیاد
رونق مصرعہ و غزل یاں ہی ریختی کا ہی جو محل یاں ہی
ایسے ایسے ہیں ریختی کے محل حشر تک جس کو کچھ نہیں ہی خلل
اللہ اللہ تمھاری اُستادی آپ کے دم سے ہی یہ آبادی
آگے یہ ملک تھا پڑا سونا حاصل ہر زمیں ہی اب دونا
اس قلمرو میں یک قلم مطلق بندشِ لفظ کا ہی نظم ونسق
آپ کا فیضِ بسکہ یکساں ہی جس طرف دیکھیے گلستاں ہی
جوکہ تقریر کیجیے حق ہی آپ کے عدل سے یہ رونق ہی
بسکہ راناے حق و باطل ہو بے سخن بادشاہ عادل ہو
کون مضموں یہاں کسی کا چرائے گر چرائے زبان کاٹی جائے
حرف دبتا ہی گر کسی سے ذرا وہیں دیتے ہیں ہاتھوں ہاتھ اٹھا
قتل مضموں کوئی کسی کا کہیں اتفاقاً گزر کرے تو وہیں
موجب حکم شرع اہلِ سخن ماریں تیغِ زبان سے گردن

آپ کی معدلت سے اہلِ ستم
آب و آتش کو باندھتے ہیں ہم

پاؤں صیاد کے جو بندھتے ہیں
ہاتھ دزدِ حنا کے بندھتے ہیں

اتفاقاً جو طرۂ دلبند
دل عاشق کے ہو بفکر گزند

شانہ ساں صاف صاف کہتے ہیں
زلف کو لام کاف کہتے ہیں

کھینچے عاشق اگر کہیں آزار
چشم خوباں کو رکھتے ہیں بیمار

وصف عاشق اگر کرے نہ بیاں
کہتے ہیں کچھ نہیں وہاں اور یہاں

بلکہ برعکس مردم آزاری
کرتے ہیں بیکسوں کی غم خواری

جس کو پاتے ہیں تیغ کا گھائل
اس کا بہلاتے ہیں ہنسی میں دل

مدعا یہ کہ آپ سا عادل
میرے احوال سے یہ ہے غافل

رونقِ دل تمہارے دم سے ہے
سب بہار آپ کے قدم سے ہے

ہو تمہیں بادشاہِ ملکِ سخن
واقفِ شاہراہ ملکِ سخن

ہم سے الفت تمہیں ذرا بھی ہے
دردمندوں کی کچھ دوا بھی ہے

اس طرف بھی کرم کیا کیجیے
گاہ گاہے خبر کیا کیجیے

مہربانی اگر بھلا کچھ بھی
خط دعا شہر مدعا کچھ بھی

بس قلم ہاتھ سے رکھ اے معروف
سونپ قاصد کو کر کے خط ملفوف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

راہ میں دہلی کے ہے خطرا صبا
کام انساں کا نہیں ہاں تو ہی جا

جبکہ ارادہ کرے تو صبح گاہ
نکہتِ گل بس ہے تجھے زادِ راہ

جلد جھپٹ راہ میں منزل کو چھوڑ
یعنی نکھولی کے بھی محل کو چھوڑ

زین مت اپنا رم او ہو پہ باندھ
زرہ کا بچا بھی نہ بازو پہ باندھ

بلکہ یہاں تک کہ جو فرصت نہو
اہلِ گلستاں سے بھی رخصت نہو

گرچہ ہی فراق سے کب تجھکو باک
تجھ سے کوئی آنکے کیا لیگا خاک

تو بھی کسی سے تو نہ پتیایو
پات بھی کھڑکے تو الگ جا یو

کوئی خواہاں بھی ہو شاید تیرا
دور ہی سے دیکھ کے ہوتا ہوا

کیونکہ صنوران سے ہی بس مجھ کو کام
سید علی خاں وہ جنھوں کا ہی نام

ان کے ہیں اوصاف کروں کیا بیاں
تو ہوں اگر تن پہ سراسر زباں

اور ہو پھر فرصت ایک عمر نوح
بخشتے ہر ایک دم میں سخن سو فتوح

مدحتِ اخلاق بیاں کیجئے
اُن کا بیان ورد زباں کیجئے

ورنہ میں اس ہستی موہوم پہ
ان کے ثنا کیا کروں ای بیخبر

ایک تو وہ صاحب ارشاد ہیں
نس پہ اماہین کی اولاد ہیں

خلق یہ خالق نے دیا ہی انھیں
مظہرِ اخلاق کیا ہی انھیں

آپ ہی دل میں ہو اپنے خجل
ان کے جو دل کو کہوں حاتم کا دل

ہاتھ کب آتا ہی عمل سے کرم
ان کی ہی میراث ازل سے کرم

زور میں بھی اپنے زبردست ہیں
ہفت فلک جنسے غرض پست ہیں

ان کو اگر رستمِ ثانی کہوں
کچھ نہیں جو بات پرانی کہوں

ہیں یہ شجاع اور یہ ہی ڈیل ڈول
کہائے تہمتن بھی جنھیں دیکھ ہول

زور میرا یہ کہ ہیں اتنے حلیم
جنسے کہ جاہل ہوئے کتنے حلیم

حُسن دیا ہی یہ خدا نے انھیں
بس کوئی دیکھے ہی تو جانے انھیں

شکل کچھ اُس شکل کی تصویر ہی
اور اس انداز کی تقریر ہی

آنکھیں کہیں منہ کو تکا کیجئے
کان کہیں باتیں سنا کیجئے

علم میں بھی رکھتے ہیں اتنی خبر — طالب علم ان سے اگر آن کر
بحث اگر نحو میں یا صرف میں — تو کریں معقول وہی حرف میں
شعر کے کہنے میں نہیں طاق ہیں — میں کہوں کیا شہرۂ آفاق ہیں
ان کے مضامین کی لذت نہ پوچھ — ہونٹھ چپکتے ہیں حلاوت نہ پوچھ
ان کی ہر ایک بات نئی بات ہے — شعر و کرامات نئی بات ہے
اپنا تخلص جو ہے غمگیں کیا — ہے یہ شگوفہ کیسے رنگیں کیا
بس کہ بہت صاحب تمکیں ہیں وہ — دل میں خوشی کہنے کو غمگیں ہیں وہ
جس کو صدا فکر مضامیں رہے — کیا ہے تعجب کہ وہ غمگیں رہے
ان کے میں اوصاف بیاں کیا کروں — کوزہ میں دریا کو کہاں تک بھروں
نام تو آگے ہی دیا ہے بتا — سن کے بس اب گھر کا بھی ان کے پتا
جائے ہی جب شہر کے نزدیک تو — مان لے کہنے کو میرے ٹھیک تو
اور ہے دروازوں پہ حد روک ٹوک — جانے بھی دے تو انھیں چولھے میں جھوک
جائیو اجمیری ہی دروازہ سے — روک تو ہے واں بھی پر انداز سے
پاس نمک کے یونہی تکرار ہے — ورنہ وہ چوراہے کا بازار ہے
دیکھ بچا جائیو ایک بھٹکے ڈگ — ریوڑی والی کی دکان پہ الگ
سیر میں رستے کے نہ لگ جائیو — ریوڑی کے پھیر میں مت آئیو
خال لب یار سے جا کام ہے — تلشکری سے تجھے کیا کام ہے
خوب میری بات کو کر دلمیں خوض — آگے ملے گا تجھے قاضی کا حوض
کاغذی رہیو نکلتے تری دائیں ہاتھ — ہوگا کسیرہٹہ ترے بائیں ہاتھ
سامنے اک آئے گی کھاری کوئی — ہے جو وہ چھوٹی سی پیاری کوئی
کھاری کی ہوتی یہ استاد ہے — ہاں چہ زمزم کی وہ اولاد ہے

آب و گل اسکا ہی اسی آب سے　　دیکھیئے ٹک اس کو تو آداب سے

کوئے سے جب جایئے گا آگے نکل　　بائیں کو ہے شاہ جی کا اصطبل

تو اسے بائیں طرف ہی چھوڑیو　　منہ کو غرض سیدھ سے مت موڑیو

داہنے ہاتھ آئے گا جب گلفروش　　کرتے چلے جائیو تو پوش پوش

وہاں سے جب آگے بڑھے گا تو پھر　　پھیرے بتانے پہ نہیں منحصر

اب نظر آئے گا ان کا مکاں　　طعنہ وہ رفعت ہفت آسماں

نقشہ کش کرسی عرشِ بریں　　صحن فلک جس کے سرا کی زمیں

صحن و سرا ایک خط پرکار فیض　　جس سے ہویدا ہوں ہمہ تا فیض

آئینہ فیض ہر ایک سنگ و خشت　　جس سے کہ شرمندہ قصر بہشت

بسکہ پسندان کے نہیں بند و بست　　بارہ دری میں ہی انھوں کی نشست

حکم ہی گر آئے کوئی لاکھ بار　　روکنے پاوے نہ اس لیئے چوبدار

جا کے بجان و دل الفت طراز　　کہیو پس از عرض سلام نیاز

مخلص جاں باختہ معروف نام　　آپ سے رکھتا ہی تمنا یہ تمام

یعنی میاں دینِ علی نے جو آ　　آپ کے اوصاف کہے جا بجا

سُن کے میں مشتاق ہوا ہوں کمال　　چشم میں تصویر ہی دل میں خیال

بوجہ حسنی لطف و عنایات کی　　ایسی تمنا ہی ملاقات کی

باندھوں ہوں بندش ہی آٹھوں پہر　　سیر ہو گر بخش دے حق بال و پر

تو تو اُڑ کے ابھی وہاں جائیے　　سید علی خاں کو دیکھ آئیے

گرچہ یہ دانائی سے باہر ہی حرف　　اور میرے اس حرف سخن پر ہی حرف

لیک ہی اس نکتہ میں مطلب تمام　　شوق جو پوچھو تو اسی کا ہی نام

سن کے اسے اور نہ آیا خیال | شوق ملاقات ہی گر یہ کمال
کس لیئے پھر شہر میں آتا نہیں | پر وہ فرصت کو اٹھاتا نہیں
آپ سے مت سمجھو کچھ دور ہوں | گردش افلاک سے مجبور ہوں
میں بہت آنے کو چاہا کیا | کیجیئے کیا پر جو نہ چاہے خدا
جذبۂ دل گرچہ کرے ہے کشش | آنے نہیں دیتی پر آب و خورش
گرچہ مدام آنے کو تیار ہوں | کیا کروں تقدیر سے ناچار ہوں
یہ تو مثل دہر میں معروف ہے | یعنی یہ سب وقت پہ موقوف ہے
یہ جو لکھا میں نے ہی خدمت میں خط | خط نہ سمجھیے گا کچھ اس کو فقط
دل میں ذرا سوچنے کی بات ہے | کہتے ہیں خط نصف ملاقات ہے
نصف ملاقات تو یہ ہو چکی | بھیجیئے اس کا جواب آپ بھی
نصف یہ اور نصف وہ کر کے ہم | ساری ملاقات اسے سمجھیں گے ہم
تاکہ ملاقات بظاہر کی ہو | رسم کتابت یوں ہی جاری رکھو
جس سے سدا جی کو تشفی رہے | اس دل مضطر کو تسلی رہے
بھیجیئے اپنے ہمیں اشعار بھی | یعنی کہ مشتاق ہیں حد یار بھی
جس کی وہ بھیجیئے گا رقم طبع زاد | جس سے کہ اپنا دل غمگیں ہو شاد
مان سخن میرے معروف اب | فکر سخن کر کہیں موقوف اب

لکھ تو چکا مثنوی اب یک قلم
چھوڑ قلم کو گئی تھک قلم

عشقِ مجازی کی دلچسپ حکایت

سنیو یک رنگیں حکایت دوستاں / یعنی ہے واللہ رشکِ بوستاں

حق رسیدہ تھے کسو جا یک فقیر / تھے وہ مثلِ آئینہ روشن ضمیر

پاسبانِ آمد و رفتِ نفس / رازدانِ معنیِ اللہ بس

وادیِ ذوقِ طلب کے رہنما / دردمندانِ محبت کی دوا

محرمِ آدابِ تمکین وجود / واقفِ اسرارِ تسکین شہود

ہر دعا ان کی دعائے مستجاب / ذات سے ان کی زمانا کامیاب

عارفِ حق کاشفِ اسرارِ فقر / رونقِ ہنگامۂ گلزارِ فقر

آشنائے سیر و تمکینِ نظر / فقر دریائے حقیقت کے گہر

ساقیِ میخانۂ جذب و سلوک / جن کی خاکِ نقشِ پا تاجِ ملوک

دیکھنے میں مشتِ خاکستر تمام / پر ہزار آئینہ کا نکلے تھا کام

نفیِ خود سامانِ اثباتِ خدا / ہستیِ مطلق میں سرتاپا فنا

چشم سر مصروفِ سیرِ رنگ و بو / گوشِ دل میں نغمۂ نیرنگ ہو

جا کے شاہِ عصر یک دن ان کے پاس / یوں لگا کرنے ادب سے التماس

یعنی ہے اے مرشدِ قدسی صفات / مجمعِ فیضِ ازل حضرت کی ذات

آپکی یک صرفِ ہمت سے سدا / عقدہ ہائے کار ہو جاتے ہیں وا

خوب دیکھا دیدۂ تحقیق سے / دور ہوں سر منزلِ توفیق سے

تخت و بخت و مال و ملک جاہ و نام / ایک دو دم کا بکھیڑا ہے تمام

ہیں یہ سب اسباب دورِ افتادگی
بے خلل ہی دولت آزادگی

گرچہ ہیں مجبور پر کیا کیجئے
کس بھروسہ پر تمنا کیجیے

تم چھڑاؤ مجھ کو یا اس سے خدا
وہ بتاؤ شئی ملے جس سے خدا

یہ سخن سُنکے وہ بیرنگی کی بات
بولے پھر اس رنگ سے اس کا جواب

جیتے جی مرنا اگر منظور ہی
تو خدا تیرے سے پھر کیا دور ہی

جادۂ راہِ خدا باریک ہی
وہ رگِ گردن سے بھی نزدیک ہی

مردہ ساں مرنے سے جب افسردہ ہو
زندگی ہی میں تو اپنی مُردہ ہو

آنکھ موند اور جلوۂ حق دیکھ لے
تو بہارِ فیضِ مطلق دیکھ لے

تو نہیں واقف یہ مجھ کو یاد ہی
یعنی آنحضرت کا یہ ارشاد ہی

آپ سے خالی ہو اور جی بھر کے دیکھ
جلوہ سنگ و خشت میں مر کے دیکھ

جل کے مرجاتا نہیں جب تک پتنگ
شمع سے ملتا نہیں تب تک پتنگ

جب وہ آیا پھر نشاں تیرا کہاں
پرتو خورشید میں سایہ کہاں

کھینچتے ہیں ہجر کا ناحق عذاب
ہو جیو یہ خانۂ ہستی خراب

مرگ کی لذت سے جو آگاہ ہی
عاقبت وہ ہی فنا فی اللہ ہی

ہستیِ مطلق فنا کی سیر ہی
جلوہ الا اللہ لا کی سیر ہی

تا نمیری زندگانی مشکل است
اندریں رہ مرگ اول منزل است

کہہ چکے رمزیں یہ ساری منہ سے جب
دلنشیں کرنے کو اُسکے ہنس کے تب

اور ہی تقریر فرمانے لگے
پردہ میں بے پردہ سمجھانے لگے

یوں لگے کہنے کہ سن ہی باکباز
مجھ سے ایک افسانۂ عشقِ مجاز

آشنائے بحر عرفان و علوم — چشمۂ تحقیق مولانائے روم
کہہ گئے ہیں مثنوی میں یہ کلام — سو مجھے ارشاد ہے یہ ان کے کام
اے برادر قصہ چون پیمانہ است — معنی اندروی مثال دانہ است
دانہ معنی بیگرد مرد عقیل — ننگرد پیمانہ را گر گشت نقل
اس لیئے قصہ سناتا ہوں تجھے — ورنہ قصہ کون ناحق ہو لے
لیک یہ قصہ عجب ہے طرفہ تر — گوش دل سے سُن کہ تا ہو بہرہ ور
دھیان رکھ ہے اس میں تیرا مُدعا — حق جو پوچھے تو ہے مرجانے کی جا
گر تجھے پہونچے گلِ معنی کی بو — عندلیب روح شادی مرگ ہو
سُن مری تقریر کو تو غور سے — گوش رو ہی اپنے یہ اس طور سے
ایک عورت تھی بہت صاحب جمال — شوہر اس کا تھا ولے حد بد خصال
شوخ و چالاک و نظر باز و حریف — خاطر وآراستہ و طبع ظریف
تھا جو لپکا عشق بازی کا اُسے — ذوق تھا عشقِ مجازی کا اُسے
اپنے اوپر آپ غش کرتی تھی وہ — اپنے دکھلانے پہ حد مرتی تھی وہ
ہر کسی کا طائر دل وہ شریر — دام زلف اپنے میں کرتی تھی اسیر
کیا کہوں کیسی ستم ایجاد تھی — مرغِ دل کے حق میں بس صیاد تھی
گرچہ کرتی تھی دلوں کو صید آپ — پر وہ دامِ نفس میں تھی قید آپ
عشق بھی ہے ایک ہی صیاد سن — اتفاقاً رفتہ رفتہ ایک دن
بن گیا صیاد اس صیاد کا — دام میں اپنے اُسے بے بس کیا
اس سخن سے بات یہ حاصل ہوئی — ایک جواں پر یعنی وہ مائل ہوئی
کیا جواں پر اُس کو مفتوں کر دیا — عشق نے لیلےٰ کو مجنوں کر دیا
لگ گیا یہ اس کے دل میں تیرِ عشق — ہو گئی یک ست وہ نخچیرِ عشق

اِس طلسمِ عشق سے بے ساختہ ہو گئی اس سرو قد پہ فاختہ
چشم اس بن رشکِ آب جو کرے یاد و قد میں اس کے بس کو کو کرے
وصل ہو دل میں تو اس سے شاد ہو فصل ہو اس سے تو یہ بیداد ہو
گر کرے شور و فغاں بلبل کی طرح گہہ گریباں پھاڑ ڈالے گل کی طرح
شور غم سے گاہ مثلِ آبشار منہ پہ چادر ڈھانپ روئے زار زار
درسِ الفت کا سبق لینے لگی بے تکلف اس پہ دم دینے لگی
جان سے بھی پیشتر چاہا کرے وصل یار آٹھوں پہر چاہا کرے
بے تکلف آشنائی تھی ہی آہ دم بھر کی جدائی تھی ہی
اضطرابِ دل سے اپنے لاکھ بار فکر کرتی روز ہجرِ وصلِ یار
وصل تو ہوتا تھا لیکن گاہ گاہ اس لیئے رہتی سدا حالت تباہ
لالہ ساں کم تھا نہیں رنگ فراغ تھا ہمیشہ اس کے دل میں ایک داغ
شرم رسوائی کا اور شوہر کا غم یار کا غم کیا کہ سارے گھر کا غم
پاس نام و ننگ دل بے صبر تھا گھر کا رہنا ایک عذابِ قبر تھا
یار بن بے کل جو یوں رہنے لگی اپنے دل میں ایک دن کہنے لگی
کیا مزا گر یار بن غم کھائیے اور اپنی جان کو ترسائیے
ہجر کے جب ایسے دکھ پاوے کوئی زہر کھا کر کیوں نہ مر جائے کوئی
اس سے بہتر ہی یہی بن آئے گر حبس دم کا روز اب تو ورد کر
پاس انفاس محبت شرط ہی عشق ہی ہاں اس میں محنت شرط ہی
بعد اس کے ہجر سے ڈرنا نہیں یعنی ایک دن مر کے پھر مرنا نہیں
دل میں یہ ٹھہرا کے پھر وہ حیلہ گر حبس دم کرنے لگی آٹھوں پہر
تھا اسے جو شک بفہم بد گماں حبس دم کے وقت بحرِ امتحاں

آئینہ رکھ لیتی تھی پیشِ نظر
یعنی تکتی تھی یہ آئینِ دگر

صاف تھی مشق اس کو یہ لیل و نہار
آئینہ کو کچھ نہ تھا اس سے غبار

جس کو یوں پڑتا ہو اپنے دم سے کام
اس کو کیا ہنگامۂ عالم سے کام

دم بدم اس کو جو رہتا تھا خیال
حبسِ دم میں اُس نے پہونچایا کمال

ہوتے ہوتے اس سے دم کھنچنے لگا
ایک دم سو سو قدم کھنچنے لگا

جنبش ہر عضو کٹ جانے لگے
آنکھ پتھرا کر اُلٹ جانے لگے

صاف دم یوں کھینچتی تھی وہ شریر
جیسے بے کھٹکے کھنچے تارِ حریر

نبض یوں رہتی تھی جیسے یکبار
ساز کا ہو جیسے بے مضراب تار

یہ لگی دم کھینچنے وہ نازنیں
گر کوئی دیکھے تو جانے دم نہیں

الغرض یک دست بہرِ وصلِ یار
مشق حبسِ دم کا باندھا اس نے تار

حبس دم کی اس کو کثرت وہ تھی
دم چرانے میں وہ بادی چور تھی

تب تو ایک دن مل کے اپنے یار سے
مہر سے اخلاق سے اور پیار سے

یوں کہا اس حیلہ گر نے بھر کے آہ
سخت آفت ہے وصالِ گاہ گاہ

یہ نہیں ممکن کہ دائم ہو وصال
ہجر کا خاطر سے اُٹھ جائے خیال

ہجر سے تیرے زبس رہتا ہے غم
اس لیے سیکھا ہے میں نے حبسِ دم

یہ میں تجھ سے کہہ رکھوں ہوں اے حبیب
جبکہ میں مرجاؤں یہ کر کر فریب

مُدعا جب لوگ کفنا دیں مجھے
اور قبرستان میں دفنا دیں مجھے

رات کو تو قبر میری کھول کر
ہاتھ میرا کھینچ لیجو بے خطر

پھر وہاں سے مجھ کو تو لے جائیو
پر کہیں یہ بات مت بتلائیو

ہے جو مجھ کو انتظارِ وصل آہ
قبر میں بھی دیکھتی ہوں تیری راہ

بیٹھنا مت جیسے اپنی سیر ہو
دیر مت کیجو مبادا دیر ہو

تا نہ جانے تجھ کو پھر آنا پڑے / مجھ کو مرنا تجھ کو چھپتا نا پڑے

ایک بار اس طرح جو مر جاؤں ہیں / تب ہمیشہ زندگانی پاؤں ہیں

پھر نہیں رہنے کا مطلب فصل ہے / ہونگی دائم خوش بہارِ وصل سے

یار کو بتلا چکی جب یہ فریب / ٹال کے دس پانچ دن وہ ناشکیب

یک بیک بیمار وہ ایسی بنی / بولا شوہر ہائے یہ کیسی بنی

زور مارا اس نے آہِ سرد پر / رنگ توڑا اس نے روئے زرد پر

شوہر اُس کا تھا زبس حد سادہ دل / ہو گیا اس غم سے وہ افتادہ دل

جان اپنی مفت میں کھونے لگا / یعنی اپنی جان کو رونے لگا

اضطرابِ دل سے جاکر وہ غریب / منت و زاری سے لایا یک طبیب

کر کے پردہ پہلے اس بیمار کا / پھر طبیب اس نے لیا گھر میں بُلا

پاس خاطر سے غرض آکر طبیب / بیٹھتے ہی یعنی پردے کے قریب

خوب جب واقف ہوا احوال سے / تب لگا کہنے یہ استقلال سے

مت کرو کچھ فکر کچھ پروا نہیں / یہ مرض ایسا ہی ہو ویسا نہیں

ابتدا سے سُن کے وہ تا انتہا / دن مرض کا پوچھنے اس سے لگا

لاؤ اب ایک مجھ کو اپنا ہاتھ دو / تا حقیقت نبض سے معلوم ہو

سُن کے بولی ہاں تجھے کچھ خیر ہے / ہاتھ اپنا کیونکہ دوں تو غیر ہے

دل میں اپنے فرض یہ میں نے کیا / آج تو نے مجھ کو اچھا کر دیا

عاقبت مرنا ہے مجھ کو ایک دن / ہاتھ اپنا دے کے تجھ کو ایک دن

تو ہی کہہ یک دن جو مر جاؤں ہیں / پھر وہاں کس منہ سے منہ دکھلاؤں ہیں

بہتر اس جینے سے ہے مرنا مجھے / دخل کیا جو نبض دکھلاؤں تجھے

گفتگو کی یہ جو اس مکار نے / رو دیا بس شوہر بیچارے نے

ہو گیا دل ہی خجل نباض بھی / یعنی ایسی بات میں نے کیوں کہی
خیر اُس نے عذر کر اس بات کا / سرسری ہلکا سا نسخہ لکھ دیا
مُدعا ہونے لگا اُس کا علاج / پر نہ آیا کچھ افاقہ پر مزاج
تھا مرض کچھ اور ہی تدبیر اور / جو دوا دی اُس نے کی تاثیر اور
دیکھ اس نے درد کی حالت تباہ / وہاں مسیحا کا بھی دم رُکتا تھا آہ
جس کو اپنی زندگی ہو دردِ سر / شربتِ صندل کرے وہاں کیا اثر
اس کو اپنے کمر کا آزار تھا / کب دوا کا فائدہ درکار تھا
گاہ کہتی میرے سر میں درد ہے / ہوک ہے دل میں جگر میں درد ہے
گاہ کہتی میرا پتلا حال ہے / دست پر دست آتے ہیں اسہال ہے
ہے مجھے وجع مفاصل سے گزند / کاٹ ڈالو کوئی میرے بند بند
حبِ شبنم دیں تو لیتی دل سوں / یعنی میں ہی آپ کانٹے پر کی اوس
قبض میں سونپا اسے آزار نے / سُدّہ ڈالا شربتِ دینار نے
شدتِ صفرا ہوئی لیمو سے تیز / خشکیٔ فم شیرۂ کاہو سے تیز
قید ہستی میں زبس محبوس تھی / اس کو وہ بندِ گراں کابوس تھی
احتراقِ خلط کرتا لاجورد / پیٹ میں گلقند سے ہوتا تھا درد
پھر مزا یہ ہے کہ کچھ لیکے مزا / پھینک دیتی تھی زمیں پر وہ دوا
گاہ یوں کہتی کہ یا رب العلیم / کرتے ہیں کیا اس زمانے کے حکیم
ان دواؤں کی وہ تاثیریں کہاں / اور اطبا کی وہ تدبیریں کہاں
کب مرض ان کو مرا معلوم ہے / یہ دوا ہے تو شفا معلوم ہے
نے کوئی قانون کا دیکھا ہے باب / نے پڑھی ہے اور حکمت کی کتاب

نے سدیدی نے نفیسی نے شفا | ہے علاج ان کا کتابوں سے جدا
علم کی سنجیدگی کچھ اور ہے | ان کو اک میزان طب تاکے رہے
نسبہ بھی ہے ربط اوزان دوا | سیر میں دھوکا رہے دس سیر کا
اتفاقاً جس کی ہو نبض سلیم | جانتے ہیں اس کی حالت کو سقیم
نبض دوری ہو اگر بیمار کی | شرح یوں کرنے لگیں آزار کی
نام کی بھی کچھ رعایت ہے ضرور | چاہیے اس خستہ خاطر کو بخور
ہے کتابوں سے پرے ان کا علاج | جس کو مرنا ہو کرے ان کا علاج
الغرض ایسی ہی ایسی گفت گو | کرتی رہتی وہ مریض حیلہ جو
کچھ نہ پیتی تھی نہ کھاتی تھی سدا | مدعا باتیں بناتی تھی سدا
سب اطبا ایک قلم حیران کار | یعنی یہ کس درد سے ہے بے قرار
پاتے ہیں اشیا کو بے تاثیر ہم | کیا کریں اس درد کی تدبیر ہم
درد اسے کچھ ہے عیاں کچھ اور ہے | کیا کریں تدبیر یہاں کچھ اور ہے
اس کے شوہر سے کہا آخر کہ یار | پھر نہ اس کے واسطے یوں بے قرار
ہم تھکے اس کو خدا پر چھوڑ دے | اب دوا مت کر غذا پر چھوڑ دے
دخل مت اب دے سمجھانے کو دے | یعنی جو مانگے اسے کھانے کو دے
شوہر اس کا سادگی سے بے قرار | ہر کسو کے پاس روتا زار زار
گہہ دوا سے اور گاہے فال سے | گہہ اطبا سے گہے رمال سے
درد کی اپنے دوا پوچھا کرے | جا کے مطلب جا بجا پوچھا کرے
دن بدن ہوتی تھی بیماری زیاد | تھا پر اس کو حسن ظن سے اعتقاد
یعنی جب رمال سے لایا رجوع | دیکھے اس نے پھر کئی طالع رجوع
طالع سائل پہ پہلے غور کی | پہلے گھر میں صورت انگیں تھی

پھر چھٹے گھر کو جو دیکھا غور کر
یک بیک شکلِ فرح آئی نظر

خانۂ ہفتم میں تھا عقلہ کا گھر
خانۂ ہشتم میں حمرہ جلوہ گر

چوتھے گھر میں تھا جماعت کا ہجوم
عمر کہتے ہیں جسے اہلِ نجوم

زائچہ کو دیکھ اور قرعہ کی چال
حد ہوا رمّال حیرانِ خیال

کہیے گر سب گفتگو رمّال کی
کہیے یک بحرِ رمل میں مثنوی

یعنی یہاں پہلے ہی دل مایوس ہے
طالعِ سائل غضب منحوس ہے

طالعِ بیمار میں خواری نہیں
جز جنونِ عشق بیماری نہیں

اور پھر تس پر خطر موجود ہے
شور و ماتم کی خبر موجود ہے

آٹھویں گھر ہے بقول اوستاد
شکل حمرہ نقطۂ بادِ مراد

یوں ہوا اندیشۂ دل کو فتوح
خانۂ تن سے نہ نکلے اس کی روح

ہے جماعت چوتھے گھر میں جلوہ ساز
یعنی دے ہے مژدۂ عمرِ دراز

دیکھ کر رمّال بے اوسان تھا
قرعہ ساں صد چشم سے حیران تھا

اس سے یوں کہنے لگا کیا قہر ہے
زائچہ سائل کے حق میں قہر ہے

عمرِ سائل حسرتِ غم میں کٹے
دن الم اور رات ماتم میں کٹے

ہے مریضِ غم یہ طالع کی مدد
بعد آفت اس کو ہے عیشِ ابد

بجھ کے وہ شمعِ نظر روشن کرے
نکلے تاریکی سے گھر روشن کرے

جس طرح سے خضر لایا ارمغاں
پردۂ ظلمت سے عمرِ جاوداں

شوہر اس کا جب سوے خانہ آئے
گاہ ہشیار آئے گاہ دیوانہ آئے

جب کہی اس حیلہ گر سے سر بسر
زائچہ کی اور طالع کی خبر

سن کے سب باتیں بجانِ ناشکیب
یوں کہی اس سے بتقریبِ فریب

علمِ ظنی ہے تجھے کچھ خیر ہے
سن تو ناداں کیا قضا سے بیر ہے

مر کے پھر جینے کی کس کو آس ہی
زندگی یعنی دو عالم یاس ہی

مرگ ہی سارے زمانے کے لیئے
کوئی کیا جاتا ہی آنے کے لیئے

رات ہی ہنگامۂ شورِ نشور
بعدشِ اہل قبر ہوتا ہی ضرور

پھر مسلمانوں کو از راہِ یقین
ہی اُمید فادخلوہا خالدین

الغرض ہنگامہ آرائی ہیں تھی
وہ قضا کی کارفرمائی ہیں تھی

اس کو یہ کچھ عشوہ پیرائی رہے
اور شوہر اس کا سودائی رہے

تھا غرض اس خستہ خاطر سے مدام
دن کا کھانا رات کا سونا حرام

دن کو ڈالے سر پہ دشتِ دری خاک
رات کو دیکھے وہ خواب ہولناک

دن کو خود سرگشتگی کا باب تھا
شب خیالِ آوارہ صد خواب تھا

گاہ دیکھے دشت میں رہزن کی دھوم
گاہ دیکھے گھر میں عدوں کا ہجوم

گاہ یوں دیکھے کہ ہی میدان جنگ
ایک پر کرتا ہوں حملہ بیدرنگ

ہاتھ سے میرے یکایک ناگہاں
جا پڑی ہی ٹوٹ کے تلوار وہاں

جو کہ دیکھے یار کے آگے کہے
دردِ دل بیمار کے آگے کہے

تار باندھا گریۂ ہائے زار کا
شمع بالیں تھا یہ اس بیمار کا

یوں کہے اس کے سرہانے بیٹھ کر
جیسے بکتے ہیں دیوانے بیٹھ کر

گاہ روئے گاہ کچھ بکتا رہے
گاہ اس کے منہ ہی کو تکتا رہے

گاہ روئے اور رو کر یوں کہے
کاش میں مرجاؤں تو جیتی رہے

ایک دن صبح بہ جانِ دردمند
آ سرہانے اس کے بیٹھا مستمند

اِس مریض غم سے یوں تقریر کی
یعنی نیرنگی سے اب تقدیر کی

رات دل میرا بہت بیتاب تھا
موجزن آنکھوں سے خونِ ناب تھا

دل میں تھا درد اور لب پہ نالہ تھا
آہ بھی تھی لیکن اکثر نالہ تھا

الغرض ایسے ہی پیچ و تاب میں
رات کو کیا دیکھتا ہوں خواب میں

یعنی محرم اور نہایت خوش اساس
ایک نے فرد کی ہی تختی میرے پاس

ہی نہایت تحفہ رنگ اور خوب چیز
ہی زیادہ جان سے مجھ کو عزیز

جبکہ ایسا خوب پایا ہی اسے
خاک میں میں نے چھپایا ہی اسے

یعنی ایک چھوٹا سا حُقّہ کھود کر
خاک میں دابا ہی اس کو سربسر

خاک کو پھر خاک سے یکساں کیا
اس کو مشتِ خاک میں پنہاں کیا

خاک میں تختی کو گویا گاڑ کر
اُٹھ چلا ہوں جو ہیں دامن جھاڑ کر

اس میں یک پیدا ہوا ہی اور شخص
کچھ عجب ہی طور کا بد طور شخص

بے تکلف دست داماں کو سنبھال
خاک میں سے وہ وہی تختی نکال

اپنا نفسِ مُدعا کہنے لگا
تھا جو قسمت کا لکھا کہنے لگا

ظلمِ ناحق یک قلم کرنے لگا
مشقِ تحریرِ ستم کرنے لگا

کثرتِ تحریر حرف و خط سے آہ
ہو گئی یک دست وہ تختی سیاہ

اپنی آنکھوں سے جو دیکھا ہی ستم
جس کو سُن کر کانپ اُٹھیں لوح و قلم

اس میں تھا جو آہ آنکھیں کھل گئیں
خواب سے ناگاہ آنکھیں کھل گئیں

خواب کی تو اس طرح تقریر ہی
پر میں حیران ہوں کہ کیا تعبیر ہی

خوب دیکھا سب رفیقوں کا لکھا
دیکھیے جو کچھ نصیبوں کا لکھا

وہ مریضِ عشق سُن کر خواب کو
کچھ بڑھا کر اپنے پیچ و تاب کو

اشک کو آنکھوں میں لا کر پی گئی
ایک دو آنسو دکھا کر پی گئی

پھر لگی کہنے کہ ای حیران کار
خلق کو کب ہی خدا پر اعتماد

آپ ہی انصاف کرلو ای حزیں
یعنی جب یکبار آنکھیں مند گئیں

ڈال آئے قبر میں جا کر مجھے
کیا جِلائے گا کوئی آ کر مجھے

ہے وہ تختی کا چھپانا خاک میں
مُدعا میرا دبانا خاک میں

اور اُس تختی کے اوپر مشقِ خط
یک قلم ہنگامۂ حرف و نقط

ہے عبارت سختیِ احوال سے
اور سزائے زشتیِ اعمال سے

یعنی دوزخ کے فرشتے آئیں گے
دیکھیے کیا کیا سب مجھے دکھلائیں گے

جب بیاں وہ کر چکی تعبیرِ خواب
دایۂ مکّار اتنے میں شتاب

ایک دردِ دل سے بولی بھر کے آہ
رات دیکھا میں نے بھی روزِ سیاہ

یعنی اک صحرائے وحشت گاہ ہے
اور اس میدان میں ایک ماہ ہے

گشت کرتی تھی میرے ہمراہ تو
اک کنوئیں میں گر پڑی ناگاہ تو

بس کہ مجھ کو بے قراری زور ہی
میں نے رونے کا اُٹھایا شور ہی

میں غریب اک بیاباں پیش و پس
نے کوئی فریاد رس نے داد رس

جب نہ پایا چارۂ دردِ قضا
کچھ نہ سوجھا گھر کے آنے کے سوا

شہر میں آتے ہی دیکھا ایک محل
ریختی میں جیسے سودا کی غزل

آستان عالی و دیوار صاف
مہرے پاتاک غیرتِ گلزار صاف

چوم کر وہ آستانِ بارگاہ
گھر کے اندر جا کے کیا دیکھا کہ واہ

کھل رہے ہیں غنچہ ہائے گل کہیں
کھل رہے ہیں طرّۂ سنبل کہیں

بلبل و قمری ملا کے ساز کو
پھونکتے ہیں شعلۂ آواز کو

بس کہ لبریزِ خوشی وہ باغ ہے
وہاں کا ہر ایک لالہ بھی بے داغ ہے

ہو عمارت کی نہ کیونکر آب و تاب
وہاں لگا ہے آبِ گوہر جائے آب

باغ دلچسپ و زمین پاک ہے
سودۂ گوہر وہاں کی خاک ہے

ایسے ایسے حوض لاثانی بھرے
جن کے آگے موجِ گل پانی بھرے

دیکھ یاقوت و زمرد کے محل
دیکھنے والا کہے کیا ہے محل

صاف جوں آئینہ ہے دیوار و در
ہے یہ عکسِ سبزہ و گل جلوہ گر

وہ گلستاں وہ چمن جنت کہاں
کیا کہوں اللہ کی قدرت کہوں

اس گلستاں میں بعزّ و احترام
تجھ کو دیکھا میں نے معروفِ خرام

دوڑ کر تیری بلا گرداں ہو
تجھ سے پوچھا میں نے بے اوسان ہو

اُڑ گئے ہیں ہوش میرے تھے کہاں
اے میں صدقے جان میری تو کہاں

وہ شبستاں ہے نہ وہ کاشانہ ہے
نے وہ ایواں نے وہ صحن خانہ ہے

یہ نہ وہ در ہے نہ وہ دیوار ہے
یہ تو جنت کا سا کچھ آثار ہے

تو کنوئیں میں گر گئی تھی کیا ہوا
کس طرح سے یہاں تیرا آنا ہوا

ہم تو تھے ملنے سے تیرے ناامید
مر گئے کی زندگی کی کیا اُمید

ایسا نقشہ آج تک دیکھا نہیں
خواب ہے یا وہم کیا ہے کیا نہیں

گھر یہ کس کا ہے یہ کس کا باغ ہے
کون ہے وہ ایسا جس کا باغ ہے

یعنی جب وہم میں نے کی یہ گفتگو
سُن کے مجھ سے ہنس کے یوں کہتی ہے تو

ایک دم تو بیٹھ اب کھل جائے گا
تجھ سے یہ احوال سب کھل جائے گا

ہے یہ صاحب خانہ کے آنے کا وقت
رونقِ کاشانہ کے آنے کا وقت

اس میں خواب آلودہ مژگاں وا ہوئی
کاوشِ غم دل میں یکسا پیدا ہوئی

واں کا سب احوال پنہاں رہ گیا
دل گرفتہ دیدہ حیراں رہ گیا

رازِ صاحب خانہ جو پایا نہیں
اب تلک دل آپ میں آیا نہیں

بس کہ نامعلوم یہ اسرار ہے
چشم حیراں روزنِ دیوار ہے

یعنی کیا معلوم ہے کیا طور تھا
وہ یہی تھی اور نہ کوئی اور تھا

یہ ہیں یا ہے اور کچھ دیکھا نہیں
اب تلک دل پر یہ عقدہ وا نہیں

خیر بندہ تابعِ تقدیر ہے
پر بہر حال اس کی یہ تعبیر ہے

یعنی دُنیا سے گزرنا ہی تجھے
بے تکلف یہ کہ مرنا ہی تجھے

بعد مرنے کے ہی اُمید بہشت
ہاتھ آوے عیش جاوید بہشت

تیرے دشمن عزبہ ہوں ای دلفروز
ہی ہماری زندگی بھی چند روز

جی کے کیا منہ تجھ کو پھر دکھلائینگے
جلد تیرے پاس ہم بھی آئیں گے

الغرض وہ حیلہ پرواز فسوں
پھونکتی ہر لحظہ یک تازہ فسوں

بے قراری کرتی اور دم توڑتی
رنگ اپنے رُخ پہ پیہم توڑتی

اتفاقًا ایک تھا مشگل کا روز
خور نہ آیا تھا بلندی پہ ہنوز

ناگہاں وہ حیلہ گر یکبار گی
روئی اپنی عرض کر بیچارگی

گاہ روتی تھی بجانِ غم گزیں
گاہ کہتی تھی نہیں ہرگز نہیں

مو پریشاں بیخود و دیوانہ وار
ڈر کے تڑپی اور روئی لالہ زار

آپ میں آئی جو بعد از دیر کے
دیکھ کر ہر ایک کو آنکھیں پھیر کے

دایہ سے بولی کہ اُٹھ جلدی سے تو
گرم پانی لائیو بہرِ وضو

سب ہوئے حیران یہ کیا بھید ہی
شاید اس کی زیست کی اُمید ہی

سب نے حیراں ہو کے اُس سے یوں کہا
ہاں بیان کر اس نہیں کا مدعا

سچ بتا آخر کہ کیا اسرار تھا
کیسا تھا اقرار کیسا انکار تھا

سُن کے سب کی گفتگو وہ روسیاہ
ایک دردِ دل سے بولی بھر کے آہ

مت کہو کچھ گفت گو کے واسطے
پہلے پانی دو وضو کے واسطے

الغرض پانی وضو کو لا دیا
ایک نے اُٹھ کر وضو کروا دیا

کر وضو پڑھ کر دوگانا نفل کا
رو بقبلہ بیٹھ کر اور ہاتھ اُٹھا

اپنا عرض مُدعا کرنے لگی
مدّعائے دل ادا کرنے لگی

بند کر آنکھیں بتقریبِ نیاز
کچھ کہا کی حق سے اپنے دل کے راز

بعد ایک دو دم کے وہ وحشی نگاہ | دیکھ کر دائیں طرف بولی کہ واہ
اب تو دم لینے کی فرصت دیجیے | سن لیا دو دن کی مہلت دیجیے
سب کے مطلب اس سے ہوتے ہیں حصول | کیوں نہ مجھ عاجز کی زاری ہو قبول
یہ فسونِ تازہ پڑھ کے وہ شریر | سب سے یوں بولی بطرزِ دل پذیر
بیخودی میں یہ جو قیل و قال تھا | پوچھتے ہو کیا عجب احوال تھا
کیا کہوں مستی عجب ہنگامہ تھا | مرگ کا آیا نوازشنامہ تھا
آیا تھا اس خط کے دینے کے لیے | یک فرشتہ جان لینے کے لیے
کیا قیامت خوف عزرائیل تھا | نالہ میرا صورِ اسرافیل تھا
چاہتا تھا جان لے تعجیل سے | تھا میرا انکار عزرائیل سے
یعنی ہنگامِ حساب روزِ فوت | پنجشنبہ کی بہت اچھی ہے موت
پنجشنبہ تک کی مہلت دے مجھے | آج کل دو دن کی فرصت دے مجھے
واسطے دو دن کے یوں بے اختیار | اس قدر تھا مجھ کو عجز و انکسار
دیکھ کر اس طرح گرمِ التجا | قابضِ ارواح نے مجھ سے کہا
اے شکارِ حلقۂ دامِ قضا | ہم بھی ہیں محکومِ احکامِ قضا
کس کو مہلت ایک ساعت دے سکیں | جان کیا پاتے کہ فرصت دے سکیں
ہم کو کیا اس مدعا سے مدعا | عرض کر اپنے خدا سے مدعا
سو وہ میں نے پڑھ کے دو رکعت نماز | حق سے کی تھی عرض با عجز و نیاز
ہو گئی وہ منت و زاری قبول | ہے خدا کے ہاں یہ بیچاری قبول
یعنی فرصت پائی عزرائیل سے | باز آیا اپنی وہ تعجیل سے
ساری تدبیریں تمھاری ہیچ ہے | پنجشنبہ کو ہمارا کوچ ہے
بعد یک دو دم کے پھر وہ حیلہ گر | یوں لگی شوہر سے کہنے آہ بھر

ہو گیا معلوم سب کو ٹھیک اب — وقت آ پہونچا میرا نزدیک اب

آپ جیسا مت سمجھ ناداں مجھے — کوئی دم کا جان لے مہماں مجھے

آدمی دو روز کا مہمان ہے — ہائے سچ ہے جان اپنی جان ہے

بعد چندے ہوئے گا دل شاد تو — پھر کرے گا اپنا گھر آباد تو

بس کہ مرجانے کا ماتم ہوئیگا — واں بھی تیرا ہی مجھے غم ہوئے گا

خیر اب تدبیر سے کیا فائدہ — دشمنی تقدیر سے کیا فائدہ

یہ وصیّت ہے تجھے اس دم میری — جان نکلے جسم سے جس دم مری

دایہ مشفق ہی تنہا اپنے ہاتھ — مجھ کو نہلا دے میری بعد از وفات

غیر عورت سے مجھے تو اے حزیں — غسل مت زنہار دلوانا کہیں

کیونکہ عصمت میں کٹی ہے زندگی — موت میں ہوگی نہ حد شرمندگی

میری عصمت کی طرف تک جائیو — دیکھیو یہ داغ مت لگوائیو

زندگی میں تو رہی یا آبرو — اب یہی ہے حق سے میری آرزو

اس طرح دنیا سے با ایماں اٹھوں — سب ہوں گریاں وہیں خنداں اٹھوں

موت یوں آسان ہو مجھ پر یہاں — جیسے کرتا ہو کوئی نقل مکاں

یہ وصیت جب وہ شیدا کر چکی — حشر اک شوہر پہ برپا کر چکی

وہ بچارا سادہ دل رونے لگا — شمع آسا متصل رونے لگا

دوسرے دن بھی یہی عالم رہا — وہ ہی رونا اور وہ ہی ماتم رہا

الغرض دو درمیاں ان دن کی رات — صبح ہوتے ہوتے رکھ چھاتی پہ ہاتھ

آپ پڑھ کر سورہ یسین وہ — بعد لیکر ہچکیاں دو تین وہ

شوہر بیدم کو اپنے دے کے دم — مرگئی حیلہ سے کرکے حبس دم

بے اجل یہ دم چرا کر مرگئی — مرگ جی میں شرم سے مر مر گئی

آپ کو کیا اس نے خود بے جاں کیا ۔ خانۂ ویراں نے وہ گھر ویراں کیا
ہو گئی جب اس طرح وہ حیلہ گر ۔ رو کے بولا شوہر اس کا آہ بھر
یک بیک یہ سو گئے میرے نصیب ۔ ہائے یوں مر جائے تجھ جیسا حبیب
لاش پر اس کی وہ دھاڑیں مار مار ۔ رو رہا تھا اس طرح سے بے قرار
شوہر اس کا دیکھ کر رونے لگا ۔ ایک شور برپا گھر کا گھر رونے لگا
اہل ماتم کا زبس غوغہ ہوا ۔ ایک قیامت کا سا غل برپا ہوا
گھر میں ماتم کا یہاں تک جوش تھا ۔ سایۂ دیوار بھی سیہ پوش تھا
کہہ دیا تھا بس کہ اس جاں باز نے ۔ بے تکلف دایۂ ہمراز نے
ڈال کر تختے پہ اس کی نعش کو ۔ سب سے مخفی کر کے ایک گوشے میں ہو
آپ اپنے ہاتھ سے نہلا دھلا ۔ اور جلدی ہی اس کو بس کفنا دیا
پا چکی اس کام سے جب وہ فراغ ۔ حلقۂ ماتم میں آکر بد دماغ
اس کے شوہر سے لگی وہ کہنے تب ۔ جی اٹھے گی کیا تیرے رونے سے اب
گھر میں مردے کو بہت رکھتے نہیں ۔ پیٹ مت جلدی اٹھا اس کو کہیں
ہاتھ مت اپنے دل و جاں سے اٹھا ۔ خانہ آباد اس کو اب یہاں سے اٹھا
جو کہ ہونا تھا ہوا آرام کر ۔ اس کو رو بیٹھا اٹھ اپنا کام کر
عاقبت وہ خستہ با صد تلاش ۔ لا کے ایک صندوق رکھ اس کی نعش
سینہ و سر سنگ سے کوباں چلا ۔ خستہ خاطر سوئے قبرستاں چلا
وہ جو عزرائیل کا مذکور تھا ۔ سو وہ سارے شہر میں مشہور تھا
وہ نہیں کی اس کی جو تکرار تھی ۔ شہرۂ ہر کوچہ و بازار تھی
وہ حکایت اور وہ ساری جد و کد ۔ ایک خلقت کے ہوئی تھی گوش زد
اک اچنبا سا ہوا تھا شہر میں ۔ اب بھی ایسی عورتیں ہیں دہر میں

جن کو یوں ہوتی ہے مرنے کی خبر — اپنے دنیا سے گزرنے کی خبر

وقت مرنے کا بتایا دیکھیے — اس جوان مردی سے جانا دیکھیے

بند و بست وقتِ وفات ہے — عارفوں کو اختیارِ موت ہے

مدعا سب شہر کے خورد و کلاں — یک قلم انگشتِ حیرت در دہاں

کیا جواں کیا پیر سارے خاص و عام — جمع تھے اس کے جنازہ پر تمام

تھا عقیدت سے بصد جوش و خروش — یک جہاں پروانۂ شمعِ خموش

اس کو صاحب کشف عورت جان کر — آتے تھے اپنی سعادت جان کر

کوئی کہتا تھا یہ عورت مرد ہے — یہاں تو مردوں کی بھی ہمت گرد ہے

کوئی کہتا تھا یہ نسبت اور ہے — اس کا مرنا فی الحقیقت اور ہے

بس کہ تھا اس کے جنازہ پر ہجوم — ہو گئی تھی اس قدر خلقت کی دھوم

مر گئی تھی گرچہ وہ نامہ سیاہ — تھی پر ایک عالم کے کلمہ کی گواہ

اپنے مرنے پر موئی جاتی تھی وہ — جامہ سے باہر ہوئی جاتی تھی وہ

چشم بد مستِ شرابِ انتظار — دل سراپا محو شوقِ وصلِ یار

خلق میں اس طرح پائی آبرو — یار کے ملنے کی دل میں آرزو

بے تکلف خلق میں عزت کمال — دل میں ایک ہنگامۂ ذوقِ وصال

اور پھر ان سب لطیفوں کے سوا — اس طرح خلقت میں بندھ جانی ہوا

خلق میں عصمت کا ہوئے اشتہار — ہوا دارو تمند اہلِ روزگار

کیا وہ سوئی تھی کہ جاگا بخت تھا — تختۂ صندوق اس کو تخت تھا

بس کہ مہلت دردِ فرقت تھا اسے — غسلِ میت غسلِ صحت تھا اُسے

وہ جو پہنایا تھا دایا نے کفن — اس کے حق میں تھا عروسی پیرہن

اس پہ وہ کافور جو چھڑکا تھا آہ — اس لیے اس سے وہ خوش تھی روسیاہ

واسطے اس کے دوائے وصل تھی
یعنی اس میں بوئے صبحِ وصل تھی

یہاں تلک پہنچے جو وہ عرفاں پناہ
اور عالم پر پڑی ان کی نگاہ

رنگ چہرے کا بدل جانے لگا
یک تغیر دم بدم آنے لگا

اس تغیر میں بچشمِ اشک ریز
ہو محرف دیکھ کر شہ کو پرہیز

یوں لگے کہنے کہ اے بے اعتبار
مکر کے جب مرگ کا ہو یہ وقار

دیکھ بس درجہ فنا فی اللہ کا
مرتبہ کیا ہے بقا باللہ کا

چاہتے تھے آگے کہویں اور بات
آن ٹوٹی اس میں اُن پر واردات

مار کر یک نعرہ اِلَّا اللہ کا
ہاتھ میں لے ہاتھ اُٹھے شاہ کا

رقص سر کرنے لگے بسمل کی طرح
آئے بیتابی میں اپنے دل کی طرح

جس طرح مجمر سے اُڑتا ہے سپند
وجد میں تڑپا اُنھوں کا بند بند

گاہ دل سے کھینچتے تھے ایک ہو
جس سے آتی تھی کبابِ دل کی بو

مثل طائر گاہ وہ کرتے تھے طیر
لامکاں کی گاہ وہ کرتے تھے سیر

گاہ لب پہ نعرۂ اللہ ہو
گاہ یہ کہتے کہ ہے موجود تو

غنچہ ساں سر و گریباں گاہ تھے
شاخ گل کی طرح لرزاں گاہ تھے

گاہ بہاتے چشم سے دریائے اشک
پارہ ہائے دل نکلتے جائے اشک

وجد سے پایا جو رنگِ احتراز
واکئے دل نے پر و بال گداز

قطرۂ خوں بس کہ طوفاں جوش تھا
دل کے بہ جانے کا کس کو ہوش تھا

نفی اور اثبات کو وہ شاہ دین
کر دکھاتے تھے وہاں عین الیقین

لَا اِلٰہ منہ سے کہتے تھے جہاں
نیست ہو جاتا تھا بس سارا جہاں

جب لگاتے ضربِ اِلَّا اللہ کی
قدرت آتی تھی نظر اللہ کی

جسم ان کا تھا یہ کچھ روحِ لطیف
جس کے آگے تھی لطافت بھی کثیف

صاف یوں دیوار سے جاتے گزر
پار جوں عینک کے ہو نورِ نظر

ضربِ پران کے یہ پڑتا تھا قدم
جس سے دل بستا تھا سب کا دمبدم

جب کلاہِ سر کو اپنی آن کر
چیخ دیتے تھے وہ رکھ انگشت پر

شہ کا تخت و تاج سے دل سرد تھا
چترِ شاہی جس کے آگے گرد تھا

ٹک ہلا دیتے جدھر رومال کو
اور کوڑا ہوتا اہلِ قال کو

جوشِ الفت سے بتقریبِ بیاں
ایک وہ یہ شعر تھے وردِ زباں

جاں فدایش کردن از کم خدمتی ست
جاں ندادن بہر او دوں ہمتی ست

زندگانی میکنم از جانِ او
صد ہزاراں جانِ ما قربانِ او

شعر پڑھتے ہوں مخاطب جس طرف
صاف ہو جاتی ادھر کی صف کی صف

گفتگو مست اور یہ اشعار مست
ہو گئے واں کے در و دیوار مست

بس کہ ہر ذرّے کا دل بیتاب تھا
انجمن ایک معدنِ سیماب تھا

مست یوں چھائی تھی ان کے دل کی لاگ
جوں لگے پارے کی تول میں آگ

تا زمین و آسماں سرشار تھا
ایک ساغر سے جہاں سرشار تھا

ایک عالم تھا ہجومِ شوق کا
جس کو دیکھو تھا وہ پتلا ذوق کا

جس کسی پہ ان کی پڑتی تھی نگاہ
جان سے تن خالی کرے تھا بھر کے آہ

جس کو لے لیتے تھے وہ آغوش میں
وہ نہ رہتا تھا پھر اپنے ہوش میں

کوئی قرباں ان کے ہوتا بار بار
کوئی گرتا پاؤں پر بے اختیار

چاک کر کوئی گریباں سربسر
ان کے دامن سے لگے تھا آن کر

کتنوں نے اس وجد کی ٹکر سے
پھوڑ ڈالے اپنے سر دیوار سے

کتنے ہی دل کی طپش کو گھیر کر
مر گئے خنجر گلے پر پھیر کر

یہ ہجومِ خلق سے تھا ان کا رنگ
شمع پر آ کر گریں جیسے پتنگ

اور خصوصاً وہ شہِ عقبیٰ پرست ۔ نشہ توفیق سے بیٹھا تھا مست

چاک دامن تک گریباں چاک تھا ۔ دل گداز و دیدۂ حیران تھا

بے تکلف سینۂ و دل شاہ کا ۔ تھا نشانا اس کی تیر آہ کا

عشق سے تھی بسکہ اس کے دل کو لاگ ۔ خشک ہیزم میں لگی تھی اک آگ

گم گئے حیرت سے اندازہ خروش ۔ خشک لب بیٹھا تھا دریا خموش

تھی وہ غرقِ بحر یہ ساحل پہ تھا ۔ جو قدم رکھتی وہ اس کے دل پہ تھا

بس کہ تھا جاں دادۂ شوقِ طلب ۔ تھا ہجوم شوق سے حد جاں بلب

بعد چندے جب ہوئی حالت فرو ۔ شاہ اور درویش بیٹھے جمع ہو

اشک کم کم دیر تک جاری رہا ۔ ایک عالم ضعف کا طاری رہا

آنکھ میں تھا اس نشے کا یوں اُتار ۔ خواب خوش کا جیسے ہوتا ہے خمار

روح پھر کرنے لگی سیرِ وجود ۔ چشم نے دی وقتِ بزمِ شہود

از پئے سیرِ مقاماتِ ظہور ۔ جب ہوا محسوس مرآتِ شعور

اختتامِ قصہ وہ عرفاں پناہ ۔ یوں لگے کہنے کہ سن اے بادشاہ

کیا بڑھا کر اب کہوں اس غم کی بات ۔ مختصر ہے خوب ہے ماتم کی بات

الغرض اس شان اور شوکت کے ساتھ ۔ ہر قدم روتا ہوا حسرت کے ساتھ

واں پہونچ کر وہ حزینِ جاں گداز ۔ پڑھ کے مُردے کے جنازہ کی نماز

قبر میں ناچار اس کو گاڑ کر ۔ گھر کو اُٹھ آیا گریباں پھاڑ کر

گور میں جس دم گئی وہ زشت رو ۔ گور رکھتی تھی اسے در گور تو

خاک لے پنا اس سے بدلے زمین ۔ آپ بھاگے تھی پرے اس سے زمین

مکر سے مُردہ بھی از بس وہ شریر ۔ ہٹ گئے اس شرم سے منکر نکیر

مرگ اس کو دیکھ کر مرنے لگی ۔ گور بھی پہلو تہی کرنے لگی

آگئی اس میں شبِ خانہ خراب
مرگیا بس دم چرا کر آفتاب

مکر سے تب کے ماتم اس کا آہ
سر پہ شب نے اوڑھ لی چادر سیاہ

ماہ اپنا داغ دکھلانے لگا
ہر اک اختر آنکھ بھر لانے لگا

کر پریشاں موے سر شمع مزار
قبر پر رونے لگی بے اختیار

گرچہ رونے کا اٹھا اک شور تھا
شمع کے دل میں بھی لیکن چور تھا

کیا بتاؤں اختر گردوں کا بھید
پڑ گئے تھے رات کی چھاتی میں چھید

اس طرح سب نے کیا اس کا جوگ
سو گئے سب اپنے اپنے گھر میں لوگ

ایک وہ ہی فتنہ جو بیدار تھا
جو وہاں اس حیلہ گر کا یار تھا

منتظر ایسی اندھیری رات میں
لگ رہا تھا یعنی اپنی گھات میں

دم نکل جانے کا کھٹکا کم نہ تھا
قبر میں وہ تھی اور اس میں دم نہ تھا

دیکھ کر ہنگامہ طغیانِ خواب
پاکے فرصت با دلِ پر اضطراب

دل میں تحسیں کرکے اس کے صبر کو
صورتِ آغوش کھولا قبر کو

کھینچ کر بے اختیار آغوش میں
آپ جیسا اس کو لایا ہوش میں

شکر یہ کہنے لگا اے خوبرو
یعنی میں ہارا ہوں اور جیتی ہے تو

اس طرح ملنے کی کب امید تھی
کب امید دولتِ جاوید تھی

تیرے دشمن مر گئے اور ہم جیے
حق جلاوے تجھ کو تو جم جم جیے

تیرے دم سے عیش نے پایا ہے نام
عشق کو ہی بلکہ تیرے دم سے کام

بے تکلف خاک سے اس کو نکال
لے اڑا ساتھ اپنے خوش ہو کر کمال

دوستی کا اس کی دم بھرتا رہا
جب تلک جیتا رہا مرتا رہا

اس نے مارا جبکہ یوں اپنے کو آپ
تب ہوا ہاں یار سے اس کا ملاپ

یار کی خاطر وہ مر کر ایک دم
عیش و عشرت سے لگی رہنے بہم

بس اگر تجھ کو خدا مطلوب ہے | جی اگر چاہے تو مرنا خوب ہے

بے تکلف خم سر تسلیم کر | اُٹھ جہاں سے عشق کی تعظیم کر

جاں بحق تو یاد حق میں تا نہ ہو | حق ہی یوں حق سے ترا ملنا نہ ہو

طالب حق کو تو مرجانا ہے بات | یعنی ہو یہ موت ہی اس کی حیات

مرگ کی لذت کو کب پہنچے ہے قند | بے تکلف ہونٹ ہو جاتے ہیں بند

گر نہیں باور تجھے میرا سخن | شعر مولانائے روم اب مجھ سے سُن

غیر مردن ہیچ فرہنگی دگر | در نگیرد با خدا اے حیلہ گر

کہہ چکی یوں جبکہ وہ صاحب کمال | سُنتے ہی تب وہ شہ فرخندہ فال

چھوڑ تخت و تاج کو سر سے ٹیک | اُٹھ گیا صحرا کو سُن دامن جھٹک

طالب حق ہو کے دنیا ترک کر | باندھ بیٹھا اپنے مرنے پر کمر

یہ جو میں نے مثنوی اب یک قلم | صفحہ قرطاس پر کی ہے رقم

مطلب اس سے ہے مرا معروف یہ | ہو گدا او شاہ میں معروف

بہر روح پاک مولانائے روم | سُن کے اس کو سنگ دل ہو جائے موم

اور بخشے حق تعالیٰ یہ اثر
طالب حق سنتے ہی بس جائے مر

تمام شد

تاریخ این مثنوی از نتایج طبع عظیم الدین خاں عرف بہورخان شفتہ

مثنوی کا آپ کی معروف ہی
دفتر دیوانِ محشر ہر ورق

شرم سے ہر مطلعِ رنگین کے
منہ پہ لے خورشید دامانِ شفق

اس کے ہر ایک بیت پہ کیجے نثار
موتیوں سے بھر فلک کی نہ طبق

روز کیفیت سے پایا انتقال
جلوۂ آخر ہی حسنِ ماسبق

منہ پہ اگلوں کے ہوائی سی اُڑے
شاعرانِ وقت ہوئیں دیکھ فق

میر و مرزا گر سُنیں آ ویں نکل
بہر تحسین گور کا کر سینہ شق

مر کے جی اُٹھنے کا قصہ کر رقم
کیا دکھائی قدرتِ رب الفلق

جی میں آشفتہ کے جب گزرا خیال
فکر ہی تاریخ کا اس کی ادق

تب یکایک کان میں آئی ندا
غیب سے یہ بعث بعد الموت حق

تمت تمام شد

۴۸۶

اشعار آبدار مسمی بہ تسبیح زمرد

فی الحمد

قسم ہی حق نے جب یہ گنبدِ خضرا بنایا تھا — تو عشق سبزہ رنگوں کا میرا دل گھر بنایا تھا

فی النعت

تھا سبز جو لطیفہ اخفا رسول کا — باعث ہی سبز رنگ کی یہ ہی قبول کا

شب خیال سبزہ رنگوں میں جو میں بیتاب تھا — زخم دل پر تو تیائے سبز کا تیزاب تھا

بازی میں گنجفہ کے ورق دیکھ جنگ کا — آتا ہی یاد رنگ کسی سبزہ رنگ کا

کسے تھا سبزہ رنگ ایک دم بھروسا اپنے جینے کا — فشانی گر تیری ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

سبزہ رنگوں کی جو میں لعنت میں آزاری ہوا — خلط صفرا یہاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

بس کہ سبزہ رنگ ہی قاتل میرا — نت ہرا رہتا ہی زخمِ دل میرا

نہ پوچھو دوستو باعث ہمارے سبز بانے کا — ملا ہی سبزہ رنگوں سے یہ ثمرہ دل لگانے کا

کوئی ہو دل سبزہ رنگوں پر اگر آجائے گا — مفت ایک حسن بھانگ کے بھاڑے میں ہرا جائے گا

سبزہ رنگو مجھ سے پوچھو شوق اپنی دید کا — سبز جامہ دیکھنا دن ہی ہماری عید کا

ہوئے مرقد سبزہ رنگوں کی جہاں مانوس کا — مور چھل ایک ہاں مناسب ہی پر طاؤس کا

زہر چشم سبزہ رنگوں کا جو شہرا ہو گیا — زہر خلقت کی نظر میں زہر مہرہ ہو گیا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا — ابروئے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

نجا معروف عشق ان سبز رنگوں کا بنایا تھا — کہ قبر اُس کی جو دیکھی کیا ہی سبزہ لہلہایا تھا

ردیف الباے

ہی شوخ سبزہ رنگ کا رونا دلا فریب
حرف تلخ اب تیرے منہ سے ہی نکلتا بیڈھب
روے سبزہ رنگ پہ وہ گیسو کا نکیوں لہرائے سانپ

یہ آب زیر گاہ ہی جاکر نہ کھا فریب
سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا بیڈھب
جائے کہاں دیکھے سے مر واندھا جب بنجارے سانپ

ردیف ت

سبزہ رنگ گے بڑھا تو جو میرے ہاتھ سے رات
گیا کہوں اڑ گئی طوطی سی میرے ہاتھ سے رات

ردیف ث

بتاؤں سبزہ رنگوں سے مجھے الفت ہی کس باعث
سبزہ رنگوں پہ لا کیوں جی گنواتا ہی عبث

حبیب حق کا رنگ سبز تھا محبوب ہں باعث
ان کو پروا ہی نہیں تو زہر کھاتا ہی عبث

ردیف ج

اس سبزہ رنگ کو جو یہاں لائیں یار آج
قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کہ تدبیر آج

واللہ بخش دوں میں انھیں سبزہ زار آج
جی میرا چاہے ہی میرے سبزہ شمشیر آج

ردیف ح

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں دل آیا بے طرح
سبزہ رنگوں کا سمجھ کر نہ مجھے زخمی جراح

عشق نے پھر باغ سبز اس کو دکھایا بے طرح
زخم پر باندھ گیا زہر کی پٹی جراح

ردیف خ

ہے چشم سبزہ رنگ نشہ میں مدام سرخ	یا سرخ موسی ہے پہ زمرد کا جام سرخ

ردیف دال

سبزہ رنگوں کا نظارا ہر بشر کو ہے مفید	دیکھنا سبزہ کا کہتے ہیں نظر کو ہے مفید
یادِ سبزہ رنگ میں اپنی تو اُڑ جاتی ہے نیند	سبزۂ ریحاں سے یارو کس طرح آتی ہے نیند

ردیف ذ

ہوا ہوں دیکھ ایک سبزہ رنگ کا تعویذ	میرے مزار پہ ہو سبز سنگ کا تعویذ

ردیف ر

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر	تھا اُسی دن سے دعاگو سبزہ رنگوں کا فقیر
ولا مت دوڑ تو ان سبز رنگوں کی صفائی پر	پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پاؤں کائی پر
ہوا ہوں آہ میں ایک سبز رنگ سرو قامت پہ	چڑھانا عرس کی شب میرے طوغ سبز تربت پر
سبزہ رنگوں میں جو کر لیجے کسی کو تسخیر	جانیئے ہم نے کیا سبز پری کو تسخیر

ردیف ز

اُس سبزہ رنگ کی جسے رنگت خوش آئے سبز	اُس کی نظر میں خاک ہو قدرِ طلائے سبز
سبزہ رنگوں کی صفائی پہ ہیں یوں رخسار سبز	دل میں جوں صوفی صافی کے لگے ہوں انوار سبز
مرتے دم تک سبز رنگوں سے جو مجھ کو تھی نیاز	سبز پھل پر دیوے ہے جو میرے دیوے ہے نیاز

ردیف س

کافی ملی جو تم نے مجھے آگئے خدا شافی ہی بس
دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہی بس

دل میں کیا ہی خط سبزہ رنگ کی سبزی کا عکس
ہی صدا اس آئینہ میں جلوہ گر طوطی کا عکس

سبزہ رنگوں سے نہیں دل کے نکلنے کی ہوس
ہی نہیں پر ایک میرے مونگ دلنے کی ہوس

ردیف ش

سبزہ رنگوں کی نے مجھے بھیجے ہیں تلوار کی ریش
ہی سبزا وار میرے مرہم زنگار کی ریش

ردیف ص

سبزہ رنگوں پر کروں کیونکر نہ میں دیوانہ رقص
چرخ بھی کرتا ہی دیکھو آئینہ طاؤسانہ رقص

ردیف ض

ہی سرو سبزہ رنگ سے اپنی سدا غرض
ساقی نہیں ہی سبزہ مینا سے کیا غرض

ردیف ط

روئے سبزہ رنگ پر شاید نحل آیا ہی خط
لکھ کے خط سبز سے ابکے جو بھجوا تا ہی خط

ردیف ظ

روئے سبزہ رنگ پر خال ایک بلا ہی الحفیظ
اس گمس میں زہر کیا آفت بھرا ہی الحفیظ

ردیف ع

سبزہ رنگوں سے نہ ہو در پردہ گرما دیں شمع
سبز شیشہ کا رکھے کیوں جامہ فانوس شمع

ردیف غ

ای سبزہ رنگ قتل کو کس کے بنائی تیغ	اور بار یار زہر میں تو نے بجھائی تیغ
سبزہ رنگوں کی میں کیوں موت پہ کرتا نہ دریغ	اگئی اس باغ سے چوں سبزہ بیگانہ دریغ

ردیف ف

تیری سبزہ رنگ ایسی صورت ہی صاف	زمرد کی گویا کہ مورت ہی صاف

ردیف ق

دھیان میں یوں ہوں سبزرنگ کے غرق	جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

ردیف ک

دکھلادے سبزہ رنگ ہمیں یاں آج ایک	ہی سیر سبزہ بھی خفقان کا علاج ایک

ردیف گ

بیٹھے بیٹھے سبزہ رنگوں کا جو یاد آتا ہی رنگ	دن میں سو سو بار اپنا سبز ہو جاتا ہی رنگ

ردیف ل

سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل	اس برس رنگ ہی نورو ز کا سبزی مائل

ردیف م

ای سبزہ رنگ تو جو ہوا ہم پہ آج گرم	مہندی کا اب تلک نہ سنا تھا مزاج گرم

اُس سبزہ رنگ سے جب کھُلتے ہُینگے راز کچھ ہم
اس دن ہرے بھرے کی دینگے نیاز کچھ ہم

ردیف ن

کیوں غش نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہو
میں حضرت امام حسنؓ کا غلام ہوں

کریں جامہ دری جو سبزہ رنگوں کی محبت میں
ملیں اُن کو موئے پر حلہ ہائے سبز جنت میں

خوبرویوں میں جو سبزہ رنگ بھاتا ہی ہمیں
صرف پنّا ہی جواہر میں خوش آتا ہی ہمیں

کیوں نہ خوش ہوں سبزہ رنگ آتا ہی اکثر خواب میں
سبز شی کا دیکھنا ہوتا ہی بہتر خواب میں

یہ سبزہ رنگ گوروں سے نہایت یونتو بہتر ہیں
مگر یہ عیب دیکھا ان میں طوطا چشم اکثر ہیں

تپ عشقِ سبزہ رنگ میں جو لگ گئی ہمیں
گرمی کرے ہی اور ہری کاسنی ہمیں

آج یہاں کل وہاں گذری یوہیں جگ ہمیں
کھووے ہی ہر سبزہ رنگ اس سے ہری جھک ہمیں

بھیجے سبزہ رنگ پشت سبز کی تختی ہمیں
ہو لدل سے سوجھتی ہی اور یہ کمبختی ہمیں

سبزہ رنگوں سے نہ مل کہتا ہوں میں سنتا نہیں
بھنگ پی ہی تونے کیا معروف میں سنتا نہیں

ردیف و

ای سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو
یہ برگِ سبز تحفۂ درویش جان تو

فکر میں سبزہ رنگوں کے گر اپنا رواں انشا مہ ہو
پھر تو ہر اک مطلع اپنا گویا طوطی نامہ ہو

یاد آیا خواب سبزہ رنگ اس غم دیدہ کو
کل جو دیکھا اتفاقاً سبزۂ خوابیدہ کو

یارب اُس دلبر کی کردے نیب جتنی عمر ہو
بلکہ سبزہ رنگ ہی وہ اُس کی خضری عمر ہو

ردیف ہ

دیدسے ہی سبزہ رنگوں کے نظر کو فائدہ
بیشتر ہی سبز عینک سے نظر کو فائدہ

ردیف ی

وہ سبزہ رنگ شاید معروف پھر ملا ہی
آگے سے ان دنوں کچھ تیرا بدن ہرا ہی

اُس سبزہ رنگ بن کہیں کیا عقل و ہوش کی
سبزہ رنگوں کے جہاں میں ہیں فن کس آن کے

کیوں خوں نہ روؤں عشق میں اُس سبزہ رنگ کے
سبزہ رنگوں سے مجھے صحبت ہی جو دن رات کی

عشق میں سبزہ رنگوں کے جو یاروں نے گل کھایا ہی
کوئی ہاتوں سے کشتہ سبزہ رنگوں کا اگر ہووے

یہ عشق سبزہ رنگوں میں جو گدڑی اپنے تن پر ہی
سبزہ رنگ اس تیرے خط سکھنے سے نادانی کھلے

وہ جا سبزہ رنگوں میں نازک میان ہی
یا رب سبزہ رنگوں کا اب دل میں غم بھر آتا ہی

یہ حالت ہاتھ سے ان سبزہ رنگوں کے دگرگوں ہی
عجب کیا کان کے ہوویں یہ سبزہ رنگ اگر کچے

وہ سبز رنگ ہم سے گو دل کا سخت ہووے
رکھ ساگ سوئے کا نہ سرہانے پلنگ کے

زور طراوت آنکھوں میں ہی دایم چھاتی ٹھنڈی ہی
جنوں ان سبزہ رنگوں کا یہ آفت مجھ پہ لایا ہی

طبیعت سبزہ رنگوں تئیں نہ اے معروف گر آتی

اب ہم ہیں اور دکاں ہی سبزی فروش کی
اُس زمیں پر کھیت تھی دیکھے تو آکتر دھان کے

لازم ہی آنکھیں لال نشہ میں ہوں بھنگ کے
چاہتا ہوں ہر جگہ سر سبزی اپنی بات کی

کہتے ہیں سب آپ نے کیا ہاتھ پہ طوطا پالا ہی
کفن لازم ہی اُس کا سبز طوطے کا سا پر ہووے

فقیروں کا مرقع پوش ہونا موت خضر ہی
پستئی جامہ پہ کب سنجاف ہی دھانی کھلے

کمر کیا ہی اُس کی رگ برگ پان ہی
کیجیو خیر اس نشے کی یہ سبز قدم پھر آتا ہی

کہ چہرہ سبز ہی مثل حنا اپنا جگر خوں ہی
کہ جب تک سبز ہوتے ہیں تو ہوتے ہیں ثمر کچے

اپنی یہی دعا ہی وہ سبز بخت ہووے
ہم دم کب آئے نیند رہ بن اُس سبزہ رنگ کے

یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہی سبزی منڈی ہی
کہ اب طوطوں نے سر پہ گھونسلا آکر بنایا ہی

تو پھر اپنے یہ تسبیح زمرد ہاتھ کب آتی

خضر کو کہنا پڑی میرے جنازے کی نماز
سبزہ رنگوں کے کیا ہی عشق نے فانی مجھے

تمام شد تسبیح زمرد

قطعه در تاریخ تسبیح زمرد

تصنیف محمد ابراهیم ذوق

سبزه رنگاں کہ بہ باغ جستند　　تازه چوں شاخ گل لاله و ورد
از کمر تا دہن شان موہوم　　چوں خطِ جوہری و جوہرِ فرد
چشم دارند بہ قتلِ عشاق　　چوں حریفے کہ کند قصدِ نبرد
بجمال رُخ آں ہا معروف　　مدتے شد کہ نظر خوش میکرد
اندراں حال سخنہا می گفت　　ہمہ چوں نالہ موزوں پر درد
رفت صیت سخنش از دہلے　　تا صفاہان و عراق باورد
صد و یک مطلع رنگیں آخر　　گفت با نالۂ گرم و دم سرد
شد چو تسبیح زمرد نامش　　رونق آب گہر رفت بگرد
مرد فیروزه و خوں شد دل لعل　　کہربا چوں یرقانے شده زرد
پیش آں گنج گہر نیست چو خاک　　گنج خسرو کہ بود باد آورد
ذوق چوں خواست و تاریخش　　اندریں دفتر معنی بد و فرد
اوّل از دانہ خوش رنگ شمار　　گرد و آں عقدۂ مطلب وا کرد

۱۲ ۳۶

باز با خامۂ رنگیں بہ نوشت
طرفہ تسبیح زمرد آورد

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

عالیجناب نواب میرزا سعید الدین احمد خاں صاحب طالب

اَلحمدُ للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ محمّدٍ وآلہٖ و اصحابہٖ وازواجہٖ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الرّاحمین۔

امابعد میرزا سعید الدین احمد طالب خلف نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر رخشاں مغفور رئیس لوہارو۔ ابن فخرالدولہ۔ دلاورالملک رستم جنگ نواب احمد بخش خاں مبرور فرماں روائے ریاست ہائے فیروز پور جھرکہ ولوہارو۔ ارباب دانش وبینش کی خدمت سراپا برکت میں ملتمس ہے کہ جو کچھ یہاں معرض تحریر میں آتا ہے یہ کوئی دیباچہ دیوانِ معروف کا نہیں ہے بلکہ بعض وقائع نگاروں نے جو غلطی کی ہے اُس کی تصحیح ہے یا بعض امورِ خاص کا اظہار ہے اسی وجہ سے راقم نے اپنی رائے یا قیاس سے یا بالکل کم کام لیا ہے یا مطلق کام ہی نہیں لیا۔ اور مختلف تذکروں میں جو حضرت معروف مرحوم کا ذکر آیا ہے اُن کا اقتباس یا اختصار نقل کر دیا ہے۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف تخلص خلف مرزا عارف جان مرحوم کہیں برادر فخرالدولہ دلاورالملک رستم جنگ نواب احمد بخش خاں مرحوم تھے معروف سلسلۂ چشتیہ میں مرید صاحبِ اجازت تھے۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کے جن کا مزار پُرانوار ریاست سوائے جے پور میں ہے۔ خواجہ صاحبؒ اجلّہ خلفائے حضرت مولانا فخر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تھے۔ معروف مرحوم باوجود صاحب اجازت ہونے کے

مرید بہت کم کرتے تھے۔ چنانچہ راقم ان کے صرف ایک مرید سے واقف ہی جن کا اسم مبارک محمد حیات خاں تھا۔ محمد حیات خاں مرحوم کو تو میں نے نہیں دیکھا ہاں اُن کے صاحبزادے خان بہادر محمد نظام الدین خاں کو دیکھا ہی اور اکثر صحبت رہی ہی۔ اللہ غریق رحمت کرے نہایت ہی ملنسار اور خلیق تھے۔ اور وہ بھی خوردسالی میں حضرت معروف سے بیعت ہو چکے تھے۔ ان دونوں باپ بیٹوں کے مزار اپنے پیر کی پائینتی درگاہ حضرت سلطان نظام الدینؒ میں اُسی احاطہ میں ہیں جس میں شیر بیشۂ سخندانی لسان الغیب حضرت اسد اللہ خاں غالب عرف مرزا نوشہ آسودہ ہیں۔

معروف مرحوم کا سرمایۂ اولاد دُو بیٹیاں اور دُو بیٹے تھے۔ بڑی صاحبزادی بنیادی بیگم صاحبہ مرحومہ نواب مرزا اغلام حسین خاں مسرور تخلص سے منسوب تھیں جن کے بطن سے نواب میرزا زین العابدین خاں عارف پیدا ہوئے تھے جو حضرت غالب مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ اور چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم صاحبہ مرحومہ حضرت غالب مرحوم کے عقد ازدواج میں آئی تھیں جن کے بطن سے چند بچے پیدا ہوئے۔ مگر سب صغرسنی ہی میں داغ مفارقت دے گئے اور صاحبزادے نواب علی بخش خاں مرحوم جنھوں نے حضرت غالب مرحوم کی تصنیف پنج آہنگ پر دیباچہ تحریر کیا ہی۔ اچھے صاحب استعداد تھے مگر سخن طرازی کی طرف مائل نہ تھے اُن کا سلسلۂ اولاد بفضلہ تعالےٰ اب تک جاری ہی۔ اور چند نفوس ذکور واناث ریاست حیدر آباد دکن کے دامن دولت سے وابستہ ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔ معروف مرحوم کے جو دوسرے جو صاحبزادے تھے اُن کا بیان بسبب طوالت ہم نے ترک کر دیا ہی۔ معروف مرحوم کو شعر وشاعری سے عشق تھا اور انھوں نے اصلاحِ سخن ابتدا میں حضرت شاہ نصیر رحمۃ اللہ علیہ سے لی تھی۔ اور کامل دُو دیوان مرتب کیے تھے جو بعض بعض جائے اب بھی موجود ہیں ان کے کلام میں

جو ذوق و وجدان کی کیفیت ہے وہ ان کے معاصرین میں نہیں پائی جاتی۔ ان کی شاعری اور کلام کی بابت تذکروں کے مولفوں نے جو رائے قایم کی ہے اس کا سلسلہ یہاں سے شروع ہوتا ہے

از گلشن بیخار مولفہ ۱۲۴۸ھ معروف تخلص الہی بخش خان نام۔ کوچک

برادر فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر کہین پور مرزا عارف جان برادر شرف الدولہ قاسم جان کہ از اعاظم امرائے عہد ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں بہادر بود۔ غفر اللہ لہم اجمعین بفیض صحبت درویشاں بحلقۂ ایشاں در آمدہ ترک زی دنیا نمودہ۔ با فن شعر الفتے بیش از بیش داشت۔ در ۱۲۴۲ھ یک ہزار دو صد و چہل و دو از ہجرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اکبر۔ اینجہان گزران را گزاشت صاحب دیوان است۔ اکثر خیالات رنگین و مضامین دل نشین دارد۔ ایں اشعار از دیوان اول التقاط یافت۔

نوٹ:۔ یہ تذکرہ صرف چھ سال بعد معروف مرحوم کے تالیف ہوا تھا۔ نواب مصطفیٰ خاں صاحب مرحوم جو فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص فرماتے تھے اس کے مولف ہیں۔ ان کی تحقیق اور وقت نظر سے زمانہ واقف ہے۔

تذکرہ شعرائے ہند مولفہ ۱۸۴۷ء مطابق ۱۲۶۲ ہجری

یہ تذکرہ گلشن بیخار سے ۱۴ برس بعد تالیف ہوا

تخلص الہی بخش خان معروف۔ چھوٹا بھائی فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر کا ہے۔ بسبب فیض صحبت درویشوں کے دنیا کا لباس ترک کر کے دینداری اس نے اختیار کی تھی اس کے شعر اکثر اچھے ہیں۔ واقع میں ذہین اور صاحب عقل اور تیز ہوش معلوم ہوتا ہے۔ صاحب دیوان ہے۔ میں نے بھی اس کا دیوان دیکھا ہے بڑا دیوان ہے۔ وفات ۱۲۴۲ھ

ہیں فوت ہوا حقیقت میں اس کے دو دیوان ہیں۔ گلدستۂ نازمینان میں اس کے
بہت اچھے شعر لکھ چکا ہوں۔ اس جائے برائے نمونہ یہ چند شعر لکھتا ہوں۔
نوٹ۔ یہ تذکرہ معروف مرحوم کے انتقال کے بیس سال بعد تالیف ہوا۔ صاحب تذکرہ
نے جو کچھ لکھا ہے حتی الامکان تحقیق کرکے لکھا ہے کوئی فروگزاشت نہیں کی ہے۔

از گلستان سخن مولفہ ۱۲۷۱ھ یہ تذکرہ شعرائے ہند سے نو برس بعد تالیف ہوا

معروف تخلص نواب الٰہی بخش خان مغفور برادر نواب احمد بخش خان مرحوم والی
فیروزپور جھرکہ۔ تعلقات دنیا کو ترک کرکے گوشۂ عافیت میں توشۂ راہ عاقبت
کو بہم پہونچایا۔ اور لباس احوال کو طراز فقر سے مطرز فرمایا۔ فن شاعری میں مناسبت
تام تھی۔ مدت مدید تک مشق سخن شاہ نصیر مرحوم سے کی تھی۔ لیکن طبیعت خداداد
کی رہنمائی سے کشور سخن میں برخلاف اُستاد کے ایک رستہ اور صاف و پاکیزہ ہاتھ
لگ گیا۔ صاحب دیوان اور اس فن میں صاحب اقتدار تھا۔ اصناف سخن میں قدرت
اور انواع کلام سے آگاہی۔ مثنوی بیت تسبیح زمرد۔ نام حسن سبز کے وصف میں
اُس سے یادگار رہیں مدت ہوئی کہ جہان فانی سے عالم باقی کی طرف راہی ہوا۔ یہ
چند شعر اُس کے کلام بلند مقام سے منتخب ہوئے۔

نوٹ۔ یہ تذکرہ ۲۹ سال بعد وفات معروف مرحوم تالیف ہوا تھا۔ اس کے جامع صاحب عالم میرزا
قادر بخش صاحب صابر مرحوم ہیں اور مصلح مولوی امام بخش صاحب صہبائی مرحوم جیسے محقق ہیں
جو صاف صاف تحریر فرماتے ہیں کہ معروف مرحوم شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور طبیعت
خداداد کی وجہ سے اپنے اُستاد سے بھی ایک رستہ جداگانہ صاف اور پاکیزہ پایا تھا۔
مسطورہ بالا تذکروں کے اقتباسات کو دیکھ کر کون صاحب فہم تذکرۂ آبحیات

مولفہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کے اس اندراج کو صحیح تصوّر کرے گا کہ معروف مرحوم اُستاد ذوق مرحوم کے شاگرد تھے۔ اور جو کچھ کلام معروف مرحوم کا تھا یہ سب اصلاحی ذوق مرحوم کا تھا۔ میں یہاں کسی کے کلام پر تنقید نہیں کرتا مگر اتنا ضرور کہو نگا کہ اہل نظر ذرا دونوں کا کلام ملا کر تو دیکھیں حسن معانی طرز ادا۔ لطف زبان کا جو کچھ فرق ہی صاف نظر آئے گا حق بر زباں جاری۔ آزاد مرحوم کو ذوق مرحوم کی زبانی یہ لکھدینا پڑا کہ ہم خود اُن کی صحبت میں بن گئے۔ بہر حال وقایع نگاری کی حیثیت سے آزاد مرحوم نے یہاں سخت غلطی کی ہی۔ اور پیراں نمی پرند مُریداں می پرانند کے مصداق ہوئے ہیں۔ سنہ ۱۸۸۰ء یا ۸۱ء میں جب اول مرتبہ تذکرۂ آبحیات چھپا تھا۔ اُس وقت میں بصورت ملازم گورنمنٹ پنجاب فیروزپور پنجاب میں بعہدہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری مامور تھا۔ تذکرہ مذکور میں معروف مرحوم کا ذوق مرحوم کا شاگرد ہونا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ کیونکہ یہ بات میں نے نہ کہیں لکھی دیکھی تھی۔ اور نہ کسی زبان سے سُنی تھی۔ اُسی وقت میں نے ایک خط آزاد مرحوم کو لکھا۔ کہ یہ امر آپ نے کس وثوق اور ثبوت پر لکھا ہی اور ایک عریضہ قبلہ وکعبہ ام مرحوم کی خدمت میں ارسال کیا کہ کیا یہ واقعہ سچ ہی۔ آزاد مرحوم نے تو جواب میں مجھے یہ فقرہ لکھا۔ کہ یہ تذکرہ میں نے اس لیئے نہیں لکھا کہ مُردوں کو بدنام کروں اور زندوں کو رنج پہونچاؤں تھوڑے دنوں بعد دلی جاؤں گا تو تمھارے والد ماجد سے اس کی صحت کر لوں گا۔ جو کچھ وہ فرمائیں گے طبع دوم میں وہی لکھدونگا۔ اور حضرت قبلہ وکعبہ ام مرحوم نے جواب عریضہ میں تحریر فرمایا۔ کہ آزاد مرحوم سے غلطی ہوئی یہ واقعہ سراسر غلط ہی۔ ذوق مرحوم معروف مرحوم کی خدمت میں اہل ارادت کی طرح حاضر ہوتے تھے۔ اور اُن کی صحبت سے فیض یاب ہو کر دینی و دنیوی فائدہ اُٹھاتے تھے۔ وہ زمانہ تو ذوق کی صغر سنی کا تھا اُس زمانہ میں ذوق کو اتنی استعداد اور شاعری کی لیاقت ہی کہاں تھی جو معروف جیسے کہنہ مشق اور پختہ کلام کو اصلاح دیتے۔

حسب اتفاق اسی سال ستمبر کی چھٹیوں میں میں دلی آیا ہوا تھا کہ آزاد مرحوم بھی دلی تشریف لائے اور حضرت قبلہ و کعبہ ام سے ملنے آئے۔ میں بھی جا پہونچا اور ایک تمہید نکال کر یہی ذکر چھیڑ دیا۔ حضرت قبلہ و کعبہ ام مرحوم نے آزاد مرحوم سے بجواب ان کے استفسار کے صاف صاف فرمایا کہ آپ نے بالکل وقایع نگاری کے خلاف کیا کہ ایسی بات بغیر تحقیق کے چھاپ دی۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ مجھ سے دریافت کرتے ورنہ حافظ غلام رسول صاحب ویران سے جو ذوق مرحوم کے ارشد تلامذہ میں حاضر باش و نفس ناطقہ تھے دریافت کر لیتے۔ چنانچہ ویران مرحوم نے قبلہ و کعبہ ام سے آکر ذکر کیا کہ آزاد مرحوم نے اُن سے اس واقعہ کی تصحیح چاہی تھی۔ ویران مرحوم کی تحقیق بھی آزاد مرحوم کی تحریر کے برخلاف نکلی۔ بایں ہمہ نہایت افسوس ہے کہ طبع دوم میں بھی حسب وعدہ آزاد مرحوم نے اپنی تحریر سابقہ کی تصحیح نہ کی۔ اور جوں کا توں رہنے دیا۔ جس کے خلاف مجھ کو یہ سطریں ضبط تحریر میں لانی پڑیں۔

مرزا سعید الدین احمد خاں طالب

دوشنبہ، ۲۰ محرم ۱۳۳۱ھ

مطابق ۶ جنوری ۱۹۱۳ء

۱۸۶

حضرت مولانا شاہ علی احسن صاحب احسن مارہروی لکچرار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اسلاف پرستی کے جذبے میں اگر اصنام پرستی کے انداز نہ ہوں تو اُسے بام خدا پرستی کا زینہ سمجھنا چاہیئے، صنعت سے اگر صانع کا پتہ چلتا ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ مجاز کو حقیقت نما آئینہ نہ کہا جائے، ماضی کی سرد بازاری حال کی گرم بازاری سے مل کر استقبال کے مزاج میں اعتدال پیدا کر سکتی ہو۔ دُنیا عالم مثال ہو اور انسان فطرۃً اپنے نوعی نمونوں کا نقال۔ ترقی کا دار و مدار اسی کردار پر ہو کہ جتنی خوبیاں اسلاف بطور یادگار چھوڑ جائیں اخلاف اُن میں اضافہ کرتے رہیں تاکہ وہ خوب سے خوب تر کہی جا سکیں، خلاصہ یہ کہ:۔

نامِ نیک رفتگاں ضایع مکن تا بماند نامِ نیکت برقرار

مجموعۂ محاسن و محامد عزیزی مولوی عبدالحامد صاحب قادری بدایونی ستایش کے قابل ہیں جن کی سعی و کاوش سے ایک ایسے نامور ادیب کے شاہانِ معنی زیورِ اشاعت سے آراستہ ہو کر انجمن آرائے اربابِ سخن ہو رہے ہیں جو اپنے تخلص کے لحاظ سے معروف الاسم لیکن اکثر تذکرہ نویسوں کے عدمِ تفحص کی وجہ سے مجہول الحال ہو۔

نواب الٰہی بخش خانِ معروف نواب فخر الدولہ احمد بخش خاں رئیس لُہارو کے چھوٹے بھائی اور مرزا نوشہ اسد اللہ خانِ غالب کے خسر تھے، اپنی وجاہتِ ذاتی اور ثقاہتِ صفاتی کی بدولت اس کے مستحق تھے کہ تمام تذکرہ نویس شعرا کی صف اولیں میں اُنھیں نمایاں جگہ دیتے، حیرت ہو کہ دو چار پُرانے تذکروں کے علاوہ عصر حاضر کے مشہور و مقبول تذکروں میں اُن کا مذکور نہ ہونے کے برابر ہو۔ تاریخ ادب اُردو (ترجمہ ہسٹری آف اُردو لٹریچر مرتبہ رام بابو صاحب سکسینہ)

میں چند سطریں جو معروف کے حصّے میں آئی ہیں وہ اُستاد ذوق کے طفیل میں آگئی ہیں اسی طرح گل رعنا میں حکیم مولوی سید عبدالحی مرحوم نے طفیلیوں کی طرح معروف کو صفوف شعرا کے حاشیہ نشینوں میں بٹھا دیا ہے تذکرۂ شعرالھند مولفہ مولوی عبدالسلام صاحب ندوی کا ذکر ہی فضول ہے کہ اُنھوں نے غریب معروف کا تذکرہ لکھنا کیسا نام تک لینا پسند نہیں کیا. البتہ مولوی محمد حسین آزاد نے آب حیات میں خانِ معروف کے حالات سب سے زیادہ لکھے ہیں لیکن وہ بھی ضمنی ہیں کوئی مستقل تذکرہ نہیں۔

اس صورت میں ہمارے پاس معروف کے مدارج سخن اور محاسن فن کے دکھانے کا کوئی ذریعہ اُن کے کلام کے سوا نہیں رہتا لیکن یہ کام آسان نہیں بہت دُشوار ہے، اور اس مختصر تبصرہ نگاری میں اتنی گنجائش نہیں کہ ایک کم فرصت اور کثیرالاشغال اپنا پورا وقت صرف کرسکے، اس لیے مجبوراً اُن کے حالات و ارشادات کے متعلق چند ضروری اشاروں اور حوالوں پر اکتفا کی جائے گی۔

بخارا میں خواجہ عبدالرحمن یسوی ایک رئیس عالی خاندان، خواجہ احمد یسوی کی اولاد میں تھے، اتفاقِ زمانہ سے وطن چھوڑ کر بلخ میں آئے اور یہیں رہ پڑے، اُن کے تین بیٹے، قاسم جان. عالم جان. عارف جان. ایک جمعیت کے ساتھ عہد محمد شاہی میں وارد ہندوستان ہوئے اور وزرا و امراء شاہی میں رسوخ حاصل کرکے نام آور ہوئے۔

الٰہی بخش خاں معروف، عارف جان کے چوتھے اور چھوٹے بیٹے تھے، اور اپنے زمانے میں دہلی کے امرائے نامی میں شمار کیے جاتے تھے. فنِ شاعری سے طبعی مناسبت تھی، ابتدائے عمر سے آخر عمر (۱۲۴۲ھ) تک دنیا سے کنارہ کشی کر لینے کے باوجود سخن آرائی میں مصروف و مشغول رہے، اور مختلف اوقات میں متعدد اساتذہ سے مشورہ سخن لیتے رہے۔

خانِ معروف، پیشہ ور شاعر نہ تھے، امیرانہ فطرت اور فقیرانہ طبیعت رکھتے تھے، اُن کے مصاحبین اور حاشیہ نشین بھی تھے، زمانے کے ماحول اور اثرات سے

اُن میں بھی وہی عادتیں اور خصلتیں پائی جاتی ہیں جیسی کہ اس عہد کے بقیۃ السیف امرا میں جاری و ساری تھیں جس شاعر کا انداز کلام پسند آتا اُسی رنگ میں خود بھی کہنا چاہتے اور حتی الامکان کہتے۔ کامیابی و ناکامی یا قبول خاطر و لطفِ سخن خداداد بات ہی مگر وہ بہرحال اپنے شوق کے پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے شوق مفرط کی ہمہ گیری اور ہر خرمن سخن کی خوشہ چینی نے اُنھیں کسی ایک روش پر بالاستقلال قایم رہنے نہیں دیا، بااین ہمہ اُن کا کلام بہت سی خوبیوں کا مجموعہ ہی اور اُنھوں نے مشاہیر عہد اور مستند شعرا کے رنگ پر اپنے چمنستانِ سخن کے آراستہ و پیراستہ کرنے میں پوری پوری قوت صرف کی ہی۔ میر کا سوز و گداز سودا کا رفیع المرتبت انداز۔ درد کا حقیقت نما مجاز۔ جرات کی معاملہ بندی کا ساز باز۔ شاہ نصیر کا شاعرانہ اعجاز اور ذوق کی سخندانی کا پرواز۔ غرض کہ تمام اندازوں کی نیرنگیاں اُن کے مرقع سخن میں جلوہ آرا ہیں۔

طوالتِ سخن سے قطع نظر کرکے ذیل میں ہر رنگ کا اقتباس درج کیا جاتا ہی اور عرف عام میں جن اساتذۂ مشاہیر کے جوانداز و اسالیب مشہور ہیں اُن کے مطابق اس انتخاب میں ہر صاحبِ طرز کا نام لکھ کر اُسی رنگ کے اشعار لکھے جاتے ہیں جن سے ناظرین بآسانی اندازہ لگا سکیں گے کہ معروف کے ایک آئینۂ معنی میں کتنے رنگا رنگ جلوے نظر آتے ہیں:-

میر کا سوز و گداز

کہتا ہی جب وہ ہنس کر ہی گریہ ختیاری — آتا ہی اور مجھکو بے اختیار رونا

ہی مثل اہلِ ماتم اپنا شعار رونا — دل کا بیان کرنا اور زار زار رونا

اُس کے جانے کی اگر کچھ بھی خبر رکھتے ہم — ایسے دیوانے نہ تھے گھر ہی جو در رکھتے ہم

روٹھنے کو تو چلے روٹھ کے ہم واں سے ولے — مر کے نکلے تھے کہ اب کوئی منا کر لے جائے

تو ایک مجھ سے کاش وفا کر کہ بعد ازیں — مقدور کیا جو کوئی تجھے بے وفا کہے

کیا ہوا چھوٹے قفس سے بھی اگر ہم نا تواں — رہ گئے بیٹھے کے بیٹھے یوں ہی ہم کھوئے ہوئے
معروف! اب تو دیکھتے ہو تم ہمیں غریب — ٹک منہ لگائے یار تو پھر ہم کو دیکھئے

سودا کا انداز

کر دیا تھا اُس کے حُسنِ حیرت افزا نے یہ رنگ — بزم میں تصویر گویا میری جا تکتی میں غم تھا
بچے کیا طائرِ دل ایسے صیادِ ستمگر سے — جو اپنی صید کی خاطر بچھائے دام سو سو کوس
خرقِ عادت اپنے دیوانوں کی دیکھ — جس طرف کو وہ چلے پتھر چلے

درد کا حقیقت نما مجاز

اور تو باتیں بُری چھٹ گئیں سب جیتے جی — آنکھ مُندے پر نہ چھٹا ایک مگر دیکھنا
کی وصیت یہ کچھ ارمان بھری آہ کہ رات — سارے گھر کو ترے بیمار نے سونے نہ دیا
ایک دن معروف برہم ہوگی یہ محفل تمام — حیف گل افسوس بلبل وائے قمری ہائے سرو

جرات کا ساز باز

تھا شبِ وعدہ یہ احوال ہر اک کھٹکے پہ — چونک پڑتا تھا کہ اب کے تو مقرر آیا
تڑپے ہی برق کی طرح، پوچھے تو مت بتا کیوں — منہ کو چھپا کے کھول دیئے کھول کے پھر چھپا لئیں
ہائے اس شوخ کا یوں اُٹھ کے جانا معروف — اور یہ کہنا کہ ہمیں اب منائے کوئی

نصیر کا شاعرانہ اعجاز

جھوٹ کہتے ہیں کہ سولی پہ بھی نیند آتی ہے — ہم کو یادِ قدِ دلدار نے سونے نہ دیا
وضو کو مانگ کے پانی خجل نہ کر معروف — یہ مفلسی ہی تیمم کو گھر میں خاک نہیں
اس بڑھاپے میں بھی کم ہو نگے لہری ہم سے — سبزہ رنگوں میں چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

ذوق کا پرداز

آپ جس وقت رقیبوں کی قسم کھاتے ہیں — ہم رقیبوں کے نصیبوں کی قسم کھاتے ہیں
کہا جو میں نے کہ اس ناتواں کا سنئیے حال — کہا جو حال سنائے وہ ناتواں ہی نہیں

درد سر ہی ہو کسے صندل لگانے کا دماغ اس کا گھسنا اور لگانا درد سر یہ بھی تو ہے
گریہ و آہ و فغاں سے ایک دم فرصت نہیں ہم سمجھتے تھے محبت کار بے کاروں کا ہے

معروف کے متقدمین یا معاصرین کے جن تین تذکروں میں اُن کے حالات نظر سے گزرے اگرچہ اُن سے معلومات میں کوئی خاص اضافہ نہیں ہوتا البتہ اُن فقرات سے ارباب سخن میں اُن کے تعارف و مدارج کا پتہ چلتا ہے، چونکہ اس مختصر تبصرے میں اسی مقصد کی تلاش ہے اس لیئے ان اندراجات کا لُبِّ لباب یہاں درج کیا جاتا ہے

۱۔ الٰہی بخش معروف تخلص پسر عارف جان جوانِ خوش اختلاط و وجیہ است......
بہ شاگردی میاں نصیر نازش دارد، وفکر شعر نیز بروئیہ ایشاں کہ تلاش است میکند
(تذکرہ ہندی از مصحفی مؤلفہ ۱۲۰۹ھ)

۲۔ معروف تخلص، الٰہی بخش خان نام....... بافنِ شعر الفتے بیش از بیش داشت صاحب دو دیوان است، اکثر خیالات رنگین و مضامینِ دل نشیں دارد (گلشنِ بیخار از شیفتہ مؤلفہ ۱۲۵۰ھ)

۳۔ معروف تخلص ہے الٰہی بخش خاں کا..... اس کے شعر اکثر اچھے ہیں، واقع ہیں ذہین اور صاحبِ عقل اور تیز ہوش معلوم ہوتا ہے، صاحب دیوان ہے...... یہ شاعر نامی شعرائے ہندوستان سے طبقۂ چہارم کا ہے۔ اس کا دیوان قابل دیکھنے کے ہے (طبقات شعرائے ہند۔ از مولوی کریم الدین مرتبہ و مطبوعہ ۱۸۴۸ء) تذکرۂ گلِ رعنا کے فاضل مؤلف نے معروف کی شاعری اور ذوق کی اصلاح کے متعلق آب حیات کی تحقیقات پر ایک شبہ ظاہر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"آزاد نے آب حیات میں جس طرح سے ظفر مرحوم کی کاوش پر پانی پھیرا ہے ان کے (معروف) بھی نتایج فکر کو اپنے اُستاد ذوق کے دامنِ کمال سے وابستہ کر دیا ہے باوجودے کہ اس کہنہ مشق شاعر (معروف) کی عمر اُس وقت ۶۶ برس کی تھی

اور ذوق بمشکل ۸ برس کے رہے ہوں گے، مگر جوش عقیدت میں اس کا خیال نہیں رہا...... پھر اسی خیال کے تائیدی ثبوت میں لکھتے ہیں مصحفی نے تذکرہ شعرا ۱۲۰۹ھ میں تالیف کیا ہے اس میں ذوق کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا تھا، کیوں کہ ذوق کی عمر اسی وقت زیادہ سے زیادہ سال بھر کی رہی ہوگی، مگر نواب الٰہی بخش خاں معروف کا تذکرہ ہے۔ لکھتے ہیں کہ "بہ شاگردی میاں نصیر نازش دارد، وفکر شعر نیز بروتیرہ ایشاں کہ تلاش است می کند، دریک دو مشاعرہ صاحب عالم شریک غزل طرحی نیز بود، بعد دو ماہ بشہر عود کرد" یہ اس زمانے کا قصہ ہے کہ نواب الٰہی بخش خاں معروف سیر و تفریح کے لیے لکھنؤ آئے اور دو مہینے رہ کر دہلی واپس گئے ہیں۔ اب اس کے بعد آزاد کے ان فقروں کو پڑھو "جو دیوانِ معروف اب رائج ہے وہ تمام و کمال انھیں کا (یعنی ذوق کا) اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کر کے مضمون کو لفظوں میں نہیں بٹھا سکتے تھے مگر اس کے حقایق و دقایق کو ایسا پہنچتے تھے کہ جو حق ہے...... نواب کے اشعار کا ایک سلسلہ جس میں ردیف وار (۱۰۱) مطلع ہے اور کوئی شعر سبزی کے مضمون سے خالی نہیں اُس کا نام "تسبیح زمرد" ہے آزاد کہتے ہیں کہ یہ تسبیح بھی اُستاد مرحوم نے پروئی تھی (گلِ رعنا ص۲۸۴، ۲۸۵)

جن مستند تذکروں سے معروف کے حالات کا اقتباس درج کیا گیا ہے اُس کو پڑھ کر معروف کے قابلِ اعتبار شاعر ہونے میں کسی تامّل و تاویل کی گنجایش نہیں، اور غالباً اسی اعتبار پر مولف گلِ رعنا نے پروفیسر آزاد کے اس بیان کو کہ معروف کا مروجہ دیوان استادِ ذوق کا اصلاحی ہے، ناقابلِ اعتماد مانا ہے، اور اپنی اس بے اعتمادی کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ایک نئے مبحث کا دروازہ کھل گیا ہے دیکھنے والوں میں خواہ مخواہ دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔

ایک طرف تو یہ خیال قایم کیا جا سکتا ہے کہ ایک معمر اور کہنہ مشق شاعر کسی نو عمر شاعر کو اپنا اُستاد نہیں بنا سکتا، دوسری طرف آزاد کے مؤید یہ کہہ سکتے ہیں کہ معروف کی شاعری کا سارا تار و پود، ذوق کی نساجیِ قلم کا ملبوس ہے۔ ضرورت ہے کہ اس اشتباہ و غلط فہمی کو رفع کر دیا جائے تاکہ آئندہ نسلیں کسی تذبذب کے دلدل میں پھنسی نہ رہیں۔

اس تذبذب کے مٹانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آبِ حیات کی وہ پوری عبارت یہاں نقل کر دی جائے، جس کے بعض اہم فقرے گلِ رعنا میں نہیں ہیں اور جن کے نہ ہونے سے عبارت میں بے ربطی ہو گئی ہے اور اسی سبب سے مزید غلط فہمی کے بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ مکمل عبارت کے پیشِ نظر ہونے سے اربابِ نظر توازن کر سکیں گے کہ مؤلف گلِ رعنا کا اعتراض کتنا وزنی ہے اور صاحبِ آبِ حیات کا اصل حقیقت سے احتراز و اغماض کس قدر ہلکا ہے۔ آزاد لکھتے ہیں:-

دلی میں نواب الٰہی بخش خاں معروف ایک عالی خاندان امیر تھے، علوم ضروری سے باخبر تھے اور شاعری کے کہنہ مشاق، اس فن سے ایسا عشق رکھتے تھے کہ فنا فی الشعر کا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں، چوں کہ لطفِ کلام کے عاشق تھے اس لیے جہاں متاعِ نیک دیکھتے تھے نہ چھوڑتے تھے، زمانے کی درازی نے سات شاعروں کی نظر سے اُن کا کلام گزرانا تھا، چناں چہ ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتے رہے، اور سید علی خاں غمگین وغیرہ وغیرہ اُستادوں سے بھی مشورہ ہوتا رہا۔ جب شیخ مرحوم (ذوق) کا شہرہ ہوا تو انھیں بھی اشتیاق ہوا، یہ موقع وہ تھا کہ نوابِ موصوف نے اہلِ فقر کی برکتِ صحبت سے ترکِ دنیا کر کے گھر سے نکلنا بھی چھوڑ دیا تھا چناں چہ اُستاد مرحوم فرماتے تھے کہ میری ۱۹-۲۰ برس کی عمر تھی، گھر کے قریب ایک قدیمی مسجد تھی ظہر کے بعد وہاں بیٹھ کر میں وظیفہ پڑھ رہا تھا، ایک مجذوب دارا

آیا اُس نے سلام کیا اور کچھ چیز رومال میں لپیٹی ہوئی میرے سامنے رکھکر الگ بیٹھ گیا، وظیفے سے فارغ ہوکر اُسے دیکھا تو اُس میں ایک خوشہ انگور کا تھا، ساتھ ہی چوبدار نے کہا کہ نواب صاحب نے دُعا فرمائی ہے یہ تبرک بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کا کلام تو پہونچا ہے مگر آپ کی زبان سے سُننے کو جی چاہتا ہے۔ شیخ مرحوم نے وعدہ کیا اور تیسرے دن تشریف لے گئے وہ بہت اخلاق سے ملے، اور بعد گفتگوئے معمولی کے شعر کی فرمایش کی،...... اُس دن سے معمول ہو گیا کہ ہفتے میں دو دن جایا کرتے اور غزل بناکر آیا کرتے تھے۔ چنانچہ جو دیوانِ معروف اب رائج ہے وہ تمام و کمال اُنھیں کا اصلاح کیا ہوا ہے۔ نواب مرحوم اگرچہ ضعف پیری کے سبب سے خود کاوش کر کے مضمون کو لفظوں میں بٹھا نہیں سکتے تھے مگر اس کے حقائق و دقائق کو ایسا پہنچتے تھے جو کہ حق ہے۔ اُس عالم میں اُستاد مرحوم کی جوان طبیعت اور ذہن کی کاوش اُن کی کاوش اُن کی فرمایش کے نکتے نکتے کا حق ادا کرتی تھی۔ شیخ مرحوم کہا کرتے تھے کہ اگرچہ بڑی بڑی کاہشیں اُٹھانی پڑیں مگر اُن کی غزل بنانے میں ہم آپ بن گئے فرماتے تھے کہ اپنی مدتِ شوق میں وہ بھی کبھی جرات، کبھی سودا کبھی میر کے انداز میں غزلیں لکھتے رہے مگر اخیر میں کچھ بمقتضائے سن کچھ اس سبب سے کہ صاحب دل اور صاحب نسبت تھے خواجہ میر درد کی طرز میں آگئے تھے یہ بھی کہتے تھے کہ اُن دنوں میں ہمارا عالم ہی کچھ اور تھا، جوانی دوانی، ہم کبھی جرات کے رنگ میں کبھی سودا کے انداز میں، اور وہ رو کتے تھے۔ آج الٰہی بخش خاں مرحوم ہوتے تو ہم کہکر دکھاتے۔ اب اُن کا دیوان ویسا ہی بنا دیتے جیسا اُن کا جی چاہتا تھا۔ اُن کی باتیں کرتے اور بار بار افسوس کرتے اور کہتے "ہائے الٰہی بخش خاں" اُن کا نام ادب سے لیتے اور اس طرح ذکر کرتے جیسے

کوئی با اعتقاد اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے (آبِ حیات صفحہ ۴۴۲ تا ۴۴۴ طبع نہم)

اقتباسات بالا کے بعد صرف اتنا کہنا ہے کہ گلِ رعنا کے فاضل مولف نے معروف کی طویل العمری اور ذوق کی کم سنی کے سبب سے جو قیاس آرائی فرمائی ہے وہ صحیح نہیں۔ آزاد کی اُستاد پرستی مسلم اور یہ بھی تسلیم کہ وہ اپنی جذبات نمائی اور عبارت آرائی کے جوش و خروش میں اکثر تاریخ کو انشا اور واقعات کو افسانہ بنا دیتے ہیں لیکن اسی معاملۂ خاص میں ان خصوصیات کا کوئی اثر نہیں۔ گلِ رعنا میں جتنی عبارت آبِ حیات سے نقل کی گئی ہے وہ ناقص اتمام ہے۔ اُس کو پڑھ کر وہ شخص جس نے آبِ حیات کے مفصل بیان کو نہیں پڑھا ہے ضرور دھوکے میں آجائے گا۔ لیکن آزاد کا پورا بیان پڑھنے کے بعد ایک انصاف پسند طبیعت کم ازکم اس موقع پر آزاد کو ملزم نہیں ٹھہرا سکتی اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اُنھوں نے معروف کی وقعت کو گرا دیا ہے۔ ہم نے جا بجا آبِ حیات کی عبارت پر خطوط کھینچ دیئے ہیں خط کشیدہ فقروں کے پڑھنے کے بعد آزاد کی نیت پر حملہ کرنا انصاف کے خلاف ہے اُنھوں نے کھُلے کھلے لفظوں میں معروف کی مشاقی اور قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ اُستاد ذوق اور معروف کے تعلقات کو خوردانہ و بزرگانہ مراتب کے ساتھ دکھایا ہے۔ جو مشورہ گیر اپنے مشیر کو دوسری روش پر چلنے سے روکے اُس کو حقیر سمجھنا بے خبری کی دلیل ہے۔ اور جب کہ اصلاح لینے کی وجہ موجہ بھی یوں ظاہر کردی گئی ہو کہ بوجہ ضعیف العمری کاوش سخن سے مجبور تھے اور استاد ذوق عنفوانِ شباب اور اپنی خداداد ذہانت و شہرت کے سبب سے اس کے اہل تھے، تو صرف تفاوتِ عمری کے خیال سے، فنِ اصلاح کو کسی معمّر کے لیئے مخصوص کر دینا ودیعتِ فطری میں دخل اندازی ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کتب تواریخ و سیر میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں کہ اُستاد کم سن ہے اور شاگرد طویل العمر۔ اسی طرح یہ بھی ہوتا ہے کہ شاگرد بجائے خود مکمل اور مشہور ہے لیکن ادب و تہذیب

اور مشرقی حفظ مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے جس کسی سے جب کبھی کچھ حاصل کیا ہے اس کا پاس و خیال ہمیشہ رکھا گیا ہے تقابل زمانہ اور رسم و رواج وقت کو دیکھا جائے تو عام سلاطین و امرا کے درباروں میں بکثرت نوجوان شعرا نظر آئیں گے۔ اور جب کبھی کسی حکمراں یا امیر کو شوق سخن گوئی ہوا ہوگا تو اکثر وہی نوجوان اربابِ فن مشورہ سخن کے لیے منتخب ہوئے ہوں گے اور انھیں کو ملک الشعرا کا خطاب دیا گیا ہوگا۔ مثلاً ملا ظہوری ابو طالب کلیم وغیرہ۔ ان مسلمات کے بعد یہ اشتباہ کہ ۸۰ برس کے بوڑھے نے ۱۸-۱۹ برس کے نوجوان سے مشورہ سخن نہ لیا ہوگا قیاس مع الفارق ہے۔

نتیجہ کلام اور حاصل مرام یہ کہ نہ تو معروف ایسے ناقص اور کم قابلیت کے شاعر تھے کہ بغیر مشورہ استاد کے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اور نہ ذوق نے ایسی اصلاح دی ہے کہ اپنی طرف سے پوری غزلیں کہکر اُن کے دیوان میں شامل کر دی ہیں۔ فی الحقیقت نواب الٰہی بخش خانِ معروف بجائے خود ایک مکمل شاعر تھے، اور تکمیلِ فن کے شوق میں وہ کسی کم سن یا مُسن کی خصوصیت نہیں سمجھتے تھے بلکہ

"متاعِ نیک ہر دکاں کہ باشد"

پر عمل پیرا تھے اور یہی اُن کے باکمال ہونے کا سارٹیفکٹ ہے۔

راقم

احسن مارہروی

(از لسان الحسان مولانا مولوی محمد یعقوب حسین صاحب قادری ضیا بدایونی)

حضرت معروف دہلوی اُردو کے اُن قدیم شعرا میں ہیں جن پر اُردو زبان کو ناز ہے۔ نواب مصطفےٰ خاں صاحب شیفتہ نے آپ کا ذکر شاندار الفاظ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اساتذہ کی صف کے سرمایۂ ناز رکن ہیں۔ اسی طرح شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے آبِ حیات میں آپ کے مشاغل شعر و سخن کو نظر فریب الفاظ میں سراہا ہے لیکن مولانا کی یہ سخن ظریفی قابل داد ہے کہ مرزا اسداللہ خاں نوشہ یعنی حضرت غالب مرحوم کے خسر مرزا الٰہی بخش خاں صاحب معروف کو اپنے اُستاد حضرت ذوق کے تلامذہ میں شمار کیا ہے جس سے بیک جنبش نظر ارباب نقد و نظر کو غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ غالب و ذوق کی معاصرانہ چشمک اس حیثیت سے نظر انداز کی جاسکتی ہے کہ غالب کے بزرگ سسرے جب ذوق کے شاگرد تھے تو ذوق کو ہر حالت میں غالب پر بزرگانہ تفوق حاصل تھا حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے حضرت معروف کی شاعری کا جس زمانہ میں شباب تھا ذوق مرحوم کم سن تھے اور خواجہ معروف سے مستفیض ہوتے تھے۔

معروف حضرت شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے جو میر و سودا اور درد کی مجالس سخن میں مدتوں شریک رہے ہے اور خود مسلم الثبوت شاعر مانے جاتے ہیں۔

میرزا الٰہی بخش خاں معروف نسبتاً حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی اولاد امجاد سے ہیں۔

معروف فارسی النسل تھے آپ کے اجداد کا مشغلۂ حیات شاہی فوجی خدمت سے

متعلق تھا اور اسی سلسلہ میں بزمانہ سلطنت مغلیہ ہندوستان وارد ہوئے اور حسن خدمات کے صلہ میں فیروزپور جھرکہ و لوہارو کی جاگیرات عطا ہوئیں جو خواجہ معروف کے خاندان میں اب تک قایم ہیں۔

حضرت معروف اپنی خاندانی وجاہت کے علاوہ درویش کامل تھے حضرت معروف مولانا خواجہ ضیاء الدین صاحب چشتی فخری جے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مرید تھے حضرت معروف کی زندگی کا اکثر حصہ اہل اللہ کی خدمت میں گزرا۔

معروف کو شاعری سے فطری ذوق تھا حضرت شاہ نصیر دہلوی کی خدمت نے معروف کو معراجِ کمال پر پہونچا دیا اس ابتدائی دور میں اگرچہ ادبی سمتیں عام تھیں تاہم مخصوص محافل میں خواجہ معروف اساتذہ کی صف میں بٹھائے جاتے۔

جو غزلیں آپ کی زبان سے ادا ہوتیں وہ دوسرے روز ہی زبان زد عام ہو جاتی تھیں بعض تذکروں میں آپ کا جو کلام جستہ جستہ شایع ہوا یہ وہی کلام تھا جو اُس زمانہ میں زبانوں پر تھا۔

آپ کی طبیعت میں روانی و آمد کا یہ حال ہے کہ بعض اوقات معلوم ہوتا ہے بلا ارادہ روزمرہ کی زبان میں شعر ڈھلتے چلے آرہے ہیں۔ معروف جس دور میں شاعری کے منازل ارتقاطے کر رہے تھے وہ دور نزاکت زبان کا نہ تھا الفاظ میں ابتذال بول چال میں بھدے اور بھونڈے فقرات کا استعمال بکثرت تھا یہی سبب ہے کہ معروف کی شاعری میں آج کل کے متروکات نظر آتے ہیں۔

اعلیحضرت شہنشاہ ظفر جنت مکانی کا دیوان جن ارباب نظر کا جنت نگاہ ہا ہے وہ دیوان معروف دیکھ کر ان تمام نوادر و نایاب قوافی و ردیف سے یقیناً لطف اندوز ہوں گے جن کی مختلف النوع کیفیات کلیاتِ ظفر میں موجود ہے۔

میں نے دیوان معروف کا بیشتر حصہ غائر نظر سے دیکھا۔

معروف کی طبیعت باوجود صوفیانہ مذاق کے شاعرانہ شوخ جذبات سے لبریز پائی جاتی ہی زبان شستہ ہی اور دوسے پیشتر حصۂ دیوان پاک ہی جو کہنہ مشقی کی کھلی دلیل ہی۔
جہاں غیر مستعمل نئی ردیف مفرد قایم کرکے آپ نے دماغ سوزی کی ہی اُن میں بعض بعض مواقع پر دیکھنے والے کو بندشیں ڈھیلی معلوم ہوتی ہیں تاہم رسائی فکر وہاں بھی حلاشی کامیابی معلوم ہوتی ہی۔
اسی طرح کہنہ الفاظ اپنی ثقالت کا اثر دورِ حاضرہ کے شاعر پر ضرور ڈالیں گے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ الفاظ دورِ قدیم کی خصوصیات اور عہد رفتہ کی بول چال کا صحیح مرقع بھی پیش کریں گے۔
کاش آپ کا دیوان بھی دوسرے اساتذہ کے دیوانوں کے ساتھ شایع ہوچکا ہوتا تو آج ہزاروں لگاہیں اوراقِ دیوان پر جبہ سائی میں معروف ہوتیں۔
ملک کو جناب میرزا نصراللہ خاں صاحب بالقابہ بنیرہ حضرت معروف کا شکرگزار ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے اس متاعِ گراں مایہ کو بازارِ ادب میں لاکر مذاقِ سلیم کو ع نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔ کہنے پر مجبور کردیا۔
یہاں میں اگر محترمی حضرت مولانا شاہ عبدالحامد صاحب قادری بدایونی کے ادبی ذوق کو مبارکباد نہ دوں تو بڑی حد تک ناشکری ہوگی آپکے مشاغل علمی و مذہبی لاکھ معروفِ وعظ و تذکیر سہی لیکن فطری مذاق جو ایک خطیب و ادیب کا خاصۂ طبیعت ہی کب خاموش رہ سکتا ہی آپ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ خزائن ادبی ہنوز سربمہر ہیں تو آپ نے سعی بلیغ فرمائی اور خواجہ معروف کے مستند اور مشہور کلام کو غیر معروف نہ رہنے دیا آج مولانا کے سخن فہم حسن تدبر کے باعث یہ دیوان منظرِ شہود پر آرہا ہی ہر صاحبِ مذاق کا فرض ہی کہ جہاں وہ شیرینیٔ زبان اور حلاوتِ کلام سے لطف اندوز ہو کہ خراجِ تحسین پیش کرے۔

وہاں ہر دو حضرات کی جناب میں تشکر و امتنان کے پھول نذر گزرانے۔

وما علینا الا البلاغ

ضیاء القادری بدایونی

وبہ نستعین

تاریخ طبع دیوان وستایش مصنف کہ نام نامی و اسم گرامی نواب میرزا الٰہی بخش خاں مرحوم معروف تخلص بود برادر کہیں فخر الدولہ نواب میرزا احمد بخش خاں بہادر مغفور والی ریاستہائے فیروز پور جھرکہ و لوہارو بود

(از ابو المعظم حضرت میرزا سراج الدین احمد خاں صاحب سائل جانشین داغ نبیرہ حضرت معروف مرحوم و مبرور)

تکیہ سائل پہ حضرت عبد حامد کا ورود — قادری تائید ہی یا رحمتہ رب ودود
صالحان دیں کی سمجھو یادگار اس ذات کو — کیوں بڑھانے میں کمی کی جائے بڑھتی بات کو
وجہ تشریف آوری اس محترم کی پھر یہاں — ہے مراد سائل و نام آوری خاندان

نشہ طاری ہو گیا سنکر کلام پر سرور — اک خلش فقدان مقصد کی ہوئی خاطر سے دور
دونوں لب میرے ہوئے معروف حمد کردگار — رنجہ گامی کا تشکر پھر کیا بے اختیار

آرزوئے قلب مکنونہ ہوئی اب بے نقاب — روبروِ اہل نظر کے آرہی ہے وہ کتاب
جس کا پڑھنا دیکھنا واجب ہے اہل ذوق کو — جو جو مضمر دل میں رکھتے ہیں ادب کے شوق کو
حضرت معروف کا دیوان شایع ہو گیا — مہر و مہ اردو و ادب کا گویا طالع ہو گیا

از فیوض شوق و ذوق طبع نصر اللہ خاں — جو مصنف کا نبیرہ نیچہیں ہے کامراں
آصفی سرکار عالی کا ہنر ور عہدہ دار — ہے علم صدر المحاسب جس کا باعز و وقار

اہتمام طبع ذمہ اُس مقدس کے کیا … جو ہے دلدادہ کلام حضرت معروف کا
کون معروف ادب نواب الٰہی بخش خاں … سالک سجادۂ عالیِ چشتی خانداں
فخر منت بیعت پیر طریق فخر فقر … جس نے ثابت کر دیا اپنا عمل بالفقر فخر
صحبت خواجہ ضیاء الدین چشتی تاحیات … پیر کے ارشاد سے سمجھا کیا وجہ نجات
کرلیا مسکن مقر اپنا نظام الدین نگر … جو قیامت تک رہے گا اُس کا ایوانِ سکا گھر

شہ نصیر دہلوی نکتہ ور کا عہد تھا … یہ جہاں آباد گویا علم و فن کا مہد تھا
کرکے اس مرد خدا نے خوشہ چینیِ نصیر … اچھا خاصہ کرلیا چبھتے ہوئے تنکوں کو تیر
اوستادان ادب میں ہو گیا معروف تر … اس کے بال شعر میں پیدا ہوئے آثار پر
دل نشیں ہونے لگا شہرہ سخن کا چار سو … ہو گیا معروف دنیائے سخن میں کو بکو

اس کی مدحت کیوں نہ ہوتی میری خاطر کی مراد … اس کے نکتے نکتے کی دیتا ہے میرا قلب داد

میرا باب محترم مرزا شہاب الدین خاں … اس کا پوتا میں پروتا ہوں پروئے دو دماں
ورنہ یابِ شاعری ہوں یوں کہ میں اولاد ہوں … ایسی نسبت سے بجا ہے گر کہوں استاد ہوں
سرزمین ہند میں گو چار سو مشہور ہوں … ہو کے مقرون سخن حسن سخن سے دور ہوں

گلشن بیخار کے اوراق ہیں میرے گواہ … گو وہ میرے قول نے گر کر دیا ہو پر کاہ
شیفتہ سا نکتہ رس لکھتا ہے کیا معروف کو … معتبر تحریر اس شیوا بیاں کی کیوں نہ ہو

شاعرانِ ہند کے نسخہ پہ پھر فرماؤ غور … اُس کی تحریرات کا اس پر رہا کیا طرز و طور
اُس نے دو دیوان کا مالک بتایا ہے اسے … شاعری کے باب میں خاصہ سراہا ہے اسے
اُس کا ایک ایک حرف ہے لکھا ہوا تحقیق سے … نکتے نکتے پر نظر فرمائی ہے تدقیق سے
اعتبار اس کا ہے میرے قول کی تائید میں … اُس کے خامہ نے کسر رکھی نہیں تنقید میں
معتبر سمجھا گیا ہے جملہ قول ذوالقرون … خوبی معروف میں کی جائے کیا چون و چگوں

گورگانی نسل شاہی میں تھا جو دانائے فن … صابر مرحوم کا لکھا گلستان سخن

اپنے نسخہ میں یہی فرما رہا ہے صاف صاف
تھا بمیدان سخن معروف اک مرد مصاف

شاعری کے سلسلہ میں ہو کے شاگرد نصیر
اپنے یاران طریقت میں ہوا مشہور پیر

جادہ اپنی خامہ فرسائی کا ڈالا اک نیا
عہد کے اہل سخن سے کر لیا رستہ جدا

شاعری میں ہو گیا سب سے الگ اس کا مذاق
حضرت صابر سے ہے صہبائی کو بھی اتفاق

مستند تر اہل علم و فضل میں اس کا ہے قول
یہ نہیں بکتا خوشامد میں کسی کی اول فول

تھا محقق اپنے عہد و دور کا مانا ہوا
عالمان وقت کا سمجھا ہوا جانا ہوا

اس کی تصنیفات نے عالم ہزاروں کر دیئے
شائقیں کے اس کے علمی کنز نے گھر بھر دیئے

نسبت معروف اس نے صاف تر فرما دیا
ہے نصیری سلسلہ میں اس کا جادہ ہی جدا

اس کا انداز سخن ہے صاف ستھرا بے مثال
ہے ادب کے فن کا عالم تا بیابان کمال

صاف تر تخئیل کو کرتا ہے اس کا حرف حرف
صحبت اہل ہنر میں کی تھی اس نے عمر صرف

عاشقانہ رنگ میں کی خامہ جنبانی اگر
فکر کی پرواز ثابت ہو گئی طاؤس پر

جب تصوف کی طرف راجع ہوئی اس کی صریر
اہل حال و قال کے دل پر لگی بن بن کے تیر

راستی کے راستے سے دور ہے آب حیات
سید آزاد نے بالکل غلط لکھی یہ بات

ذوق سے نسبت تلمذ کی اسے مطلق نہ تھی
مان سکتی ہی نہیں یہ بات دانائی کبھی

تھے نصیر دہلوی کے دونوں یہ ذلہ ربا
شاعری میں ان کا رشتہ باہمی بھائی کا تھا

عمر میں بھی ذوق سے معروف تھے خاصے بڑے
حضرت آزاد کیوں اس باب میں جھوٹے پڑے

اس میں بھی اک نوع سے پیدا حسد غالب کا ہے
قول صادق یہ سعید الدین خاں طالب کا ہے

نسبتی ان کے پدر پر بھی نوازش ہو گئی
جس سے پوری پوری ثابت دل کی کاوش ہو گئی

الحذر از جنبش کلک حریفاں الحذر
از خصومتہائے ایشاں کس نمیابد مفر

الغرض مطبع سے باہر آ رہی ہے وہ کتاب
فیصلہ کر لیں گے خود اہل سخن ارباب اب

جو مصنف کا تھا اس کے پایۂ فضل و کمال
ترک کرنی چاہیئے اس باب میں اب قیل و قال

دیکھ لیں دیوان و تسبیح زمرد دیکھ لیں		عاشقانہ صوفیانہ اُس کی شُد بُد دیکھ لیں
اب سے پہلے اک صدی جو کچھ تھا معیار ادب		وہ مدون ہو گئے ہیں ہدیہ نظر کا سب
فکر جب پیدا ہوئی بہر سن طبع و شیوع		بے نوا سائل ہوا تاریخ کی جانب رجوع

مادہ ہاتھ آیا وہ جو مادہ کی جاں ہے

بیسلے دستانسر معروف کا دیوان ہے

۱۳ ہجری ۵۳

از

لسان الحسان مولانا مولوی محمد یعقوب حسین صاحب

قادری ضیا بدایونی

در اہلِ کمال مستند بود — عنوانِ نگار خواجہ معروف

تاریخِ کلام او ضیا گفت — دیوان نگار خواجہ معروف

۱۳ ھ ۵۳

ولہ

بارشِ بادۂ مضموں ہے ضیا — کیفِ مے پاشیِ جامِ معروف

کہیئے تاریخ بعنوانِ جدید — ابرِ رحمت ہے کلامِ معروف

۱۳ ھ ۵۳

ولہ

بے خبر معروف کے ذوقِ سخن سے تھا جہاں — سعیِ حامد سے چھپا دیوان اب موصوف کا

کہیئے تاریخ طباعت عیسوی سن میں ضیا — فخرِ احساں ہے دیواں خواجۂ معروف کا

۱۳ ھ ۳۵

تقریظ منظوم

(از مولانا مجتہد الدین احمد صاحب عیش بدایونی)

نظم اُردو ہوئی پیدا جو دکن میں پہلے
اور پھر ہند میں ہر سو ہوئی اس کی شہرت

ٹھیرے وہ موجد اشعار زبان اُردو
ہوئی مقبول ولیِ دکنی کی جدت

پھر اسی دور میں [illegible] گرانمایہ کی
ناصر و قایم و حاتم نے بڑھائی قیمت

سلسلہ اور بھی پھر اس کی ترقی کا بڑھا
میر و سودا کے زمانے کی بھی آئی نوبت

غالب و ذوق کے ساتھ آئے اسی محفل میں
مومن و ناسخ و معروف و نوا و جرأت

ان میں آگے تھا کوئی کوئی ذرا پیچھے تھا
اور بھی لوگ بہت ان کے رہے ہم صحبت

یہ زمانہ جو ترقی کا ملا اُردو کو
اور سے اور ہی کچھ ہو گئی اس کی صورت

نظم اُردو کی یہ اک مختصراً ہے تاریخ
اس کی تفصیل بھی کرتا میں جو ہوتی فرصت

اب وہ کہتا ہوں میں اس وقت جو کہنا ہے مجھے
یعنی اک روز تھا میں خانہ نشینِ عزلت

رونق افروز ہوئے مولوی عبد الحامد
فرض اپنا جو سمجھتے ہیں زباں کی خدمت

ایک مکتوب مجلد بھی تھا موصوف کے پاس
پوچھنے پر مرے گویا ہوئے یوں وہ حضرت

پڑھیے اس کو یہ ہے دیوانِ جنابِ معروف
ہاتھ آیا ہے کہ بدشواری و باصد دقت

قصد ہے میرا کہ میں طبع کرا دوں اس کو
تاکہ محفوظ رہے ہو نہ تلف یہ دولت

الغرض چل دیئے وہ چھوڑ کے دیواں مرے پاس
میں نے اس کو جو پڑھا ہو گئی مجھکو حیرت

اس قدر صاف کلام ایسا کلام اتنا کلام
کیا کہوں دیکھ کر اس کو ہوئی کیسی فرحت

بعض غزلوں کی زمینیں تو ہیں ایسی دشوار
جن میں اک شعر بھی کہنے میں ہو بیحد دقت

پھر فصاحت ہر وہی اور سلاست ہو وہی
ہو تعجب کیے اک استاد کا اور ایسا کلام
ڈیڑھ سو سال کے بعد آج یہ نوبت آئی
بخدا حضرت حامد نے بڑا کام کیا
شاعر کامل و نامی تھے جناب معروف
مختصر قطعہ یہ ارسال ہو دیوان کے ساتھ

سچ تو یہ ہو کہ یہ حاصل تھی انھیں کو قدرت
آج تک یوں رہے محتاج حصول شہرت
کہ اسے طبع کرانے کی ہو پیدا صورت
قابل داد و ستایش ہو یہ ان کی محنت
روح پران کی ہوتا حشر خدا کی رحمت
اس میں تحریر ہو دیوان کی کچھ کیفیت

جی تو کہتا ہو کہ کچھ اور بھی لکھیے لیکن
آج کل عیش پریشاں ہو عدیم الفرصت

قطعہ تاریخ از مولانا محمد قمر الحسن صاحب قمر بدایونی

چو از مساعیِ حامد میاں بدایونی
ندا بگوشِ قمر آمدہ ز ہاتفِ غیب

بہ انطباع رسید ایں صحیفۂ مکتوم
بہارِ گلشنِ معروفِ دہلوی مرحوم

از الحاج مولانا عبد الجامع صاحب جامی بدایونی

آج مطبوع وہ کلام ہوا
مشتعل بزم فکر شعر و سخن
مایۂ نازِ واقفان کمال
یعنی معروف کا ہوا دیوان
کون معروف نامور استاد

ڈھونڈتی تھی جسے ادب کی نگاہ
نیر علم چرخ فن کا ماہ
رہبران ہنر کا خضر راہ
سرمۂ چشم معرفت آگاہ
شہرہ ماہی سے جس کا ہو تا ماہ

شاعروں میں جو مستند شاعر	فاضلوں میں جو ذی شرف ذی جاہ
تھے فصیحوں میں نازشِ دہلی	تھے بلیغوں میں وہ کمال پناہ
تھا غزل میں بیان شادی و غم	لائقِ مرحبا و قابلِ آہ

ہے دعا بھی سنِ طباعت بھی
بخش شہرت دوام یا اللہ
۱۹ ء ۳۵

دیگر

طبع دیوان وہ ہوا کہ جسے	جانِ جانانۂ ادب کہیے
ہر غزل میں ہے ذوق کیف اتم	کیوں نہ پیمانۂ ادب کہیے
شعر میں شاہدانِ معنی کو	زیبِ کاشانۂ ادب کہیے

فکرِ تاریخ کیا ہے اے حامی
مے خمخانۂ ادب کہیے
۱۳ ھ ۵۳